حرم سرا کی سازش
انیس مرزا

(تاریخی کہانیوں کا مجموعہ)

انیس مرزا

نام کتاب : حرم سرا کی سازش (تاریخی کہانیوں کا مجموعہ)
مصنف وناشر : انیس مرزا
پتہ : 45۔سی ڈی.ڈی.اے فلیٹس، ماتا سندری روڈ، نئی دہلی۔2
صفحات : ۱۹۲
سن اشاعت : 2005ء
کمپیوٹر کمپوزنگ : رہبر کمپیوٹرز 2936۔کلاں مسجد، ترکمان گیٹ، دہلی۔6
مطبع : رہبر آفسیٹ پرنٹرز، گلی قطب الدین، ترکمان گیٹ، دہلی۔6
قیمت : دوسو روپے =/Rs.200
زیر اہتمام : ناصر دہلوی
تعداد : 400سو

—:کتاب ملنے کا پتہ:—

ایوانِ ادب پبلشرز 3028۔گلی انصاری، ترکمان گیٹ، دہلی۔6
رہبر کارنر 2936۔کلاں مسجد، ترکمان گیٹ، دہلی۔6
موڈرن پبلشنگ ہاؤس، 9۔دریا گنج، نئی دہلی۔2
ساقی بک ڈپو، 4157A۔اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔6

یہ کتاب اردو اکاڈمی دہلی کے مالی تعاون سے شائع کی گئی ہے۔

فہرست

انتساب

اپنے عزیز دوست محمد مقیم قریشی

کے نام

جو نہایت اعلیٰ ادبی ذوق رکھنے کے ساتھ

بے حد ادیب نواز بھی ہیں

انیس مرزا

فیروز دہلوی

کوائف

اصلی اور قلمی نام : انیس مرزا

ولادت : تقریباً ساٹھ برس پہلے، فرخ آباد (اتر پردیش)

ولدیت : مرزا محمد جان صاحب (مرحوم) خوش نویس ماہنامہ رسالہ "پیشوا" اور "حریت" دہلی

تعلیم و تربیت : وطنِ ثانی دہلی میں ہوئی۔ فصیل بند شہر کے متعدد اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر اور پرنسپل صاحبان نے تعلیمی اسناد دینے سے احتراز کیا کہ یہ جناب کی لیاقت اور صلاحیت پر "کھری" نہیں اترتی......

قد و قامت : ۱۹۶۰ء سے تادم تحریر (۲۰۰۵ء) نہ ایک انچ بڑھا نہ گھٹا

وزن : ......؟ نظر نہ لگ جائے ان دست و بازو کو/ تقریباً ایک سو پچاس ناول پچاس سے زیادہ افسانے، دو درجن بچوں کی کہانیوں کی کتابیں اور ناول، دو قلمی کہانیاں، ایک ٹیلی فلم، ایک ٹی. وی. سیریل کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے تو کچھ "اندازہ" ہو......

مشاغل : آبائی پیشے "خوش نویسی" سے منہ موڑا۔ کتاب نویسی (ناول و افسانہ نویسی) اختیار کی۔

نقد و املاک : "ہزاروں خواہشیں اور ارمان"

استحصال : فرضی ناموں سے لکھا اور لکھوایا گیا

استبداد : اور تو مجھ کو ملا کیا محنت کا صلہ
چند سکے ہیں میرے ہاتھ میں چھالوں کی طرح

اعزاز : اردو ناولوں کے شائقین میں سے چند نے خرید کر اور کچھ نے کرایہ پر لے کر

اس غرض سے مطالعہ کیا کہ مصنف اسی طرح لکھتا رہے اور تھک ہار کر نہ بیٹھ جائے......

انعام و کردار : (i) بچوں کے ایک ناول "سمندر کے بھوت" پر دہلی اردو اکیڈمی کا ایوارڈ (۱۹۹۱ء)
(ii) اردو کی ادبی خدمات پر "مرزا وزیر بیگ چنگیزی ایوارڈ"
(iii) اردو کی ادبی خدمات پر شوا آرٹ گروپ کا ایک ایوارڈ
(iv) اردو کی ادبی خدمات پر پریم چند ایوارڈ
(v) اردو کی ادبی خدمات پر نویڈا کی ادبی تنظیم نے بھی نوازا
کل ملا کر "نقدی" کم دل کے بہلانے کے لیے کھلونے زیادہ

اعتراف : کم و بیش چالیس سال پہلے ناظر کاکوروی نے اپنی کتاب "جائزے" (ادارہ انیس اردو، الہ آباد) میں ناول نگاری کی فہرست میں ایک نام انیس مرزا کا بھی اضافہ کیا۔ عباس حیدر نے اپنی تصنیف بچوں کے ادب میں بچوں کا ادیب تسلیم کیا۔

مشاہدہ : گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی

تجربہ : کیا وہ نمرود کی خدائی تھی بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

شب و روز : دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں۔

زبانِ حال : لکد کوبِ حوادث کا تحمل کر نہیں سکتی
مری طاقت کہ ضامن تھی بتوں کے ناز اٹھانے کی

موجودہ مصروفیات: خامہ فرسائی مقامی، بیرونی، نیم ادبی، فلمی اور جاسوسی جرائد کی "پلے بیک ادارت"۔ روٹی تو کسی طور کما کھائے مچھندر

پس نوشت : مرزا صاحب! عاجزی اور خاکساری اللہ کو بھی عزیز ہے۔ مگر ایسی خاک ساری کس کام کی بندہ عاجز سنگسار ہو جائے۔

تبصرہ (ایک بہی خواہ کا) : انیس مرزا! بزرگ کہہ گئے ہیں "اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا" (اپنا سر تو توڑ سکتا ہے) سو ہم نے دیکھ لیا۔ کب تک اسی طرح جوتیاں چٹخاتے رہو گے۔ کسی دل جلے کی مان لو، عمر عزیز کے جتنے دن باقی ہیں کسی ادبی گروہ میں

شامل ہو جاؤ۔کوئی آدھا ادھورا نقاد مل گیا تو رنگ چوکھا......

مشورہ نمبر۲ کسی ''باکمال'' کا دامن تھام لو، ففٹی ففٹی پر سمجھوتا کرلو۔اب تک تہی داماں تھے کل تنگ دامنی کا شکوہ ہوگا......

بھیا! پچھی بن آدر کون کرے۔ماتا بن بھوجن کون دھرے

مشورہ نمبر۳ ''گاڈ فادر'' کے معنی کسی ڈکشنری میں دیکھ لینا۔

سنا ہے اردو اکادمی دہلی کچھ متوجہ ہوئی ہے اور جناب کی کتاب ''حرم سرا کی سازش'' کو جزوی مالی امداد سے نواز رہی ہے۔مبارک سلامت (مگر خالی داد وتحسین سے کام نہیں چلتا) دور کی صاحب سلامت رنگ لائی۔اب ذرا قریب آ، اکادمیوں کے اربابِ حل وعقد نہ جانے کس کس کے منتظر ہیں۔ پھیکی میٹھی چائے پی کر احباب بھی بدمزہ ہوگئے۔اب کچھ کام ودہن کی آزائش کی بھی!!

سعید اختر اعظمی

تاریخ کا رمز شناس۔ انیسؔ مرزا

تخیل کی جلوہ گری کے ساتھ دور رس مشاہدہ افکار کو نیا رنگ و آہنگ دیتا ہے تو عمیق مطالعہ سونے پہ سہاگہ کا کام کرتا ہے۔ دراصل مطالعہ اور مشاہدہ ہی تخیل کی جلا بخشی کا اہم سبب ہوتا ہے۔ کسی بھی عہد کی تاریخ سے واقفیت سے ان نقوش تابندہ کی تلاش ضروری ہے جس کے سبب یہ لمحے زندہ جاوید ہوئے۔ صفحہ تاریخ پہ بکھرے ان واقعات کی یکجائی یقیناً کار سہل نہیں لیکن جو سمندر کھنگالنے کا عزم رکھتے ہوں وہ صدف میں گوہر نایاب تلاش کر ہی لیتے ہیں۔ عہد رفتہ و گذشتہ کی تاریخ ترتیب دینے والوں کی یہی عرق ریزی انہیں منفرد بناتی ہے۔ انہیں نام و نمود کے بجائے گمنامی بھلے ہی ملے لیکن ان کی اس کوشش کو مستقبل کا مورخ کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

انیس مرزا طویل عرصے سے پرورش لوح و قلم کر رہے ہیں۔ ادب و صحافت کے میدان سے ان کی وابستگی ادبی سرمایہ میں اضافہ کا باعث بنی ہے۔ چونکہ اردو کی خدمت ہی ان کا نصب العین ہے اس لیے ان کے قلم پر برف جم جانے کی رت کبھی نہیں آتی۔ شاید اسی لیے وہ دل کے شعلے اور جذبوں کی شبنم کی تقسیم میں بخل سے کام نہیں لیتے۔ طلسم ہو شربا ہو یا بارر، گھریلو مسائل ہوں یا سماجی کمزوریاں ان کا قلم ہر موضوع پر رواں دواں ہوتا ہے۔ وہ جب افکار میں جذبات و احساسات کی آمیزش سے کسی کہانی کا خاکہ بناتے ہیں تو حقیقتِ حال کو فراموش نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک کہانی صرف تفریح کا ذریعہ نہیں معاشرہ کا آئینہ بھی ہے۔ قاری کو صرف الفاظ کے پیچ و خم اور مکالموں کے ذائقے ہی درکار نہیں بلکہ وہ جیتا جاگتا سماج بھی چاہیے جہاں یہ واقعات وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ انیس مرزا کا یہی احساس انہیں مقصد سے دور جانے نہیں دیتا اور وہ اپنے دائرہ میں ثابت قدم رہتے ہیں۔

''حرم سرا کی سازش'' میں جذبات نگاری، پر اثر مکالمے اور تخیل کی آمیزش کے ساتھ تاریخ کے صفحات سے منتخب وہ واقعات بھی ہیں جو تحیر و استعجاب کے ساتھ ایک نئے جہان دیگر

سے آشنا کراتے ہیں۔ انہوں نے ایک داستان گو کی طرح ان واقعات کو بیان کیا ہے جس سے قاری خود کو چوپال میں بیٹھا ہوا محسوس کرتا ہے۔ وہ کردار و واقعات سے خود کو اس حد تک وابستہ کر لیتا ہے کہ اس کا وجود بھی واقعات کا حصہ محسوس ہوتا ہے۔ ''قلوپطرہ اور راکھی'' جیسی کہانیاں شیرازہ منتشر کی صورت میں تھیں انیس مرزا نے ان کی یکجائی کر کے یقیناً امتیازی خدمت انجام دی ہے۔ میں اس پر انہیں مبارک باد دیتا ہوں اور توقع کرتا ہوں کہ یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا۔

تعارف

نام	:	انیس مرزا
والد کا نام	:	مرزا محمد جان صاحب مرحوم (خوش نویس ماہنامہ رسالہ ''پیشوا'' اور ''حریت'')
قومیت	:	ہندوستانی
عمر	:	۶۰ سال
مادری زبان	:	اُردو
پتہ	:	۴۵ بی. ڈی ڈی اے فلیٹس، ماتا سندری روڈ، نئی دہلی۔ ۲
فون	:	23238391
کام	:	صحافت (افسانہ نگاری، ناول نگاری اور بچوں کی کہانیاں)

تقریباً ایک سو پچاس ناول جن میں کچھ اپنے نام سے اور باقی قلمی ناموں سے شائع ہوئے۔ پچاس سے زیادہ افسانے اور کہانیاں، دو درجن بچوں کی کہانیوں کی کتابیں اور بچوں کے ناول، دو فلموں کی کہانیاں ''محبوب کی قسم'' اور ''دل دیوانہ مانے نا'' ایک ٹی وی سیریل ''وکیل جاسوس'' ایک ٹیلی فلم ''اگنی پریکشا'' ٹیلی کاسٹ ہو چکے ہیں۔

رسائل اور میگزین میں نائب مدیر کی حیثیت سے ''دن والا'' ''آگہی'' ''عالمی جرائم'' ''انوکھا جاسوس'' ''دنیائے حقیقت''

اور اپنی ادارت میں ''بچوں کا باغ'' ''کالی دنیا'' اور ''جاسوسی سنسار''

ایوارڈ : بچوں کے ایک ناول ''سمندر کے بھوت'' پر اردو اکیڈمی کا ایوارڈ ۱۹۹۱ء اُردو ادبی خدمات پر'' مرزا وزیر بیگ چنگیزی اور شوا آرٹ گروپ کی طرف سے ایک ایک ایوارڈ، ایک پریم چند ایوارڈ'' ایک ایوارڈ نوئیڈا کی ایک ادبی تنظیم کی طرف سے بھی نوازا گیا۔

انٹرویو : اردو چینل حیدرآباد سے ''بچوں کے ادب'' پر اور دوردرشن دہلی پر ''مقبول عام ادب'' و ''بچوں کے ادب'' پر الگ الگ انٹرویو ٹیلی کاسٹ ہوئے۔

ناول : ''حسن بانو'' ''یاسمین'' ''رہ گزر'' ''آندھیاں'' ''آخری بہار'' ''سنگدل'' ''غم دیئے مستقل'' ''سوکھا ساون'' ''تیری یاد آئی'' ''ٹوٹی لکیر'' ''دل ایک سمندر'' ''ساحل نہیں ملتا'' ''قرار کو ترسے'' ''لہو کے چراغ'' ''ڈولی'' ''گھروندہ'' ''گونگی چاہت'' ''ملہار'' ''گھرانہ'' ''سات انگلیاں'' ''وہی زندگی، وہی مرحلے'' ''درد کے فاصلے'' ''سوئے ندیا جاگے پانی'' ''کرن کرن اندھیرا'' ''وفا کیسی'' ''آس کا جگنو''

بچوں کی کتابیں : ''قصہ چہار خرگوش'' ''گمشدہ شہزادی'' ''چار دن کا شہزادہ'' ''جادو کا محل'' ''سوتیلی بہن'' ''بادشاہ کا ظلم'' ''جادو کی گیند'' ''دیوتا کی آنکھ'' ''جادو کی گڑیا'' ''سمندر کا خزانہ'' ''نو کا بیٹا جو'' ''مقدس کھوپڑی'' ''مجرم کون'' اور ''سمندر کے بھوت''

خواہش : آخر دم تک اُردو کی خدمت

انیس مرزا

روشنا کی شادی

انگریزوں کے دور کا ہندوستان، ہز میجسٹی سر مہادت خاں بابی پٹھان نواب آف جونا گڑھ پسینے سے شرابور گھوڑے پر سوار ہو کر شکار سے لوٹ رہے تھے، ان کے پیچھے دس سوار اور تھے جو بندوقوں سے لیس تھے، ان کے محل میں داخل ہوتے ہی نوکر چاکر حرکت میں آ گئے، ایک نے نواب صاحب کا گھوڑا پکڑا، دوسرے نے ان کی بندوق تھامی، دس سواروں میں سے ایک نے ایک ملازم کو دس کالے تیتر پکڑوائے، جنہیں نواب صاحب نے مارا تھا۔

محل کے اندر پہنچ کر دو نوکروں نے نواب صاحب کے پاؤں سے گھٹنوں تک لمبے چمڑے کے جوتے اتارے اور دو ملازموں نے چاندی کی تھالی میں رکھا تولیہ اٹھا کر ان کا پسینہ پوچھنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد ایک ملازم نے حمام تیار کروایا۔ نواب صاحب حمام میں چلے گئے پانی کے ٹب میں ''یوڈی کولون'' اور باتھ گریٹ کے ''سالٹ کیوب'' پڑے تھے جس کے سبب پانی خوشبو سے مہک رہا تھا۔

غسل سے فارغ ہو کر نواب صاحب ناشتے کیلئے ڈائننگ روم میں آئے جہاں ان کی بیگم بنی سنوری ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ بیگم نے بڑی نزاکت اور ادا سے انہیں سلام کیا اور پھر ناشتہ شروع ہو گیا۔

ناشتے کے بعد نواب صاحب اور بیگم صاحبہ ڈرائنگ روم میں آ گئے تب بیگم نے ہی باتوں کا سلسلہ شروع کیا...... ''میرے سرتاج اگر حکم ہو تو کچھ عرض کروں؟''

''ہاں ہاں بیگم! ارشاد فرمائیے، بھلا آپ کو اجازت کی کیا ضرورت ہے۔'' نواب صاحب نے کہا۔

بیگم صاحب نے ہنس کر فرمایا...... ''حضور، شاید آپ نے بھی غور کیا ہو، روشن اب سیانی ہو چکی ہے، اس کی شادی کی فکر کرنی چاہیے۔''

نواب صاحب نے قہقہہ لگایا..... "بیگم! یقین جانئے، روشنا کی فکر ہمیں بھی اتنی ہی ہے جتنی کہ آپ کو، شاید آپ کو علم نہیں کہ دیوان بہادر سے ہم اپنی اس تشویش کا ذکر کر چکے ہیں اور انشاء اللہ! وہ آج ہم سے اسی سلسلے میں ملنے بھی آرہے ہیں۔"

یہ سن کر بیگم کے چہرے کی رنگت بدل گئی اور وہ ہنس کر بولیں۔ "یہ تو آپ نے بڑی مبارک خبر سنائی۔"

نواب صاحب کلائی پر بندھی اپنی رولیکس گھڑی دیکھ کر بولے۔ "دیوان صاحب ٹھیک دس بجے آجائیں گے۔ وہ ٹائم کے سخت پابند ہیں، ہم آپ کو لوٹ کر سب کچھ بتلائیں گے اب ہم چلتے ہیں۔"

نواب صاحب چل دیئے اور محل کے گوشے میں واقع اپنے عالیشان آفس میں پہنچے۔ انھوں نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ ٹھیک دس بجے دیوان صاحب نے گھنٹی بجائی، جھک کر کورنش کی اور اندر آکر نواب صاحب کی اجازت سے بیٹھ گئے۔

"کہیے؟ کیا خبر لائے دیوان صاحب۔" نواب صاحب نے پوچھا۔

"حضور والا......" دیوان صاحب مسکرا کر بولے۔ "اللہ کے فضل و کرم سے مبارک خبر ہی سمجھئے، روشنا بی کیلئے نوشہ دیکھ کر آرہا ہوں، واللہ! کیا رنگ و روپ ہے سبحان اللہ، مجھے پورا یقین ہے کہ آپ کو بھی وہ پسند آئیں گے۔"

"آپ نے کہاں دیکھا انہیں......؟" نواب صاحب سیدھے ہو کر بولے۔

"حضور! اپنی ہی ریاست کے ایک جاگیردار صاحب کے یہاں، آہا...... کیا قد و قامت ہے......" دیوان صاحب نے جواب دیا۔

"دیوان صاحب......" نواب صاحب بے تابی سے بولے۔ "ہم ان کا کب دیدار کر سکیں گے؟"

"میں نے جاگیردار صاحب سے جب اپنا منشا بیان کیا تو وہ بھی فوراً آپ کی قدم بوسی کیلئے بے چین ہو گئے، مگر میں نے انہیں روک کر کہا کہ پہلے ہز ہائی نیس سے مشورہ کر لوں، پھر خبر کروں گا۔" دیوان صاحب نے بتایا۔

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا...... " نواب صاحب خوش ہو کر بولے۔ "ہم خود ان کے یہاں چل کر دیکھیں گے، آپ انہیں خبر کر دیجئے کہ ہم منگل کے دن دس بجے ان کے دولت کدے

پر پہنچ جائیں گے۔ آپ اور تقریباً دس بارہ امیر امراء ساتھ چلیں گے۔ دیکھیں آپ کی پسند سے ہماری پسند کتنی ملتی جلتی ہے۔"

"حضور عالی......!" دیوان صاحب نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "کہاں آپ اور کہاں ہم، آپ کی صحبت اور حضور میں رہ کر تھوڑی بہت تمیز آ گئی ہے۔"

یہ سن کر نواب صاحب بھی خوش ہوئے اور اٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھا تو دیوان صاحب! منگل کو دس بجے پہنچنا ہے۔ سارا انتظام درست ہونا چاہیے۔"

"حضور، اطمینان رکھیں، سب ٹھیک ہو جائے گا اور جاگیر دار صاحب کو بھی خبر کر دی جائے گی۔" دیوان صاحب نے کھڑے ہو کر ادب سے جواب دیا تھا۔

منگل کے دن تقریباً دس کاروں کا قافلہ روانہ ہوا، نواب صاحب اپنی رولس رائس کار میں سوار تھے۔ باقی تمام کاریں بھی انگلش تھیں۔ ادھر جاگیر دار صاحب نے اپنی حویلی کو دلہن کی مانند سجا رکھا تھا۔ حویلی سے نصف میل تک کی صفائی کروا کر دروازے سے ایک فرلانگ تک سرخ رنگ کے غالیچے کی پٹی بچھائی گئی تھی۔ ڈرائنگ روم سجا ہوا تھا۔ فرش پر کیوڑا چھڑکا گیا تھا۔ سارا ماحول دلفریب بھینی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ ٹھیک دس بجے نواب صاحب حویلی پر جا پہنچے، ان کے پہنچتے ہی جاگیر دار صاحب کے ملازموں نے دونالی بندوقوں سے اکیس ہوائی فائر کیے اور اس کے ساتھ ہی شہنائی اور نقارے بج اٹھے۔

جاگیر دار صاحب نے باہر آ کر تین بار کورنش کی اور پھر اپنی ہیروں سے مرصّع تلوار نواب صاحب کے قدموں میں رکھ دی، نواب صاحب خوش ہوئے اور انھوں نے تلوار اٹھا کر جاگیر دار کو سونپ دی۔ اندر جا کر نواب صاحب اور ان کے امیر و امراؤں کا شاندار استقبال ہوا، بادام، پستہ آمیز زعفرانی دودھ پیش کیا گیا۔ پھر رسم کے مطابق جاگیر دار صاحب نے ایک سو ایک سونے کی گنیاں نواب صاحب کو پیش کیں، کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوئیں اور پھر نواب صاحب کا اشارہ پا کر دیوان صاحب جاگیر دار صاحب سے بولے۔ "راجہ صاحب! اپنے بابی کو بلوایئے، ہز ہائی نیس انہیں دیکھنا چاہتے ہیں گے۔"

"جو حکم حضور کا......!" جاگیر دار نے جھک کر کہا۔

اس کے بعد روشنا کے ہونے والے دولہا بابی کو لایا گیا، بابی کے بال ہلکے سنہرے تھے، گلے میں سونے کی زنجیر پڑی تھی۔

نواب صاحب دیکھتے ہی کھل اٹھے اور بولے..... ''سبحان اللہ! بھئی دیوان صاحب! ہم آپ کی پسند کے قائل ہوئے۔ جیسا ہم تصور کرتے رہے تھے، ویسا ہی پایا۔ کیا نام بتلایا آپ نے..... ہاں! بابی!! ہمیں نہایت پسند ہے۔ روشنا اور بابی کی جوڑی ہزاروں میں ایک ہوگی۔''

نواب صاحب جاگیردار صاحب سے بولے..... ''بابی کے والد اور والدہ کے کاغذات تو ہوں گے آپ کے پاس.....؟''

''جی ہاں! حضور.....'' انھوں نے ملازم کی طرف اشارہ کیا تو اس نے جھک کر کاغذات جاگیردار کو سونپ دیئے۔ جنہیں جاگیردار نے چاندی کے تھال میں رکھ کر نواب صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔

نواب صاحب نے کاغذات پر نگاہ ڈالتے ہوئے فرمایا..... ''ہمارا قیاس درست ہی نکلا، بابی لیبریڈار ہی ہے۔ ریٹریور لیبریڈار۔'' پھر بولے۔ ''بھئی جاگیردار صاحب! آپ کا بابی آج سے ہمارا ہوا۔''

''زہے نصیب حضور! بابی کیا۔ میں بھی آپ کا ہوں۔ میری یہ چھوٹی سی جاگیر بھی آپ کی ہی ہے۔ جو کچھ بھی ہے سب آپ کی عنایت ہی تو ہے۔'' جاگیردار نے جھک کر تعظیم کی۔

نواب صاحب خوش ہوکر کہنے لگے۔ ''اگلے ماہ کی چار تاریخ کو آپ برات لے کر ہمارے یہاں آجایئے۔''

یہ سنتے ہی تمام امراء بول پڑے۔ ''مبارک ہو۔ مبارک ہو۔''

دیوان صاحب کو اشارے سے اپنے قریب بلا کر نواب صاحب کچھ سمجھاتے ہوئے بولے۔ ''شادی کے بعد بابی ہمارے پاس ہی رہیں گے۔''

''یعنی گھر داماد بن کر.....؟'' دیوان صاحب نے وضاحت کی۔

''جیسی حضور کی مرضی۔'' جاگیردار صاحب نے کہا۔ ''بھلا میں کچھ انکار کرنے کی جرأت کرسکتا ہوں۔''

اس کے بعد خشک میوے اور مشک کی کھیر سب کو کھلائی گئی، شامی کباب بھی پیش کیے گئے اور بعد میں بادام کا شربت پلایا گیا۔

بابی اور روشنا کی شادی طے ہوگئی اور تاریخ بھی مقرر کر دی گئی۔ اس کے بعد ہی نواب صاحب کا قافلہ واپس لوٹنے لگا۔ رخصت کے وقت پھر شہنائیاں بج اٹھیں اور دو نالیاں ہوائی فائر

کرنے لگیں۔ رشتہ پکا ہو گیا تھا۔

نواب صاحب نے دیوان جی کو ہدایت دی تھی۔ "ہندوستان کی تمام ریاستوں کے راجہ مہاراجہ اور نوابوں کو روشنا کی شادی کا دعوت نامہ بھیجا جائے گا۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے لاٹ صاحب، وائسرائے صاحب کو اور گورنر صاحبان کو بھی خاص طور سے مدعو کر کے بلایا جائے گا۔ شہر کے سبھی امیر و امراء شادی میں شامل ہوں گے، باہر سے آنے والے مہمانوں کی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں رہنی چاہیے۔ روشنا کی شادی ہندوستان کی ہی نہیں بلکہ دنیا کی پہلی تاریخی شادی ہوگی۔"

دیوان صاحب نے نواب صاحب کی ہدایت کے مطابق سب انتظام شروع کر دیئے۔

شادی کیلئے تین وسیع پنڈال بنائے گئے تھے۔ ان میں ایک زنان خانہ تھا جہاں بیگم صاحبہ انگریز لیڈیز اور راجے مہاراجے، نوابوں کی رانیوں و مہارانیوں کی مہمان نوازی اور دعوت کا انتظام تھا۔ دوسرا معزز مہمانوں، یعنی بڑے عہدے کے انگریز افسروں، گورنر، فوجی افسروں وغیرہ اور راجے مہاراجوں و نوابوں کا شامیانہ تھا اور تیسرا اونچے و متوسط درجے کے مہمانوں کیلئے تھا۔

جب دعوت نامہ وائسرائے کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھ تاچھ کروائی، پتہ چلا کہ ہز ہائی نیس نواب جونا گڑھ اپنی کتیا روشنا کی شادی ایک لیبراڈار کتے بابی کے ساتھ دھوم دھام سے کر رہے ہیں۔ یہ سن کر وائسرائے نے شریک ہونے سے صاف انکار کر دیا اور ممبئی کے گورنر کو بھی تاکید کی کہ وہ بھی اس بچکانہ شادی میں شرکت نہ کریں۔ ہاں! ان کے دیگر افسران جا سکتے ہیں جو کہ مخبر کا کام کر کے یہ سب رپورٹ دیں گے جشن میں کیا کیا ہوا؟

بارات والے دن کافی ریاستوں کے مہاراجہ اور ان کے امیر آئے، بارات میں ڈیڑھ لاکھ آدمی شامل ہوئے۔ سب سے آگے اسٹیٹ کے ہاتھی اور باڈی گارڈ کی پلٹن چلی۔ ڈیڑھ لاکھ لوگوں کی شاندار دعوت بھی کی گئی تھی جس میں 26 طرح کے کھانے پیش کئے گئے تھے۔

بات ہی بات میں باراتیوں کو پتہ چلا کہ نواب جونا گڑھ کو کتوں کا بڑا شوق ہے اور ان کے یہاں آٹھ سو کتے ہیں۔ کتوں کیلئے الگ سے ایک محل ہے جہاں وہ رکھے جاتے ہیں اس محل میں ٹیلی فون اور بجلی کے تمام لوازمات موجود ہیں۔ ہر ایک کیلئے دیکھ بھال کیلئے دو دو نوکر رکھے گئے ہیں۔ جب بھی کوئی کتا مر جاتا ہے تو اسے باقاعدہ دفنایا جاتا ہے اور بینڈ ماتمی دھن بجاتا ہے۔

روشنا کی شادی پر نواب جونا گڑھ نے بارہ لاکھ روپے خرچ کئے تھے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب ایک روپے میں 20 سیر گیہوں ملتا تھا اور دودھ کا بھاؤ چار آنے سیر تھا۔ انگریز

مصنف لیسری کالنس وفرانسیسی مصنف ڈامینک لیپئیر نے اپنی مشہور کتاب "فریڈم ایٹ مڈنائٹ" میں وجان لارڈ نے اپنی کتاب "مہاراجہ" میں اس شادی کی مکمل تفصیل پیش کی ہے۔

دعوت کے اخراجات کا ذکر کرتے ہوئے "فریڈم ایٹ مڈنائٹ" میں تحریر ہے کہ اتنا خرچ کیا گیا جس سے جونا گڑھ کے 6 لاکھ 20 ہزار کی آبادی میں سے بارہ ہزار بھوکے لوگوں کو سال بھر تک پیٹ بھر کھانا کھلایا جاسکتا تھا۔

دنیا میں کتے، کتیا کی یہ پہلی اور آخری سنک بھری شادی تھی جس میں ڈیڑھ لاکھ مہمانوں کا مجمع ہوا اور لاکھوں روپوں کی دعوت اڑائی گئی۔

کہ بدل گیا زمانہ

شاہ عالم کے مرتے ہی انگریز ریزیڈینٹ سیٹن نے اکبر شاہ کو گدی پر بٹھا دیا اور انھیں ایک لمبا چوڑا نام بھی دیدیا۔ ''ابونصر معین الدین محمد اکبر شاہ ثانی بادشاہ'' یہ ۱۸۰۶ء کی بات ہے۔

اس کے ساتھ ہی بادشاہ کی کم عمر بیوی ممتاز نے ولی عہد کا عہدہ اپنے بیٹے جہانگیر مرزا کیلئے ہتھیانے کیلئے منصوبے بنانے شروع کردیئے، ویسے قاعدے سے ولی عہد ابوظفر کو بننا تھا جو بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، لہٰذا ملکہ ممتاز نے دو جال پھینکے، پہلا یہ کہ ابوظفر کا تعلق ایک باندی انوری سے خوب گہرا کرادیا، ملکہ نے دوسرا اہم کام یہ کیا کہ اپنی ساس قدسیہ بیگم اور بادشاہ کی پھوپی دولت النساء بیگم کو اپنی طرف ملالیا۔

ایک شام کو بادشاہ اکبر شاہ قہوہ پینے بیٹھے تو ممتاز نے اپنا راگ چھیڑ دیا...... ''جہاں پناہ! اب دیر کرنا مناسب نہیں ہے، جلدی جہانگیر مرزا کو ولی عہد بنانے کا اعلان کردیں......''

اکبر شاہ بولے...... ''ہمارے ہاتھ میں ہو تو اعلان کردوں، وہ جو ریزیڈینٹ بیٹھا ہوا ابوظفر کا راگ الاپ رہا ہے۔''

''اس موئے ریزیڈینٹ پر خاک پڑے......'' ممتاز بولیں۔ ''اگر آپ سوچتے ہی رہیں گے تو دیکھ لیجئے گا، شہزادے جہانگیر مرزا اُمیدواروں کی قطار میں کھڑے رہ جائیں گے۔''

''تو ہم کیا کریں۔'' اکبر شاہ جھلا کر بولے۔ ''آپ ہی بتائیں......''؟

ممتاز نے کچھ دیر سوچا پھر بولیں...... ''ایسا کیجئے، ایک عرضی اُس موئے ریزیڈینٹ کو دے دیجئے کہ ابوظفر بدچلن ہے اور ناکارہ بھی......'' پھر پھسپھسا کر بولیں۔ ''یہ بھی لکھ دیجئے گا۔ کہ اس کا ناجائز تعلق آپ کی ایک بیگم سے بھی ہے۔''

''یہ کیا بے سر پیر کی باتیں کررہی ہیں ملکہ آپ......''؟ اکبر شاہ چونک کر بولے تھے۔

ممتاز نے بوڑھے اکبر شاہ کی لگام پکڑ رکھی تھی، اس لیے ذرا سخت آواز میں بولیں......

''جو میں کہہ رہی ہوں وہی کیجئے، محبت، جنگ اور سیاست میں سب جائز ہے۔''

اکبر شاہ اپنے سے آدھی عمر کی بیوی کو منع نہیں کر سکے، دوسرے ہی دن انھوں نے ابوظفر کے خلاف یہ الزام لکھ کر ریزیڈینٹ بہادر سیٹن کے دفتر میں پہنچا دیا۔

درخواست پڑھ کر سیٹن دنگ رہ گیا، اس نے فوراً ہی ریزیڈینسی کے ہندوستانی جاسوس گوری شنکر کو طلب کیا اور کہا..... ''گوری شنکر، بادشاہ لکھتا ہے کہ اُس کے بیٹے ابوظفر کا ناجائز تعلق اُس کی بیوی سے ہے، تم پتہ لگاؤ کہ یہ ماجرہ کیا ہے۔''؟

گوری شنکر نے اُسی دن اپنے مخبر کلو کو یہ سب بتا دیا، کلو لال قلعہ کے باورچی خانے میں ملازم تھا، وہ رتی رتی خبر گوری شنکر کو دیتا رہتا تھا، گوری شنکر نمک مرچ لگا کر وہی خبر ریزیڈینٹ سیٹن تک پہنچا دیتا تھا۔

کلو نے تین دن میں ہی ساری حقیقت جان لی، اس کے بعد شام کے دھندلکے میں گوری شنکر کے گھر پہنچ کر بولا..... ''جھوٹ کی بھی حد ہے گوری شنکر بھائی! ابوظفر بچارہ تو ویسے ہی ایک کونے میں پڑا ہے، اُسے ولی عہد بننے کی کوئی اُمید ہی نہیں ہے، البتہ وہ سب نالائق شہزادوں سے کہیں بہتر، قابل اور دم خم والا ہے، ہاں یہ بات دیگر ہے کہ اُس کا چکر انوری سے ضرور چل رہا ہے، مگر بادشاہ کی کسی بیوی سے قطعی نہیں، ضرور اس الزام میں کوئی سازش ہے، ہوسکتا ہے، بادشاہ کی اس کم عمر بیگم ممتاز کی چلی ہوئی کوئی چال ہو، وہ اپنے بیٹے جہانگیر مرزا کو ولی عہد بنانے کا خواب دیکھ رہی ہے۔''

گوری شنکر تانت بجتے ہی راگ پہچان گیا، اس نے دوسرے ہی دن ریزیڈینٹ کو سارا ماجرہ سمجھا دیا، سیٹن تو پہلے سے ہی ابوظفر کی طرفداری کر رہا تھا لہٰذا وہ ہوشیار ہوگیا اور ممتاز بیگم کی اگلی چال کی کاٹ سوچنے لگا۔

سیٹن کا خیال درست ہی نکلا، اکبر شاہ نے اپنی بیگم ممتاز کے کہنے میں آکر بغیر سیٹن سے صلاح و مشورہ کئے ایک دن جہانگیر مرزا کو ولی عہد بنانے کا اعلان کر دیا، جب بوکھلایا ہوا سیٹن قلعہ میں آیا تو بادشاہ نے اُس کے سر پر پگڑی جہانگیر مرزا کے ہاتھوں بندھوا دی۔

ریزیڈینسی لوٹ کر سیٹن نے یہ سارا واقعہ کلکتہ میں بیٹھے گورنر جنرل لارڈ منٹو کو لکھ بھیجا، جواب میں منٹو نے سیٹن کو یاد دلایا کہ اکبر شاہ کی پونچھ ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاؤں تلے دبی ہوئی ہے، کیوں کہ اُسے پنشن تو کمپنی ہی دیتی ہے، ٹرپ کا یہ پتہ ہاتھ میں لے کر سیٹن نے اکبر شاہ کے

دماغ کو جھنجھوڑ دیا، کہا......" روایت کے مطابق بڑے شہزادے ابوظفر ہی ولی عہد ہونے کے حق دار ہیں، جہانگیر مرزا نہیں، اگر آپ غلط کام کریں گے تو ہوسکتا ہے کہ آپ کی پینشن بند کر دی جائے......"

اکبر شاہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، وہ تو پینشن میں اضافہ کی اُمید لگائے بیٹھے تھے اور کہاں اب پینشن ہی گھٹائی میں پڑی جارہی تھی، نفع ونقصان کا اندازہ لگا کر اکبر شاہ بولے......"نہیں! نہیں صاحب بہادر، میں کل ہی اعلان کر کے جہانگیر مرزا کو ولی عہد کے عہدے سے محروم کیے دیتا ہوں۔"

اس فیصلے پر ممتاز بیگم بہت تڑپی، بھڑکیں، مگر اکبر شاہ نے ہمت پیدا کر کے انھیں پھٹکار دیا......"آپ کی عقل تو گھاس چرنے گئی ہے، سوچیے، اگر فرنگیوں نے پینشن روک دی تو ہم کھائیں گے کیا......ہوا"؟

اگلے دن باقاعدہ اعلان کر دیا گیا کہ فی الحال جہانگیر مرزا کو ولی عہد کے عہدے سے محروم کیا جاتا ہے۔

جہانگیر مرزا سکتے میں رہ گئے۔ انھوں نے اپنے ماں کے آنچل میں پناہ لی تو بیگم ممتاز نے بتایا۔"سارے فساد کی جڑ وہ موا سیٹن ہی ہے بیٹے! اُسی نے ابوظفر کی حمایت کو ہوا دی ہے، خدا اس گورے شیطان کو غارت کرے......"

جہانگیر مرزا نے ایک گہری سانس لی اور بے بس ہو کر خاموشی اختیار کر لی، اُس دن سے جب بھی جہانگیر مرزا کا سامنا سیٹن سے ہوتا، وہ کسی نہ کسی طرح اُس کی بے عزتی کر دیتے یہاں تک کہ دوستوں کے ساتھ وہ اپنا ہاتھ ہلا کر سیٹن سے کہتے۔"لولو ہے بے! لولو ہے۔"

سیٹن نے اس کی شکایت بادشاہ سے کی تو انھوں نے کہا......"بچہ ہے صاحب! بہادر، میں اُسے سمجھا دوں گا کہ آئندہ آپ کی شان میں گستاخی نہ کرے۔"

بادشاہ کے سمجھانے کے باوجود جہانگیر مرزا دن بہ دن بگڑتے گئے۔ اب تو وہ شراب پی کر سیٹن پر طنزیہ فقرے بھی کسنے لگے تھے۔

ایک دن بارش ہو کر تھم چکی تھی، موسم نہایت سہانا اور خوشگوار تھا۔ موسم کا مزاج دیکھ کر جہانگیر مرزا اور ان کے آوارہ لفنگے دوستوں نے شراب نوشی کی اور سب نقار خانے کی چھت پر جا کر گپیں ہانکنے لگے۔

اسی دن ایک نئی رائفل جہانگیر مرزا نے لی تھی، جس کی تعریف کے پل یار لوگ باندھے جارہے تھے، اسی وقت گھوڑے پر سوار سیٹن اکبر شاہ سے ملنے لال قلعہ آرہا تھا سیٹن کو دیکھ کر جہانگیر مرزا کے دوست بولے...... "شہزادے! لولو آرہا ہے، آپ کا نشانہ اچوک ہے اور رائفل بھی نئی ہے، آپ کو تب جانیں، جب لولو کا ٹوپ اُڑا دیں......"

جہانگیر مرزا ہلکے نشے میں تھے، لہٰذا انھوں نے رائفل سیدھی کی اور سیٹن کے ٹوپ کا نشانہ لے کر فائر کر دیا، کمال تو یہ ہوا کہ سیٹن کا ٹوپ اس کے سر سے اُڑ گیا، سیٹن گھبرا گیا، جلدی سے اپنا گھوڑا موڑ کر وہ واپس بھاگ لیا؟

"بھاگ گیا لُولُو......" جہانگیر مرزا نے زور سے قہقہہ لگایا۔

دوست بھی اس کی ہنسی میں ان کا ساتھ دینے لگے، وہ سب آنے والے طوفان سے بے خبر تھے۔

سیٹن نے فوراً ہی دہلی کے انگریز فوجی کمانڈر سے بیس مسلح گورے جوان اور دو درمیانی توپیں مانگ کر لال قلعہ پر حملہ کر دیا، توپوں کے گولے دیوانِ خاص...... اور محل کے دیگر حصوں میں گرے، محل میں افراتفری اور ہائے توبہ مچ گئی، جہانگیر مرزا اور ان کی چنڈال چوکڑی کو گوروں نے نقار خانے میں پکڑ لیا، سب کو گرفتار کر کے چاندنی چوک کوتوالی میں بھیج دیا گیا۔

تھوڑی دیر بعد اکبر شاہ کو اصل حادثہ کے بارے میں معلوم ہوا، انھوں نے بہت ہاتھ پاؤں مارے، منت سماجت کی، پر سیٹن بولا...... "آپ کے بیٹے نے مجھ پر جان لیوا حملہ کیا، مجھ پر کیا، یوں کہیئے کمپنی کے خلاف بغاوت کی۔"

نتیجہ یہ ہوا کہ فوراً ہی عدالتی فیصلہ ہوا...... "جہانگیر مرزا کو نظر بند کر کے دہلی بدر کر دیا جائے۔"

ایک ہفتے میں ہی جہانگیر مرزا کو پچاس مسلح سپاہیوں اور لیفٹیننٹ جونس کی کمان میں الہ آباد لے جانے کا حکم سنا دیا گیا، جہانگیر مرزا کے دوستوں کی خوب پٹائی کر کے ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔

شہزادہ جہانگیر مرزا کو دہلی بدر کیئے جانے کی خبر سے اکبر شاہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ ممتاز بھی چھاتی پیٹ پیٹ کر بے حال ہو گئیں، بیٹے کو ولی عہد بنانے کا خواب چور چور ہو گیا......؟

ادھر ایک گوشے میں پڑے لاچار ابوظفر کی قسمت کا دروازہ ہی کھل گیا کمپنی کے کہنے

پر بادشاہ نے انھیں ولی عہد بنانے کا اعلان کر دیا۔

الہ آباد کے بائی کا باغ علاقے میں ایک حویلی کی مرمت کروا کر اس میں جہانگیر مرزا کو رکھا گیا، جہانگیر مرزا خیر نظر بند تو نہیں ہوئے، مگر اُن پر خفیہ نگرانی رکھی گئی ان کے باہر آنے جانے پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی، انہی دنوں انگریزوں کے مخبر علی بیگ نے جہانگیر مرزا کو وقت کاٹنے کے دو طریقے بتائے۔ ایک تو ولائتی شراب چیری برانڈی کا شوق اور دوسرا الہ آبادی طوائفوں کی صحبت۔

حویلی نوکر چاکروں سے بھری تھی، جیب خرچ کی کوئی کمی نہیں تھی، کچھ معاوضہ انگریز دیتے تھے اور کچھ دہلی سے ہر ماہ آ جاتا تھا، لہٰذا حویلی میں صبح سے شام تک رونق رہتی تھی، علی بیگ نے جہانگیر مرزا کو الہ آباد کی سب سے رئیس طوائف صغرا بانو کے کوٹھے پر لے جا کر شام گزارنے کا ذریعہ پختہ کر دیا تھا۔

جہانگیر مرزا کی چڑھتی عمر تھی وہ ابھی پچیس سال کے تھے، شراب کے ڈورے پڑی آنکھوں سے شباب اور بھی زیادہ قاتل لگتا ہے، صغرا بانو جہانگیر مرزا سے بہت ہی ادب قاعدے سے پیش آتی تھی، وہ ہر ایک جملے میں ''حضور'' اور ''صاحب عالم'' کی رٹ لگائے رہتی تھی۔

علی بیگ نے صغرا کو سمجھا دیا تھا کہ مرا ہوا شاہی ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے، ایک دن وہ صغرا سے کہنے لگا۔

''بانو! شہزادے کے پاس خاندانی جواہرات ہی اتنے ہیں کہ آدھا الہ آباد کل خرید لیں، شہزادہ راگ، راگنیوں کی سمجھ رکھتا ہے، تھوڑا بہت ستار بھی ٹن ٹنا لیتا ہے میرا مطلب اچھا خاصا بجا لیتا ہے، اُسے سُر تال کی تمیز بھی خوب ہے، بس اپنی بیٹی سے کچے ڈورے پھینکوا کر اُسے قابو میں کر لو، یہ سمجھ لو کہ حسن کے پنجرے میں سونے کی چڑیا کو قید کر لوگی۔''

صغرا نے اشارہ سمجھ لیا، اس کی دو بیٹیاں تیار تھیں، فرحانہ اور مشتری، دونوں ناک نقش میں کھری تھیں اور گانے بجانے کا ریاض بھی ٹھیک تھا، ان میں صغرا بانو جیسی مہارت تو نہیں تھی، پھر بھی محفل بد رنگ نہیں ہونے دیتی تھیں، ان کے تان پورے ملانے کیلئے دو باندیاں بھی تھیں...... سجان اور سلونی، سجان کا رنگ صاف گہوا ں تھا مگر ناک نقش تیکھے تھے، اس کی آنکھیں تو جیسے خوابوں کا سمندر تھیں، سجان محفل کے کونے میں چپ چاپ بیٹھتی تھی اور نظریں ہمیشہ نیچی رکھتی تھی، وہ بہت کم گو تھی۔

سال میں ایک بار چاندنی رات میں الہ آباد کی طوائفوں کی "شام محفل" منائی جاتی تھی، شہر کی ساری طوائفیں اپنی اُبھرتی ہوئی بیٹیوں کو لے کر صغرا کے کوٹھے پر جمع ہوا کرتی تھیں، اُس رات صرف نئی لڑکیاں ہی گاتی تھیں، پرانی طوائفیں صرف سنتی تھیں، سب سے ہنرمند جوان طوائف کو ایک ہزار روپے کی تھیلی انعام میں دی جاتی تھی۔

علی بیگ نے اس جشن کا ذکر جہانگیر مرزا سے کیا، بولا...... "حضور الہ آباد کی چھٹی ہوئی بُلبلیں وہاں چہچہاتی ہیں، الہ آباد کے رئیس امراء بھی آتے ہیں اور وہ بھی اپنی طرف سے انعام واکرام عطا فرماتے ہیں۔"

"اچھا! پھر تو ہم بھی اُس محفل میں شریک ہوں گے......" جہانگیر مرزا مسکرائے تھے۔

جشن کی رات جب جہانگیر مرزا وہاں تشریف لائے تو الہ آباد کے امیر وامراء کھڑے ہوکر کورنش بجانے لگے۔

"بھئی یہ مقابلہ تو بہت پُر لطف ہوگا......" جہانگیر مرزا بولے۔ "یہ لیجئے ہماری طرف سے انعام، جو سب سے سریلی بانو کیلئے ہم لائے ہیں۔" کہہ کر جہانگیر مرزا نے پنّا اور ہیرے کا ہار مخملی قالین پر رکھ دیا، ہار قیمتی تھا، کم سے کم اُس وقت سوا لاکھ کا تو ہوگا ہی، سب نے سانس روک کر اُسے دیکھا اور پھر سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

محفل شروع ہونے سے پہلے جہانگیر مرزا ہنس کر بولے......"ہم یہ تو بتانا ہی بھول گئے کہ جو کوئی بھی راگ ابھوگی کا نہڑا گائے گی اور خوب گائے گی، اُسی کو یہ ہار ہم خود اپنے ہاتھوں سے پہنائیں گے۔"

شہزادے کی بات سن کر طوائف زادیوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا، بغل میں کھڑی خورشید جو کہ نصیبن کی بیٹی تھی، پھسپھسا کر اپنی ماں سے بولی......"درباری کا نہڑا تو میں گا سکتی ہوں، مگر ابھوگی کا نہڑا نہ بابا نہ...... یہ میرے بس کا نہیں ہے۔"

تب صغرا بانو نے اپنی بیٹی فرحانہ سے دھیرے سے کہا......"تو گا نہ فرحانہ! میں نے تجھے ابھوگی کا نہڑا سکھایا تو تھا، ارے وہی......"سیاں سانورے بھئے باورے، وچن کرت نت جھوٹے۔"

فرحانہ، جہانگیر مرزا کو سلام کر کے گانے بیٹھ گئی۔

سبحان نے تان پورا ملا کر فرحانہ کو پکڑا دیا اور خود بھی تان پورہ لے کر فرحانہ کے پیچھے بیٹھ

گئی، تان پوروں کی آواز سے ایسا محسوس ہوتا جیسے بھونرے گنگنا رہے ہوں، پھر فرحانہ نے ہمت کر کے ابھوگی کا نہڑا چھیڑ دیا۔

پانچ منٹ بھی نہیں گزرے ہوں گے کہ درمیان میں جہانگیر مرزا نے ٹوک دیا...... ''بانو تمہارا گندھار پھسل رہا ہے۔''

محفل چند لمحوں کیلئے تھم گئی، بیٹی کا غلط سُر لگانا اور اُسے پکڑنا دونوں ہی کام مشکل میں ڈالنے والے تھے، اپنی بیٹی کا بچاؤ کرتے ہوئے صغرا نے خود تان پورا سنبھال لیا تو حسین اٹھ کر کورنش بجالائی...... ''حضور، اس محفل میں صرف لڑکیاں ہی گا سکتی ہیں، میں مانتی ہوں کہ صغرا بانو سُر۔تال کی ماہر ہیں مگر قاعدے سے انھیں نہیں گانا چاہیے، ہاں! وہ چاہیں تو اپنے گھرانے کی کسی اور بیٹی سے گانا گوا سکتی ہیں۔''

تقریباً سبھی حاضرین محفل نے ''ہاں'' ''ہاں'' کہا اور تبھی ہمیشہ گم صم بیٹھی رہنے والی صغرا کی باندی سبحان بول پڑی...... ''ہم گائیں گے ابھوگی کا نہڑا۔''

صغرا بانو کو جیسے بجلی کا کرنٹ لگا، دل ہی دل میں بولی...... ''اس نے سرگم بھی نہیں سیکھا ہے، بھلا یہ کیا گائے گی کمبخت......''؟

اس سے قبل کہ صغرا کچھ کہتی، اس سے پہلے ہی جہانگیر مرزا نے اُسے گانے کی اجازت دیدی۔

سبحان نے تان پورا سنبھالا اور اپنے دائیں کان کی لو پکڑ کر صغرا بانو سے مخاطب ہوئی......
''اجازت ہے امی جان۔''؟

پتھرائی سی صغرا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

سبحان نے تان، پلٹے، آڑ، کواڑ سبھی راگ گائے ابھوگی کا نہڑا کے......تقریباً پون گھنٹے بعد سبحان نے گانا ختم کیا تو پوری محفل داد سے گونج اٹھی، جہانگیر مرزا تو جیسے سر بازار لٹ گئے تھے، وہ پلک جھپکائے بغیر سبحان کو تکتے رہے، پھر بولے۔'' آپ نے کس سے تعلیم حاصل کی۔''؟

''جی! امی صغرا بانو سے......'' سبحان سر جھکا کر بولی۔

صغرا بانو تو خوش ہونے کے بجائے اندر ہی اندر جلی بیٹھی تھی، تڑپ کر بولی...... ''میں نے کب سکھایا تھا تجھے سبحان! جھوٹ بولتی ہے۔''؟

''جب آپ فرحانہ اور مشتری آپا کو دروازہ بند کر کے تعلیم دیتی تھیں تو میں زینے میں

چھپ کر آپ کو غور سے سنتی تھی اور اُسی کا ریاض گھر پر کرتی تھی......" سبحان بولی۔

یہ سن کر ساری محفل "واہ......واہ" کہہ اٹھی، جہانگیر مرزا نے قول کے مطابق سوالا کھ کا وہ ہار بھری محفل میں سبحان کے گلے میں پہنادیا۔

دوسرے دن جب جہانگیر مرزا ناشتہ کر کے بیٹھے ہی تھے کہ علی بیگ انھیں سلام کر کے بولا......" کچھ سنا آپ نے صاحبِ عالم! صغرابانو نے اپنی باندی سبحان کو نکال دیا ہے۔"

"کیا......کیا کہا......"؟ جہانگیر مرزا چونک کر بولے۔

علی بیگ مایوس کن لہجے میں بولا......" جشن میں سبحان نے دیکھا جائے تو صغرابانو کا وقار ہی بڑھایا تھا، مگر فیصلہ الٹا ہوا، سوروپے ماہوار سبحان کو ملتا تھا، سو وہ بھی گیا۔"؟

"میاں علی بیگ......"؟ جہانگیر مرزا نے کچھ دیر غور کرنے کے بعد کہا......" آپ ابھی جائیے اور سبحان کو بُلا کر یہاں لے آئیے۔"

تھوڑی دیر میں ہی علی بیگ سبحان کو لے آیا۔

شہزادے کو کورنش بجا کر سبحان آنسو ضبط کرتے ہوئے اُن کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

"سبحان بانو......" جہانگیر مرزا بولے۔" آج سے آپ اس حویلی کی ملازم ٹھہریں۔ آپ کو دوسو روپے ماہوار، کھانا اور کپڑے لتے ملا کریں گے، ہر شام کو اس حویلی میں محفل سجا کرے گی۔تا کہ آپ کے ہنر کی خوشبو پورے الہ آباد میں پھیل جائے......"

اُسی دن سے جہانگیر مرزا نے کوٹھوں پر جانا چھوڑ دیا اور حویلی میں ہی محفل جمنے لگی، فن کے اچھے اچھے ماہر وہاں آنے لگے۔

تھوڑے ہی عرصے میں سبحان کیلئے جہانگیر مرزا کی ہمدردی نے عشق کا لباس پہن لیا، دونوں ہی سُر کے شیدائی تھے لہٰذا دونوں طرف برابر کی آگ لگی اور خوب بھڑکی سبحان چاہتی تھی کہ جہانگیر مرزا مے نوشی چھوڑ دیں، مگر انھوں نے نہیں چھوڑی، جب بھی وہ ضد کرتی تو جہانگیر مرزا ہنس کر کہتے۔

"بانو! اس شئے کو خوب ہی بنایا ہے کمبخت فرنگیوں نے،غضب کی چیز ہے، چھٹتی نہیں ہے یہ کافر منہ کو لگی ہوئی۔"

اُدھر دہلی میں بڑا ہنگامہ تھا۔جگہ جگہ یہی ذکر چھڑا تھا۔" کمپنی کی توپوں نے دیوانِ خاص پر گولے برسائے،مغل شہزادے کو ادنیٰ سے مجرم کی مانند شہر کوتوالی کی حوالات میں بند کیا گیا اور تو

اور انھیں دہلی بدر کر کے الہ آباد میں نظر بند کر دیا گیا۔"

ایک بار ہندو اور مسلمان دونوں نے ہی مل کر اس کا سوگ منایا اور دعائیں مانگیں کہ شہزادہ پھر باعزت اور باآبرو دہلی لوٹ آئے......

بادشاہ اکبر شاہ بھی بجھ سے گئے تھے اور ممتاز بیگم کُملا گئی تھیں، کہاں تو وہ بیٹے کو ولی عہد بنانے کا خواب دیکھ رہی تھیں اور کہاں اب بیٹا ہی نظروں سے دور ہو گیا تھا، لہٰذا جمعرات کو ملکہ ممتاز بیگم کی سواری مہرولی میں حضرت خواجہ بختیار کاکی کی درگاہ پر پہنچی، وہاں انھوں نے رو رو کر دعا مانگی......"یا خواجہ! میرے بیٹے سے مجھے ملا دو، میں پھولوں کی چادر چڑھاؤں گی اور شکرانے کی نماز ادا کروں گی۔"

ملکہ ممتاز بیگم کی حالت دیکھ کر ان کے ساتھ آئے ہندو بھی پگھل گئے، تبھی سیٹھ مل نے اعلان کیا......"میں پانڈوؤں کے زمانے کے یوگ مایا مندر کی پھر سے تعمیر کراؤں گا، بھگوتی کی مہربانی سے شہزادے جس دن دہلی آئیں گے، اس دن میں مایا جی کو پھولوں کا پنکھا چڑھاؤں گا"۔

اور پھر یوں ہوا کہ الہ آباد میں کئی علاقوں میں وبا پھوٹ پڑی......اچانک ہیضہ پھیل گیا تھا اس لیے انگریز ریزیڈینٹ نے معاون ریزیڈینٹ اینڈ روز کو بُلا کر کہا......"الہ آباد میں ہیضہ پھیل گیا ہے، ہمیں ہر قیمت پر شہزادے جہانگیر مرزا کو وہاں سے ہٹانا ہوگا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انھیں لکھنؤ بھیجا جائے یا کانپور......"؟

کیپٹن اینڈ روز نے کہا......"سر، ہمیں پہلے اپنے مخبر علی بیگ سے پتہ لگا لینا چاہیئے کہ شہزادے کا اب چال چلن کیسا ہے، کیا وہ اب بھی کمپنی کی مخالفت کریں گے یا سُدھر گئے ہیں۔"؟

"تم ٹھیک کہتے ہو کیپٹن! ہمیں پہلے علی بیگ کو ٹٹولنا ہوگا، مگر یہ سب جلدی کرنا ہے۔ بہت جلدی۔"

ایک ہفتے میں ہی علی بیگ کی رپورٹ مل گئی، اس نے لکھا تھا......"شہزادہ اب دو چیزوں میں ہی دلچسپی رکھتا ہے، شراب میں اور سبحان میں، سنا ہے اس نے کسی درگاہ پر سبحان سے نکاح بھی پڑھوا لیا ہے، شہزادہ اب کسی سیاسی دلدل میں نہیں ہے۔"

ریزیڈینٹ نے کہا......"ڈے مٹ، پھر تو اس شہزادے کو دہلی بھی بلایا جا سکتا ہے اس سے رعایا میں جو ہمارے "ایکشن" کی دبی زبان میں پھسپھساہٹ ہو رہی ہے، وہ بھی دب جائے گی۔"

''آپ بجا فرماتے ہیں سر......'' کیپٹن اینڈ روز بولا۔

اس کے بعد ریزیڈینٹ نے اپنا فیصلہ لال قلعہ میں بھجوا دیا...... ''شہزادہ جہانگیر مرزا اب پوری طرح سے سدھر گئے ہیں، لہٰذا انھیں الہ آباد سے واپس بلایا جا رہا ہے۔''

یہ خبر سن کر ملکہ ممتاز بیگم جیسے پھر سے جی اٹھیں، لال قلعہ میں جشن منایا گیا سب نے ایک دوسرے کو مبارکباد دیں، بیگم ممتاز نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر کہا......''میں نے منت مانی تھی خواجہ بختیار کاکی صاحب سے کہ جہانگیر کے واپس آنے پر میں پھولوں کی چادر چڑھاؤں گی، وہ وقت آنے والا ہے۔''

سیٹھ مل نے بادشاہ اکبر شاہ ثانی کو مٹھائی پیش کرتے ہوئے کہا......''عالیجاہ! میں نے ماتا یوگ مایا کا مندر پھر سے بنوا دیا ہے، وچن کے مطابق شہزادے کے لوٹنے پر میں ماتا کو پھولوں کا پنکھا چڑھاؤں گا۔''

الہ آباد کے بھیڑ بھاڑ والے اندرونی علاقہ میں ہیضہ نے زور پکڑ رکھا تھا۔ جہانگیر مرزا کی پیلی حویلی اس علاقے سے دور تھی، پھر بھی احتیاط لازمی تھی، ایک دن علی بیگ نے جہانگیر مرزا کو جھک کر سلام کرتے ہوئے کہا......'' صاحب عالم! مبارک ہو، کمپنی بہادر نے آپ سے دہلی پھر سے آباد کرنے کی گزارش کی ہے، حضور حکم کے مطابق صرف آپ ہی دہلی جا سکیں گے، سبحان بانو نہیں۔''

یہ سن کر سبحان بانو اداس ہو گئی۔

جہانگیر مرزا اسے ڈھارس بندھاتے ہوئے بولے...... ''جانِ مرزا، فکر مت کرو ہم کچھ دن دہلی میں قیام فرما کر پھر الہ آباد آ جائیں گے، دہلی ہماری شکست کی خاموش گواہ ہے اس لیے اب وہ ہمیں کبھی راس نہیں آ سکتی، الہ آباد نے ہمیں سبحان دی، چین و قرار دیا، لہٰذا ہم الہ آباد کو کیسے بھول سکتے ہیں......'' پھر سبحان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر جہانگیر مرزا علی بیگ سے مخاطب ہوئے...... ''میاں علی بیگ! سبحان اور ان کے والدین کو فی الحال نینی لے جائیے، وہاں ہیضے کا ڈر نہیں ہے اور ہاں! قاصد کے ذریعے ہمیں ہر پندرہ دن میں سبحان بانو کی خیریت دہلی میں پہنچتی رہے۔''

''جو حکم حضور......'' علی بیگ نے جواب دیا۔

جہانگیر مرزا نے دہلی جانے سے پہلے اپنی پیلی حویلی میں ایک محفل منعقد کی جس میں الہ

آباد کے نامی گرامی رئیس، اُمرا بلائے گئے، اس شام سبحان نے غزل گائی تھی۔

رہا یونہی نامکمل غم عشق کا فسانہ
کبھی مجھ کو نیند آئی، کبھی سو گیا زمانہ

جب دوسرا شعر اس نے جہانگیر مرزا کی طرف دیکھ کر پڑھا تو اس کی آنکھوں سے گرم گرم موتی پگھل کر اس کے چمپئی رخسار پر چمکنے لگے، روتے ہوئے اس نے گایا۔

مجھے اس کا غم نہیں ہے کہ بدل گیا زمانہ
میری زندگی ہے تم سے، کہیں تم بدل نہ جانا

دہلی پر ساون کے سرمئی بادل منڈلا رہے تھے، ہلکی پھوار اور ٹھنڈی باد نسیم نے موسم کو خوشگوار اور سہانا بنا دیا تھا، دہلی میں ایک خوشی بھی خوشبو کی طرح پھیلی ہوئی تھی...... جہانگیر مرزا کے الہ آباد سے لوٹنے کی خوشبو۔

لال قلعہ کے سامنے ہزاروں لوگوں کا ہجوم تھا، جدھر دیکھو اُدھر پھولوں کی مالائیں...... پھولوں کے گجرے...... پھولوں کے ڈھیر، ہاتھی، گھوڑے اور روشن چوکیاں الگ کھڑی تھیں، لال قلعہ سے مہرولی تک یہ چلتا پھرتا میلہ روانہ ہو رہا تھا، اس کا نام رکھا گیا تھا۔ ''سیرگل فروشاں'' یعنی پھول والوں کی سیر......

صبح سے شروع ہوا یہ جلوس شام کو مہرولی میں واقع یوگ مایا مندر پہنچا وہاں پر یوگ مایا پر بیگم ممتاز کے ذریعہ پیش کردہ پھولوں کا پنکھا چڑھایا گیا، آرتی ہوئی، پرساد تقسیم کیا گیا۔

دوسرے دن جمعرات کو پھر یہی جلوس لال قلعہ سے مہرولی پہنچا، خواجہ بختیار کاکی کی درگاہ پر اس بار ملکہ ممتاز بیگم نے پھولوں کی چادر خواجہ کے مزار پر چڑھائی، شاہی خاندان نے درگاہ پر نماز پڑھی، دعائیں مانگیں، آنسو بہائے......خوشی کے آنسو......

کچھ ہی عرصہ گزرا ہوگا۔ دہلی میں جہانگیر مرزا کو جس دن الہ آباد سے خبر ملی کہ اب وہاں ہیضہ ختم ہو گیا ہے اور سبحان اپنے ماں باپ کے ساتھ نینی سے الہ آباد لوٹ آئی ہے، جہانگیر مرزا نے چونکانے والا اعلان کر دیا۔

''ہم الہ آباد واپس جا رہے ہیں۔''

لاکھ منتیں سماجتیں کرنے پر بھی جہانگیر مرزا نہیں مانے اور الہ آباد روانہ ہو گئے۔

جہانگیر مرزا کے آتے ہی مرجھائی ہوئی سبحان پھر سے کھل اٹھی، لیٹے ہوئے جہانگیر مرزا

کے بالوں میں اپنی انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے سجان بولی...... ''آپ کا درد صرف سجان سمجھتی ہے میرے سرتاج! شکست کی چوٹ بڑی گہری ہوتی ہے، آپ بھی کمال کے انسان ہیں جو چوٹ کھانے پر بھی ہنستے رہتے ہیں، مسکراتے رہتے ہیں، مجھ کنیز کو آپ نے اپنا ہمدرد سمجھا، اس سے زیادہ وقت اور کیا عنائت کرسکتا تھا مجھ پر، یقین مانیئے، میں آپ کا سایہ ہوں...... زندگی اور موت دونوں پہلوؤں میں......''

جہانگیر مرزا نے ہنس کر کہا...... ''ہم جانتے ہیں سجان! تم ہماری زندگی بھر کی جستجو ہو، میرا حسین خواب ہو، تمھیں حاصل کر کے ہم نے دونوں جہان پالیئے۔''

اس پیلی حویلی میں محفلیں جمتیں، کبھی جہانگیر مرزا ستار بجا کر سننے والوں کو مدہوش کردیتے، تو کبھی سجان اپنی درد بھری آواز سے ان کے سینے چھلنی کردیتی سجان کو ایک فکر اندر ہی اندر کھاتی رہتی...... جہانگیر مرزا کی بے تحاشہ مےنوشی، کبھی کبھی وہ ان سے جھگڑ بھی پڑتی مگر شراب ایسی منہ لگی ثابت ہوئی جو چھوٹے نہیں چھوٹی جہانگیر مرزا ساغر میں زندگی اتارے چلے گئے اور ایک دن اُن کا کلیجہ جواب دے گیا، حکیم، وید بھی نے کوشش کی، مگر موت کو کس نے فتح کیا ہے، صرف اکتیس سال کی عمر میں جہانگیر مرزا نے سجان کو الوداع کہہ دیا۔

جہانگیر مرزا کے جنازے کو مسالے میں لگا کر الہ آباد سے دہلی لایا گیا، زندہ لاش کی طرح سجان بھی ان کے تابوت کے ساتھ تھی، دہلی آکر درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء کے احاطہ میں جہانگیر مرزا کو شاہ جہاں کی چہیتی بیٹی جہاں آرا کی قبر کے بازو میں دفنا دیا گیا۔

سجان لوٹ کر الہ آباد نہیں گئی، اس نے بستی نظام الدین میں ہی ایک گھر لے لیا اور روز بلاناغہ جہانگیر مرزا کی قبر پر شمع روشن کرنے آتی رہی، زیادہ نہ جی سکی، سجان بھی تقریباً دو مہینے بعد جہانگیر مرزا کے پاس چلی گئی، اس کی آخری وصیت کے مطابق درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء کے باہر بارہ کھمبا کے احاطے میں اُسے بھی سپرد خاک کردیا گیا۔

جہانگیر مرزا کے دہلی لوٹنے کی یاد میں جو ''پھول والوں کی سیر'' ہوتی تھی وہ بدستور ہوتی رہی، یہ سیر ہندو مسلم ایکتا کا نمونہ بن گئی، اس کا یہ اثر دیکھ کر ہی انگریزوں نے اس سیر کو بند کرادیا تھا مگر ۱۹۴۷ء میں آزادی وطن کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو نے ''پھول والوں کی سیر'' کو پھر سے شروع کروادیا جو آج بھی ہر سال منائی جاتی ہے۔

اٹھارہویں صدی کی عورت

(جس نے کنگ میکر بننے کیلئے سخت تاریخی جد و جہد کی، لیکن......؟)

۶۵ سالہ علی وردی خاں ۱۷۴۱ء کی گریاّ کی جنگ میں فتح یاب ہو کر جب بنگال کا نواب بن بیٹھا تب دار السلطنت مرشد آباد میں ایک شاندار جشن منایا گیا، دربار میں خاص امیروں نے نواب کو نذرانہ پیش کر کے اُن کے تئیں وفاداری کا حلف اُٹھایا۔ نئے نواب نے بھی اُمراء کو خلعت اور چند کو جاگیریں عطا کیں۔ بہنوئی میر جعفر کو سپہ سالار بنایا گیا، گریاّ کی جنگ میں سابق نواب سرفراز سے غداری کرنے والوں کو مختلف تحائف سے نواز کر اُن کی عزت افزائی کی گئی۔

اُدھر نواب کے حرم میں بھی کافی چہل پہل تھی، اُن کی بیگم شرف النساء بیگم ایک مرصع کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ اہم وزرا کی بیویاں ایک ایک کر کے آتی تھیں اور بیگم کو آداب کر کے نذرانہ پیش کرتیں۔ بیگم شرف النساء کا سر فخر سے بلند تھا۔

علی وردی خاں کے ایک معمولی شخص سے بنگال کی گدی پر پہنچنے کے پیچھے شرف النساء بیگم کی معاونت کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ علی وردی خاں نے بھی کبھی جیتے جی کسی دوسری عورت کی طرف آنکھ نہیں اٹھائی۔ اگلے دن دوپہر میں علی وردی خاں شرف النساء کے کمرے میں جلوہ افروز تھے۔ اُن کی بغل میں اُن کا پانچ سالہ نواسہ سراج اُن سے کھیل رہا تھا۔ سامنے ہی علی وردی خاں کی چھوٹی بیٹی یعنی سراج کی ماں امینہ بیگم غرور سے اپنے باپ اور بیٹے کو دیکھ رہی تھی۔ نواب علی وردی خاں کے قریب ہی اُن کی بیگم شرف النساء بڑی محبت سے سراج کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

اُسی لمحے ایک کنیز گھبرائی ہوئی سی اندر آئی۔ اُس نے کورنش بجا کر کہا...... ''حضور گستاخی معاف ہو، ڈھاکہ کے نائب ناظم کی بیوی گھسیٹی بیگم نے سلام بھیجا ہے۔'' کنیز نے شرف النساء بیگم کی طرف دیکھا اور انھیں اثبات میں سر ہلاتے دیکھ کر وہ پھر کورنش کرتے ہوئے اُلٹے قدموں واپس چلی گئی۔

چند لمحوں بعد ایک خاتون نے آکر نواب علی وردی خاں اور شرف النساء بیگم کو آداب کیا اور پھر اُس کی نگاہ نواب کے ساتھ کھیل رہے ایک خوبصورت بچے پر ایک لمحے کیلئے رک گئی۔ پھر اُس کی نظریں امینہ بیگم کی طرف گھومیں، اپنی چھوٹی بہن کے چہرے پر جوش اور مسرت دیکھ کر اُس کا چہرا مرجھا گیا۔ تبھی اُس کی نگاہ اپنی ماں کے پیروں پر گئی۔ اُن پیروں میں سونے کے چمکتے ہوئے پازیب تھے۔

تب وہ ماضی میں کئی سال پہلے کے ایک واقعہ میں کھوگئی۔ نواب سرفراز خاں کی بیگم کو سلام کرنے شرف النساء اپنی بڑی بیٹی گھسیٹی کے ساتھ بیگم محل گئی تھیں گھسیٹی اُس وقت کافی چھوٹی تھی، اُس نے نواب سرفراز کی بیگم کے پاؤں میں اسی طرح سونے کی پازیب دیکھی تھی، واپسی میں اُس نے اپنی ماں سے دریافت کیا تھا...... ''امی جان! آپ نے اس طرح اپنے پیروں میں سونے کا زیور کیوں نہیں پہنا۔''

''یہ حق صرف نواب کی بیگم کا ہی ہوتا ہے۔''

''کیوں؟''

''تم ابھی نہیں سمجھوگی، جس عورت کے پیروں میں اس طرح کا سونے کا زیور ہوگا۔ اُسے لوگ ہماری ہی طرح سلام کرنے لگ جائیں گے۔''

''اور اگر میں پہنوں؟''

''ہاں! تب تمہیں بھی......'' علی وردی خاں کی بیوی نے جھلا کر جواب دیا تھا۔

نواب سرفراز کی بیگم کا اُس دن کا وہی غرور آج اُس کی ماں کی آنکھوں میں صاف نمایاں دکھائی دے رہا تھا۔ شرف النساء بیگم حیرت سے اپنی بیٹی گھسیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔ اُن کے کھنکارنے پر گھسیٹی مسکرا کر ماں کی طرف دیکھنے لگی۔

''ڈھاکے کے نائب ناظم نوازش خاں کیسے ہیں؟''

''انھوں نے ابا حضور اور آپ کو سلام بھیجا ہے، وہ ابا حضور کی خدمت کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔''

ماحول میں کچھ دیر تک خاموشی رہی، شرف النساء جواب دینا ضروری نہ سمجھ کر نواسے سراج سے کھیلنے میں مشغول ہوگئیں، نواب علی وردی کا چہرا تنا ہوا تھا، اُن کے متفکر چہرے کو دیکھ کر گھسیٹی بیگم کے چہرے پر ہلکا سا تبسم دوڑ گیا۔ اُس نے اپنے جذبات کو بروقت چھپاتے ہوئے

کہا......"ابا حضور! آپ کافی تھکے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں، میں غلط وقت پر آنے کیلئے شرمسار ہوں۔"

پھر گھسیٹی بیگم باری باری ماں باپ کو سلام کر کے تیزی سے لوٹ گئی۔

اگلے دن ڈھاکہ کے نائب ناظم نوازش خاں کی بیگم اور مرشد آباد کے نواب علی وردی خاں کی بڑی بیٹی گھسیٹی بیگم ڈھاکہ روانہ ہوگئی۔

ڈھاکہ کے نوابی محل کے ایک مرصع کمرے کے فرش پر نہایت قیمتی ایرانی قالین بچھا ہوا تھا، مختلف رنگوں کے دلکش جھاڑ فانوس چھت سے لٹک رہے تھے، دیواروں پر مختلف قسم کی تصویریں آویزاں تھیں اور پورے کمرے میں بیش قیمتی عطر کی بھینی بھینی خوشبو تیر رہی تھی۔

ایک بڑے نقشین پلنگ پر ایک لڑکی مسند کے سہارے نیم دراز محبت پاش نظروں سے سامنے بیٹھے مرد کی جانب ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھی جو آنکھیں موندے کچھ گنگنا رہا تھا۔ آدھی رات گزر چکی تھی اور چاند جھروکے سے جھانک رہا تھا۔

مرد نے گنگنانا چھوڑ کر اپنی آنکھیں کھول کر لڑکی کی طرف دیکھا، لڑکی بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی، مرد نے لڑکی کی طرف حیرت سے دیکھا، اس پر اس کی کھنکھناہٹ میں مزید اضافہ ہوگیا، مرد نے لڑکی کے قریب کھسکتے ہوئے کہا......"کیا بیگم کو اچھا نہیں لگ رہا ہے؟"

"ہر چیز اپنے وقت پر ہی اچھی لگتی ہے......" لڑکی کے چہرے پر شوخی تھی۔

"یہ ہنستا، مسکراتا چاند، یہ خوبصورت آرام گاہ اور حسن کی ملکہ گھسیٹی بیگم! کیا وقت کو ہماری تقدیر پر جلن نہیں ہو رہی ہے؟"

"وقت کہہ رہا ہے، نوازش ہوش میں آؤ۔"

"تو کیا میں نے شراب پی رکھی ہے؟"

"کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو شراب سے کوسوں دور بھاگتے ہیں، لیکن اُن کا نشہ شراب سے بھی تیز ہوتا ہے۔"

"کون ہیں وہ لوگ؟"

"وہی جنھیں دنیا موسیقار اور شاعر کے نام سے جانتی ہے، وہ اپنی ہی دنیا میں کھوئے رہتے ہیں۔ شرابی کا نشہ جب ٹوٹتا ہے تو وہ ہوش میں آجاتا ہے، ان کا تو دن بہ دن گہرا ہی ہوتا جاتا ہے۔"

نوازش نے گھسیٹی کے رخساروں کو سہلاتے ہوئے پوچھا......''کیا مجھ سے خفا ہو؟''

''تم میری پسند ہو، تم سے میرا نکاح میری مرضی اور خواہش سے ہوا ہے، پھر میں ناراض کیوں ہونے لگی۔'' گھسیٹی نے محبت سے نوازش کو گھورا۔

''پھر؟''

''میں اپنے نوازش کو اس قابل بنا دوں گی کہ تاریخ اس کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوگی۔''

''نوازش ابھی بھی کسی ناسمجھ بچے کی مانند دیکھ رہا تھا۔ تب گھسیٹی نے دبی زبان سے کہا...... ''علی وردی خاں کو توانائی حاصل کرانے میں سب سے زیادہ مدد تمہارے ابا جان کی رہی ہے، بڑے بھائی ہوتے ہوئے بھی انھوں نے خوشی خوشی میرے ابا حضور کو نواب بننے دیا۔''

''وہ انھیں بے حد پیار کرتے ہیں۔''

''اور میرے ابا جان کی صرف تین بیٹیاں ہی ہیں، اُن کو اس احسان کی ذرا بھی فکر نہیں ہے۔ وہ دوسرا ہی خواب دیکھ رہے ہیں۔''

''کون سا خواب......؟''

''اپنے بعد بنگال کے تخت پر امینہ کے بیٹے سراج کو بیٹھانے کا۔''

''اچھی بات ہے، میں بھی اپنے ابا حضور کے نقشِ قدم پر چل کر ان کی خواہشات پر اپنا سر تسلیم خم کروں گا......''

اچانک گھسیٹی زور سے چیخی......'' نہیں! میں نواب کی سب سے بڑی بیٹی ہوں۔ قاعدے سے تخت پر حق میرے شوہر کا ہے۔''

''تمہارا کہنا بجا ہے، لیکن نواب کی خوشی اور خواہش کا بھی تو احترام لازمی ہے۔'' نوازش نے گھسیٹی کو سمجھایا۔

''کسی کی خوشی اور خواہش ہمارے ارمانوں کا گلا گھونٹے، ہم یہ ہرگز بھی برداشت نہیں کر سکتے۔''

''لیکن بیگم! یہ بغاوت ہے۔''

''ہم دونوں کے باپوں نے بھی کسی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا، کسی کی پشت میں چھرا گھونپا تھا۔ تبھی تو آج میرے والد نواب کہلاتے ہیں۔'' گھسیٹی بیگم نے غصے میں لرزتے ہوئے کہا۔

"تمہاری باتیں سن کر ہمارا سر پھٹا جا رہا ہے بیگم......"

"تمہارے سر میں اگر درد ہوگا تو میں اسے دبا اور سہلا کر دور بھگا دونگی تم مجھے جھٹک کر چل دو گے تو میں برا نہیں مانوں گی۔ تمہارے قدم لڑکھڑانے لگیں گے تو میں سہارا دے دوں گی لیکن نوازش! اگر تم میرے والد کی خواہش کو اپنی خوشی مان لو گے تو خدا کی قسم، میں زہر کھا کر سو رہوں گی......" یہ کہتے کہتے گھسیٹی کی آنکھیں بھر آئیں۔

گھسیٹی کے آنسو دیکھ کر نوازش بے چین ہو گیا......"تمہارے ساتھ مجھے سکون ملتا ہے۔ موسیقی میں ڈوب کر میں اپنا وجود بھول جاتا ہوں۔ دنیاوی مسائل سے دور میں تمہارے ساتھ امن وسکون سے زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ آپسی رشک و رقابت، خون خرابہ قتل وجدل اور جھوٹا غرور، حق حاصل کرنے کیلئے جائز ہو گئے ہیں۔ تمہاری خوشی کیلئے مجھے سب کچھ منظور ہے، مگر مجھے کرنا کیا ہوگا......؟"

"حکومت حاصل کرنے کیلئے اس کے قریب جانا پڑتا ہے اور حکومت کے قریب جانے کیلئے اثر دار لوگوں پر اثر انداز ہونا پڑتا ہے......" گھسیٹی نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے، مجھے مرشد آباد جانا ہوگا......؟"

"صرف جانا ہی نہیں، بلکہ وہاں جا کر اپنے دوستوں کی تعداد میں بھی اضافہ کرنا ہوگا۔"

"مگر میں اپنے دوستوں اور دشمنوں کی شناخت کیسے کروں گا......؟"

"گھسیٹی بیگم نے نہایت سکون سے مسکرا کر کہا......"جنھوں نے نواب سرفراز خاں سے غداری کر کے علی وردی خاں کو مرشد آباد کی گدی پر بٹھایا اور سراج کا اگلا نواب بننا جن کے مفاد کے خلاف ہوگا، وہی سب تمہارے دوست بنیں گے۔"

"لیکن پیاری بیگم! جب تم ڈھاکہ میں رہوگی اور میں مرشد آباد میں، تو یہ کیسے ممکن ہوگا، مجھے تو ہر قدم پر تمہاری ضرورت محسوس ہوگی......؟"

"گھبراؤ نہیں، تمہارے پہنچنے کے کچھ دن بعد ہی، میں بھی پہنچوں گی۔ میں اپنے ابا حضور کے محل میں قیام کرنا نہیں چاہتی......"

"مگر کیوں......؟"

"میرے ابا حضور کی آنکھوں کا شک، میری امی جان کے چہرے کا غرور اور چھوٹی بہن امینہ کی طنزیہ ہنسی یہ سب مجھے اس ماحول میں رہنے نہیں دیں گے۔ میں نہیں چاہتی کہ لوگ کہیں کہ

گھسیٹی بیگم نواب علی وردی خاں کی بڑی بیٹی ہے۔ میرے وجود کا تو تبھی کچھ مطلب ہوگا جب لوگ یہ کہیں گے کہ گھسیٹی بنگال کے نواب نوازش خاں کے دل کی ملکہ اور ان کی خاص بیگم ہے۔ اس کے پیروں میں وہی سونے کی پازیب ہے جو کل تک نواب سرفراز کی بیگم اور نواب علی وردی خاں کی بیگم کی زینت تھی......" یہ کہتے کہتے گھسیٹی نے اپنا سر نوازش کے سینے پر رکھ کر اپنی آنکھیں موند لی تھیں۔

اسی دوران مرشد آباد کے نواب علی وردی خاں کا ایک خصوصی ایلچی ڈھاکہ پہنچا، یہ 1742ء کی بات ہے۔ ڈھاکہ کے نائب ناظم نوازش خاں کو ایلچی کے آنے کی خبر دی گئی۔

نوازش خاں، گھسیٹی بیگم کے ساتھ مہمان خانے میں پہنچا۔ گھسیٹی پردے کے پیچھے کھڑی تھی۔ ایلچی نے کمرے میں پہنچ کر نوازش خاں کو کورنش بجاتے ہوئے کہا۔ "حضور نواب صاحب نے آپ کو فوراً مرشد آباد پہنچنے کیلئے کہا ہے۔"

"کیوں......؟" نواب کا حکم سن کر نوازش خاں کا دل دھڑک اٹھا۔

"حضور، برگی بنگال کی سرحد میں داخل ہو کر رعایا پر ظلم و ستم کر رہے ہیں۔ حضور کی مدد اور موجودگی دونوں ضروری ہیں۔" ایلچی نے نوازش خاں کو نواب علی وردی خاں کا زبانی پیغام سنایا۔

"ٹھیک ہے، تم آرام کرو......" نوازش کی پیشانی پر فکر کی لکیریں ابھر آئیں۔ ایلچی سر جھکا کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

"گھسیٹی پردے کے پیچھے سے سامنے آ گئی۔

"تم نے سب کچھ سن لیا......" نوازش خاں نے اس کی طرف دیکھا۔

"تم تو جانے کی تیاری کر ہی رہے تھے، خدا نے موقع بھی سنہرا دے دیا ہے۔"

"مگر تم کب تک آؤ گی؟"

"جب مرشد آباد میں الگ رہنے کیلئے ہمارا محل بن کر تیار ہو جائے گا، تو میں بھی پہنچ جاؤں گی۔"

"بیگم بے فکر رہو، خدا قسم تمہارے رہنے کیلئے اتنا شاندار محل بنواؤں گا کہ پھر تم ڈھاکہ آنے کا نام نہ لو گی۔"

"سچ......! گھسیٹی چہک اٹھی۔" میں بھی یہی کہنا چاہتی تھی کہ مرشد آباد میں ہماری ایک الگ ریاست بہت ضروری ہے۔"

''تم تب تک وہاں نواب کے محل میں قیام کرسکتی ہو۔''

''ابھی تو تم برگیوں کو بنگال سے بھگانے کیلئے جارہے ہو، پھر میں کیوں فضول میں مرشد آباد کے نواب محل میں آہیں بھرتے ہوئے گزاروں۔''

''جیسی تمہاری مرضی......! حسین قلی خاں کو تمہاری ضرورت بھی پیش آسکتی ہے۔''

''میری ضرورت......؟'' گھسیٹی نے حیرت سے دہرایا۔

''ہاں! میری غیر حاضری میں تمہیں میری جگہ چند ضروری کاغذات پر دستخط کرنے ہوں گے۔ حسین قلی خاں قابل اعتماد اور ذہین شخص ہے۔ وہ سب کچھ سنبھال لے گا۔''

ایک لمحے کیلئے ماحول میں خاموشی چھا گئی۔ نواب نوازش اور گھسیٹی دونوں کچھ سوچ رہے تھے۔ پھر ایک گہری سانس لے کر گھسیٹی نوازش کی بغل میں بیٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولی...... ''ایک بات کہوں، برا تو نہیں مانو گے؟

''میں نے کبھی تمہاری کسی بات کا برا مانا ہے......''

''مرشد آباد جا کر ایک ضروری کام انجام دینا۔''

نوازش نے سوالیہ نظروں سے گھسیٹی کی جانب دیکھا...... پھر اسے کسی تذبذب میں مبتلا دیکھ کر آہستہ سے اس کی پشت سہلاتے ہوئے بولا...... ''جھجکنے کی کیا بات ہے، تم بے دھڑک ہو کر کہو......''

مرشد آباد میں آج کل ایک فرنگی ڈاکٹر کی بڑی شہرت ہے۔ سنتی ہوں، وہ چیر پھاڑ کر کے مشکل امراض کو بھی ٹھیک کر دیتا ہے۔''

''سنا تو ہے......'' نوازش نے حامی بھری۔

''تم اس سے ایک بار مل لو......''

''کیوں......؟'' نوازش نے حیرت سے گھسیٹی کو دیکھا۔

''نہیں سمجھے؟ ہم بے اولاد ہیں۔ آج ہمارا کوئی وارث ہوتا تو کیا ابا حضور سراج کو اپنی وراثت سونپنے کی بات خواب میں بھی سوچتے......؟''

''لیکن فرنگی ڈاکٹر اس میں کہاں سے آ گیا؟'' نوازش کی عقل میں کچھ بھی نہیں آرہا تھا۔

''فرنگی ڈاکٹر کی کوششوں سے میں بھی ماں بن سکتی ہوں۔'' گھسیٹی کا چہرہ سرخ ہو گیا، مگر نوازش نے افسردگی کے لہجے میں کہا...... ''مجھے تم سے ہمدردی ہے بیگم! خدا کو منظور نہیں تھا، ہماری

تقدیر ہی خراب ہے۔"

"دیکھو، صرف میری ہی بات ہوتی تو کوئی بات نہیں تھی، دوسری بھی تو بیگمیں ہیں جن کی گودیں بھی خالی ہیں۔"

"ٹھیک ہے بیگم! تم جو چاہتی ہو، وہی ہوگا......" کہتے ہوئے نوازش دھیرے سے نکل کر باہر چلا گیا۔ گھسیٹی نوازش کو جاتے دیکھتی رہی۔ اس نے نوازش کی مردانگی پر سوال کھڑا کر دیا تھا۔ وہ ماں بننا چاہتی تھی۔ نوازش سے صاف کہنے کے سوا اس کے پاس اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ نوازش کو مرشد آباد گئے کئی ماہ بیت گئے۔ بنگال میں برگیوں کا جور و ستم جاری تھا گھسیٹی کو ایک ایک لمحہ کاٹنا دوبھر ہو گیا۔ اب اسے نوازش کی غیر موجودگی کھلنے لگی تھی۔

کاش! آج اس کے ایک بیٹا ہوتا تو بازی اس کے ہاتھوں میں ہوتی، اسے بانجھ عورت سمجھ لیا گیا تھا جو بدشگونی کی علامت تھا۔ بڑی بیٹی ہوتے ہوئے بھی مرشد آباد کے نوابی محل میں اس کی کوئی قدر نہیں تھی۔ ابا حضور اور امی جان سبھی امینہ اور اس کے بیٹے سراج کے ہی لاڈ و پیار میں مشغول رہتے تھے۔ گھسیٹی کیلئے یہ حالت نا قابل برداشت تھی۔ نوازش سے مرشد آباد آنے کا اس نے وعدہ کیا تھا، مگر مرشد آباد جا کر بھی تو اسے نوابی محل کے اسی دم گھٹنے والے ماحول میں رہنا پڑے گا، نوازش سے وہ ٹوٹ کر محبت کرتی تھی، لیکن نوازش کی اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محرومی نے اسے غمزدہ کر دیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ہر وقت کلکاری مار کر اپنی جانب بڑھتے آرہے ایک بچے کی تصویر ابھرتی رہتی۔ تب وہ مایوس ہو کر اپنے ہونٹوں کو کاٹنے لگتی......

اسی وقت کنیز نے آ کر اطلاع دی۔ "حسین قلی خاں ملاقات کی اجازت چاہتے ہیں۔"

"اجازت ہے۔ انہیں یہیں بھیج دو......"

"یہاں؟" کنیز نے حیرت سے بیگم کی طرف دیکھا اور واپس چلی گئی۔

گھسیٹی نے پلّو سے سر ڈھک لیا، کچھ ہی لمحوں میں گھسیٹی کے کمرہ خاص میں ایک خوبصورت مرد نے قدم رکھا۔ وہ سحر زدہ سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

حسین قلی خاں نے گھسیٹی بیگم کو جھک کر آداب کرتے ہوئے کہا...... "بیگم صاحبہ! کچھ کاغذات پر آپ کے دستخط چاہئے، آرام میں خلل کیلئے معافی کا خواستگار ہوں۔"

گھسیٹی ایک ٹک حسین قلی خاں کو دیکھ رہی تھی۔

"بیگم صاحبہ! غلام سے کوئی خطا ہو گئی ہے کیا......؟"

''نہیں دیوان......'' گھسیٹی بیگم نے جلدی سے کہا اور پھر پوچھا۔

''برگیوں کی کیا خبر ہے؟''

''ان کے حملوں نے مرشد آباد کا خزانہ خالی کر دیا ہے، اڑیسہ اور مغربی بنگال میں کاشت کاری بالکل تباہ ہو چکی ہے۔ اب ڈھاکہ سے ہی امید ہے۔ زمینداروں اور ملکی و غیر ملکی تاجروں سے خزانہ اور مال کی آمدورفت کے اوپر مزید محصول کیلئے فرمان جاری کرنا ہے۔ اس لئے آپ کے دستخط ضروری ہیں......'' حسین قلی خاں نے جواب دیا۔

''برگی ہمیں چین سے نہیں جینے دیں گے......''

''حضور، ان ڈاکوؤں نے قہر ڈھایا ہے۔ غریب لوگ خوفزدہ ہو کر گاؤں قصبے چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں......''

''اسی وجہ سے ہم ان لٹیرے مرہٹوں کو نفرت سے برگی کہتے ہیں......''

''حضور، فرمان پر صحیح......؟ حسین قلی خاں نے فرمان اور قلم گھسیٹی کی طرف بڑھا دیا۔

گھسیٹی نے بغیر پڑھے اس پر اپنے دستخط کر دیئے۔ اس پر حسین نے چونک کر کہا...... ''حضور نے کاغذات کو پڑھا نہیں......؟''

''ایسا آدمی ڈھاکہ کا دیوان کیوں ہوگا، جس پر ہمیں اتنا بھی اعتماد نہیں ہوگا۔''

''حضور، اب جانے کی اجازت دیجئے......'' حسین قلی خاں بولا...... ''کچھ ضروری کام اور بھی نپٹانے ہیں۔''

''جب جانا ضروری ہے تو بے شک جایئے، لیکن حسین قلی خاں، آپ یہاں ہر وقت آ سکتے ہیں۔'' اتنا کہہ کر گھسیٹی نے اپنے سر کا پلو ہٹا دیا۔ اس بے حد حسین عورت کو دیکھ کر حسین قلی خاں حیرت سے کھڑا رہ گیا۔

''جایئے! اپنے ضروری کام پورے کیجئے۔ مجھے آپ سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔ آج رات آپ کا انتظار کروں گی......؟'' گھسیٹی نے حسین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا، حسین قلی خاں کا رواں رواں سنسنا اٹھا، دھڑکتے دل سے گھسیٹی بیگم کو آداب کر کے وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔

گھسیٹی بیگم دلہن بنی بال بال موتی پروئے، سجی سنوری نہایت بے صبری سے حسین قلی خاں کا انتظار کر رہی تھی۔

شب کا دوسرا پہر ختم ہو چکا تھا، کنیز نے کمرے میں آ کر دھیمی آواز میں کچھ کہا اور گھسیٹی کا

اشارہ پا کر لوٹ گئی۔ حسین قلی خاں کمرے میں داخل ہوا۔ گھسیٹی سیج سے نیچے اتر کر جلدی سے آگے بڑھی، اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر کہا...... ''حسین! مجھے تمہارے سہارے کی سخت ضرورت ہے۔''

حسین قلی خاں چند قدم آگے بڑھا اور اپنے لرزتے ہوئے بائیں ہاتھ کو گھسیٹی کی نازک کمر کی جانب بڑھایا۔

''حسین! میں اپنے بانجھ پن کے کلنک کو مٹا دینا چاہتی ہوں، میں ایک بیٹا چاہتی ہوں، جو مرشد آباد کے تخت پر نواب بن کر جلوہ افروز ہو۔ بولو حسین، کیا تم میری کوکھ بھر سکتے ہو؟'' کہتے کہتے گھسیٹی نے اپنی سڈول باہیں حسین قلی خاں کی گردن میں حمائل کر دیں۔

حسین قلی خاں نے بغیر کچھ کہے گھسیٹی کو اپنی باہوں میں بھر لیا اور اس کی وہ رنگین رات گھسیٹی کے کمرے میں ہی گزری۔

پھر ایسی کتنی ہی یادگار راتیں وہ گھسیٹی کے ساتھ گزارتا رہا، اور ایک دن گھسیٹی نے حسین قلی خاں کو طلب کر کے کہا...... ''نوازش نے پیغام بھجوایا ہے، مجھے مرشد آباد جانا ہوگا۔''

یہ خبر سنتے ہی حسین قلی خاں کے چہرے پر مردنی سی چھا گئی، اس پر گھسیٹی نے مسکراہٹوں کے پھول بکھیرتے ہوئے کہا...... ''میرے یہاں سے چلے جانے کے کچھ عرصے بعد تم مرشد آباد پہنچ جانا......''

حسین قلی خاں نے حیرت سے پوچھا...... ''وہاں حضور میں......؟''

''ہاں! مرشد آباد کی گدی پر میں اپنی بہن امینہ کے بیٹے سراج کو بیٹھنے نہیں دوں گی......'' گھسیٹی نے کہا۔ ''اس پر صرف میرا حق ہے اور میں اپنا حق حاصل کرنے کیلئے سب کچھ کروں گی، پھر تمہاری موجودگی وہاں میرے منصوبے آسان کر دے گی۔''

''لیکن یہ خاکسار آپ سے نواب کے محل میں کیسے ملاقات کر سکے گا؟''

''اس کا انتظام میں کر دوں گی، نوازش ہماری رہائش کیلئے مرشد آباد میں ایک شاندار محل بنوا رہا ہے۔ ہاں! چند دنوں کیلئے مجھے نواب کے محل میں رہنا پڑے گا، نوازش کو شراب و موسیقی سے فرصت نہیں ہوگی، تم ضروری کاغذات پر دستخط کرانے کے بہانے میری خواب گاہ میں آتے رہو گے۔''

''حضور، مرشد آباد میں یہاں سے کسی نہ کسی طرح ہمارے تعلقات کی اڑتی اڑتی خبریں

پہنچ چکی ہوں گی، ایسے میں خطرہ مول لینا کیا مناسب ہوگا......؟''

''تم ناحق فکر مند ہو ، مجھے عورت ہوکر بھی کسی کی پروانہیں......'' گھسیٹی بیگم نے کہا پھر...... کچھ سوچ کر حسین سے پوچھا......''اچھا! تمہارے اس ہندو پیشکار کا کیا نام ہے......؟''

''اس کا نام راج بلبھ ہے۔کافی ہوشیار اور قابل اعتماد شخص ہے۔''

''تمہاری غیر موجودگی میں اسے ہی یہاں سب کام سنبھالنا ہے، اسے سمجھا دینا، ہم مرشد آباد جو جنگ لڑنے کیلئے جا رہے ہیں، ہمیں اسے ہر حالت میں جیتنا ہے۔ بنگال کا تخت صرف گھسیٹی بیگم کا ہے......'' کہتے ہوئے شراب کا جام گھسیٹی بیگم نے حسین کی طرف بڑھایا اور مسکرائی۔

نواب علی وردی خاں کی مرہٹوں کے ساتھ وردھمان کے قریب ایک جھڑپ ہوگئی۔ مرہٹوں نے پیش کش کی کہ اگر انہیں ایک ساتھ دس لاکھ روپیہ دے دیا جائے تو پھر وہ بنگال کی طرف رخ نہیں کریں گے۔

نواب علی وردی خاں نے جب ان کی پیش کش کو قبول کرلیا تو مرہٹوں کی لالچ میں اضافہ ہوگیا اور وہ اور زیادہ کا مطالبہ کرنے لگے۔ اسی وقت پونہ سے بالا جی راؤ دہلی کے بادشاہ پر زور ڈال کر گیارہ لاکھ روپیہ ادا کرنے کا فرمان حاصل کرکے بہار کو لوٹتے ہوئے بنگال پہنچ گیا۔

دو طاقتور دشمنوں کا مقابلہ کرنا نواب علی وردی خاں کے بس میں نہیں تھا۔اس لئے نواب نے بالا جی راؤ کو کافی دولت دے کر انہی کی مدد سے بھاسکر پنڈت سے بھی سمجھوتہ کرلیا۔ ویسے نواب علی وردی خاں اچھی طرح سمجھ گیا کہ مرہٹے اس بار تو کسی طرح چلے گئے، لیکن ان کی طمع بڑھ گئی ہے اور وہ ایک بار پھر ادھر کا رخ کریں گے۔

-x-x-

چند ماہ بعد ندی کے راستے گھسیٹی بیگم ڈھاکہ سے مرشد آباد روانہ ہوئی۔ اس کے ہمراہ کنیزیں اور غلام اور پہرے دار بھی تھے۔ مرشد آباد پہنچتے پہنچتے گھسیٹی بیگم تھک چکی تھی پدما ندی میں اس کا بجرا مسلسل چلتا رہا تھا۔ ساتھ میں چند بڑی کشتیاں بھی تھیں جس میں مسلح فوجی سوار تھے، کچھ دوسرے بجروں میں با اعتماد کنیزیں اور دولت تھی۔ گھسیٹی بیگم نے سابق مقتول نواب سرفراز خاں سے لوٹا گیا وہ خزانہ بھی ساتھ لے لیا تھا جسے ان کے سسر نے انہیں دیا تھا۔

گھسیٹی بیگم کی آمد کی خبر پا کر جب نوازش خاں ان سے ملنے پہنچا تو وہ لیٹی ہوئی تھیں،

شوہر کو متفکر دیکھ کر انھوں نے کہا..... ''اب میں پھر ڈھاکہ جانا نہیں چاہتی، اس لئے پوری دولت ہمراہ لیتی آئی ہوں۔''

''گزشتہ رات جگت سیٹھ کے گھر پر کچھ لوگوں نے اچانک حملہ کر کے لوٹ مار کی، ان کا سرغنہ سابق نواب کا فوجدار میر حبیب تھا۔ تقریباً تین کروڑ روپے اور ہیرے جواہرات لوٹ کر لٹیرے غائب ہو گئے۔'' نوازش نے اطلاع دی۔

''میں نے اتنے خراب حالات کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔''

''آج دارالسلطنت میں قاعدے قانون کی کوئی چیز نہیں ہے۔ نوابی فوج بھی موقع کا فائدہ اٹھا کر، ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار لیتی ہے۔''

''ابا حضور کے کب تک آنے کی امید ہے؟''

''نواب، جگت سیٹھ کے گھر پر ہوئی لوٹ مار کی خبر ملتے ہی دارالسلطنت کیلئے کوچ کر چکے ہیں۔ وہ دو دن کے اندر ہی شاید لوٹ آئیں۔''

''اور موتی جھیل کا محل......؟''

''ابھی اس میں کچھ کام باقی ہے، دو تین ماہ اور تکلیف برداشت کرنا پڑے گی......'' یہ کہہ کر نوازش خاں واپس لوٹ گئے۔

گھسیٹی بیگم نے بھی انہیں رکنے کیلئے نہیں کہا۔

گھسیٹی بیگم کی آمد کے تیسرے دن نواب علی وردی خاں لوٹ آئے۔ وہ آتے ہی اپنی ساری افواج کی مدد سے مرشد آباد میں امن وسکون قائم کرنے میں مصروف ہو گئے۔ نواب نے سختی سے شورش کو دبایا، تبھی بری خبر ملی، افغانوں نے پٹنہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ سراج کے والد زین الدین کا انھوں نے قتل کر دیا تھا۔ زین الدین نوازش خاں کا چھوٹا بھائی اور گھسیٹی بیگم کی چھوٹی بہن امینہ کا شوہر تھا۔ نواب علی وردی خاں دربار میں پہنچے امیر وامرا سپہ سالار وغیرہ سے مشورہ شروع ہو گیا۔

طے ہوا کہ فوراً پٹنہ کو افغانوں کے چنگل سے آزاد کرایا جائے۔ لیکن اصل مسئلہ تھا دولت کا......

برگیوں (مرہٹوں) کے حملے سے خزانہ تقریباً خالی تھا۔ اڑیسہ سے کوئی بھی امید نہیں تھی۔ نوازش خاں سے ویسے بھی کافی لیا جا چکا تھا۔ نواب علی وردی خاں چاروں طرف سے گھر چکے تھے۔ ایک طرف سے مرہٹے دوسرے طرف سے پٹھان۔ فوج کی نئی بھرتی کرنی تھی۔ گھوڑوں کی خریداری کرنی تھی اور گولہ بارود اور تیر کمان کا بندبست ہونا تھا۔ اس رات نواب علی وردی خاں

شرف النساء بیگم کے کمرے میں آرام فرما تھے۔ نواب اور بیگم دونوں پریشان تھے' کنیز خاص نے آ کر کورنش بجا کر کہا...... ''حضور گستاخی معاف ہو' بڑی شہزادی نے سلام بھیجا ہے۔؟''

نواب نے اشارے سے اجازت دیدی' گھسیٹی کمرے میں آ کر نواب اور اپنی ماں شرف النساء کو سلام کرتے ہوئے نواب کے قدموں میں بیٹھ گئی اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے نواب سے کہا...... ''ابا جان! سنا ہے کہ خزانہ خالی ہونے کی وجہ سے فوج کو تنخواہ بھی نہیں مل سکی ہے......؟''

نواب نے اثبات میں سر ہلایا تو گھسیٹی نے سنجیدگی سے کہا...... ''ابا جان! آپ فکر نہ کریں، آپ خزانچی اور ملازموں کو بھیج دیں۔ آپ کو جتنی بھی دولت کی ضرورت ہوگی، میں دوں گی۔''

نواب علی وردی خاں حیرت سے گھسیٹی کی طرف دیکھنے لگے۔ شرف النساء بیگم کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ گھسیٹی نے سرخم کرتے ہوئے کہا...... ''ابا حضور! گستاخی معاف ہو، تو کچھ عرض کروں......؟''

گھسیٹی نے بڑی مصیبت کی گھڑی میں مدد کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ نواب نے اپنے چہرے کو سپاٹ رکھتے ہوئے سر ہلا کر گھسیٹی کو اپنی بات کہنے کی اجازت دے دی۔

''ابا جان! آپ اجازت دیں تو ہم امینہ کے بیٹے اکرم کو گود لینا چاہتے ہیں۔''

نواب کے جواب دینے سے قبل ہی شرف النساء بیگم گھسیٹی کے قریب آ کر اس کے سر کو اپنے سینے سے بھینچ کر بھیگی آواز میں بولیں...... ''ہم ہمیشہ تمہیں غلط سمجھتے رہے۔ آج جب کہ اس مصیبت میں تم ہمارے لئے مسیحا بن کر آئی ہو، امینہ کو بھی خوشی ہوگی۔ نواب صاحب یقیناً تمہیں اجازت دے دیں گے۔''

نواب علی وردی خاں خاموش بیٹھے گھسیٹی کے ذریعے دولت کی مدد اور اکرم کو گود لینے کے پیچھے کسی گہرے اسرار اور دور اندیشی کی بو محسوس کر رہے تھے۔ گھسیٹی بے اولاد تھی، لیکن گھسیٹی کا مقصد صرف گود لینا ہے۔ ان کا دل یہ ماننے کو تیار نہیں تھا۔ نواب دماغ پر کافی زور ڈال کر بھی گھسیٹی بیگم کی پیش کش کے پیچھے چھپے راز کو سمجھ نہیں پائے پھر بھی نواب نے سر ہلا کر گھسیٹی کی بات مان لی۔

گھسیٹی خوش ہو کر نواب اور شرف النساء بیگم کو آداب کر کے ہرنی کی مانند قلانچیں مارتی

ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

-x-x-

گھسیٹی بیگم نے ایک رات نوازش سے کہا۔''کوئی خاندانی، خوبصورت لڑکی دیکھو، میں اکرم کی شادی کر دینا چاہتی ہوں، ویسے بھی موتی جھیل محل میں آنے کے بعد کوئی بڑا جشن نہیں ہوا۔''

''لیکن بیگم! ابھی اس کی کیا ضرورت ہے؟ یہ شادی بیاہ کافی دوڑ دھوپ کا کام ہے۔'' نوازش نے فکر مند ہوتے ہوئے کہا۔

''لیکن اس کیلئے تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، تم ڈھاکہ خبر بھیج دو، حسین قلی خاں آکر سب کچھ سنبھال لے گا۔''

گھسیٹی بیگم کا جواب سن کر نوازش خاں سناٹے میں رہ گیا، گھسیٹی بیگم کے حسین قلی خاں سے خفیہ رنگین تعلقات کی بھنک اُس کے کانوں تک بھی پہنچ چکی تھی، لیکن اپنے مزاج کے مطابق کوئی ردعمل ظاہر نہ کر کے اُس نے گہری طویل سانس لے کر کہا۔''ٹھیک ہے بیگم! میں آج ہی خبر بھجوائے دیتا ہوں۔''

''اور شادی یہیں موتی جھیل محل میں ہوگی۔ اس شادی کو دیکھ کر بہتوں کی آنکھیں کھلی رہ جائیں گی......'' گھسیٹی بیگم نے خوش ہوتے ہوئے کہا تھا۔

حسین قلی خاں ڈھاکہ سے مرشدآباد آ پہنچا، حسین قلی خاں آتے ہی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہوگیا۔ موتی جھیل محل کے آس پاس تیاریاں ہونے لگیں۔ دعوت نامے لے کر گھڑ سوار ناٹور۔ وردھمان، کرشن نگر، میدنی پور روانہ ہوگئے۔ یہاں تک کہ کافی دور چٹ گاؤں، تری پورہ بھی دعوت نامے بھیجے گئے۔ اس شادی نے گھسیٹی بیگم کے وقار اور شان و شوکت کو راتوں رات آسمان پر پہنچا دیا تھا، آج اپنے گود لئے بیٹے اکرم کی شادی کے نام پر اس عظیم الشان پروگرام کے پیچھے اُس کے دماغی خیالات کو صرف ایک ہی شخص سمجھنے کی صلاحیت رکھتا تھا اور اُسی کا وہ دھڑکتے دل کے ساتھ انتظار کر رہی تھی۔ نوابی محل کے ایک تاریک کمرے میں نواب علی وردی خاں چہل قدمی کر رہے تھے۔ محل میں کچھ کنیزیں، خوجوں کو چھوڑ کر سبھی اکرم کی شادی میں شامل ہونے موتی جھیل محل چلے گئے تھے، نواب بعد میں پہنچنے کا بہانہ بنا کر حالات کو ٹھیک سمجھنا چاہتے تھے۔

بوڑھے نواب گھسیٹی بیگم کی ذہانت پر فدا تھے، اکرم کی شادی کا موقع تلاش کر کے گھسیٹی نے بھی مہمانوں کے سامنے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ نواب خاندان میں نواب کے بعد اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اُس کے پاس کافی دولت ہے اور اپنے منصوبوں کو کامیاب بنانے کیلئے اُس کے ساتھ ماہر ملازم بھی ہیں دولت کے لالچی دغا بازوں کو اس کے ساتھ کھڑے ہونے میں دیر نہیں لگے گی، پھر گھسیٹی نہایت ہنرمندی سے سراج کو اپنے راستے سے ہٹا کر اکرم کو تخت پر بٹھا کر حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لیگی۔ نہیں، نواب علی وردی خاں اپنی ہی بیٹی کی بے پناہ ذہانت کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ وہ گھسیٹی کے منصوبوں کو اپنے جیتے جی پورا نہیں ہونے دیں گے۔ نواب نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا، مگر اچانک ان کی آنکھوں کے سامنے گھسیٹی کا چہرا گھوم گیا۔ جب گھسیٹی ان کی مصیبت میں انھیں دولت کی مدد دینے آئی تھی...... بوڑھے نواب کا گلا بھر آیا اور وہ بڑبڑانے لگے۔

''گھسیٹی! کاش تم نے ہمارے خاندان میں بیٹا بن کر جنم لیا ہوتا۔''

-x-x-

اکرم کی شادی کے کچھ عرصے بعد گھسیٹی بیگم نواب کے محل میں آئی ہوئی تھی اور اپنے کمرے میں گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی، رات کا تیسرا پہر ختم ہو رہا تھا، تبھی اُس کی خاص کنیز نے اُس کے کمرے میں آ کر اُسے جگایا۔ گھسیٹی بیگم کنیز کی طرف دیکھ کر اٹھ بیٹھی اور آنکھیں مسلنے لگی، کنیز نے دھیمی آواز میں اُس سے کچھ سرگوشی میں کہا، گھسیٹی فوراً اٹھ کر کھڑی ہوگئی، اور اُس کے ساتھ تیز رفتاری سے باہر چلی گئی۔ وہ اپنی چھوٹی بہن امینہ بیگم کے کمرے کے سامنے پہنچی ہی تھی کہ سیاہ لبادے میں اپنے کو چھپائے ہوئے ایک مرد کی پرچھائیں امینہ کے کمرے سے باہر نکلی، گھسیٹی بیگم نے آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا، سیاہ لباس میں پوشیدہ پرچھائیں نے لرزتی آواز میں کہا۔

''بیگم صاحبہ آپ؟''

''ہاں! میں، حسین قلی خاں! میں تمہاری ہمت کی داد دیتی ہوں۔ تم اتنا آگے بڑھ جاؤ گے۔ میں نے اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ میں اپنی تباہی کی ذمہ دار خود ہوں۔ لیکن تمہیں اپنی اس حماقت کی سزا ضرور بھگتنی پڑے گی؟''

تبھی گھسیٹی کے ہاتھوں کو جھٹکا لگا اور ایک لمحے میں وہ سایہ تاریکی میں گم ہو گیا گھسیٹی بیگم کچھ سوچتی ہوئی چپ چاپ لوٹ پڑی۔ وہ کچھ عزم کے ساتھ اپنی ماں شرف النساء بیگم کے کمرے

کی طرف بڑھ گئی۔

-x-x-

دوسرے دن نواب علی وردی خاں اپنی بیگم کے کمرے میں مایوس بیٹھے ہوئے تھے شرف النساء نواب کی طرف دیکھ رہی تھی، سراج پریشان ہوکر کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ سراج نے اچانک اپنی مٹھیوں کو بھینچ کر چیخ کر کہا...... "میں حسین قلی خاں کا قتل کروں گا۔"

"اس سے بدنامی ہوگی، جو بھی سنے گا نواب خاندان پر انگلی اٹھا کر ہنسے گا" نواب نے سہم کر کہا۔

"ہم گھٹ گھٹ کر بے عزتی کو پی پی کر جئیں، اس سے بہتر ہے کہ حسین کا قتل کر کے اُس سے انتقام لیا جائے۔" سراج نے دہاڑتے ہوئے جواب دیا۔

"سراج ٹھیک کہہ رہا ہے، حسین کو مارنا ہی ہوگا" شرف النساء بیگم نے بھی سراج کی بات کی تائید کی۔

"لیکن حسین قلی خاں، نواب نوازش خاں کا ملازم ہے، نوازش خاں کے مشورے کے بغیر......" نواب کی بات درمیان میں رہ گئی شرف النساء بیگم نے کہا۔ "گھسیٹی کا مشورہ میں حاصل کرلوں گی۔ اب تو آپ کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔"

"اس پر بھی لوگ کہیں گے کہ نواب علی وردی خاں کی موجودگی میں ڈھاکہ کے نائب ناظم کے ایک ملازم کا قتل کردیا گیا۔"

"آپ اگر یہ سوچتے ہیں کہ آپ کے دارالسلطنت میں رہتے ہوئے حسین کا قتل ہونے پر آپ کی بدنامی ہوگی تو آپ شکار کھیلنے کے بہانے کچھ دنوں کیلئے یہاں سے باہر چلے جائیں۔"

نواب علی وردی خاں اپنی بیگم کے مشورے کے مطابق کچھ دنوں کیلئے شکار کھیلنے چلے گئے۔ سراج پورا انتظام کر کے اپنے مسلح فوجیوں کے ساتھ حسین قلی خاں کی رہائش گاہ کے سامنے جا پہنچا، مشتعل سراج نے حسین قلی خاں اور اس کے اندھے بھائی کو اپنے سامنے لانے کا حکم دیا۔ حسین قلی خاں شک ہوتے ہی پڑوس کے حاجی مہندی کے یہاں جا کر چھپ گیا۔ حسین قلی خاں کو حاجی مہندی کے گھر سے کھینچ کر لایا گیا سراج کے ساتھیوں نے تلواروں سے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ حسین کے اندھے بھائی کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا۔ سراج کے اشارے پر حسین الدین کا ڈھاکہ میں قتل ہو چکا تھا۔

ان قتل کے معاملوں کی خبر سے دارالسلطنت میں کھلبلی مچ گئی، امیر اُمرا اور سپہ سالار جس نے بھی سنا، وہی کانپ اٹھا، سراج کے اس دوسرے تیور کو دیکھ کر ہر انسان اپنے اپنے مستقبل کے تئیں تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ گھسیٹی بیگم کے کمرے میں آ کر نوازش خاں نے کہا۔ ''بیگم! ایک بے حد بری خبر ہے، سراج نے حسین قلی خاں اور اُس کے نابینا بھائی کا دن دہاڑے قتل کر دیا ہے۔''

گھسیٹی اپنے آپ کو سنبھال نہیں پا رہی تھی، اُس نے کمرے سے نکلنا چاہا۔ تبھی نوازش خاں نے اُسے روک کر کہا۔ ''بیگم! ابھی مت جاؤ۔ مجھے کچھ کہنا ہے؟''

گھسیٹی رک گئی۔ نوازش کہنے لگا۔ ''بیگم! حسین کی موت کے جو بھی اسباب دکھائے جا رہے ہیں، وہ جھوٹے ہیں یا سچے، مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہے، حسین قلی خاں جیسا بہترین ملازم ملنا مشکل ہے لیکن مجھے زیادہ دکھ ہے تمہاری شکست کا، نواب کی سیاست کے سامنے تم بازی ہار چکی ہو؟''

گھسیٹی نے حیرت سے نوازش کی جانب دیکھا، نوازش نے گھسیٹی کے بالکل قریب آ کر ہاتھ سے اس کی پشت سہلاتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ ہم امن و سکون سے اپنی زندگی گزار سکتے تھے، مگر بنگال کے تخت پر اپنا حق حاصل کرنے کی تمہاری بھوک نے تمہیں آج کہاں لا کر کھڑا کر دیا ہے؟''

گھسیٹی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اب اسے اپنی آنکھوں سے نوازش کا چہرا دھندلا دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا، نوازش کہہ رہا تھا۔ ''بیگم! جن راجہ، مہاراجہ، امیر و اُمرا، زمیندار اور عام پرجا کیلئے تم نواب علی وردی خاں کے بعد طاقت کے علمبردار کے طور پر قبولیت حاصل کر چکی تھیں، آج تل تل کر کے جمع کی گئی وہ عزت ختم ہو چکی ہے، آج اُن سب کی نظروں میں تمہارے لئے نفرت ہے۔''

نوازش خاں نے رک کر گھسیٹی بیگم کی بھیگی ہوئی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے مزید کہا۔ ''جان بوجھ کر نواب علی وردی خاں شکار کے بہانے دارالسلطنت سے غیر حاضر ہیں، ایک ناسمجھ نوجوان کو اُس کی ماں کی بدنامی کا خوف دکھا کر مشتعل کر دیا گیا، حسین قلی خاں، نواب علی وردی خاں کا ملازم نہیں تھا، وہ ڈھاکہ کے نائب ناظم کے ماتحت کام کرتا تھا۔ کل نواب علی وردی خاں شکار سے لوٹ کر کہیں گے، سراج ابھی بچہ ہے۔ اس نے غلطی کی ہے، سبھی لوگ ان کی باتوں کو مان لیں گے اور سبھی کچھ یہیں ختم ہو جائے گا۔''

گھسیٹی بیگم سسک اٹھی، نواز ش نے بے چین ہو کر کہا۔ ''جس اکرم الدولہ کو بنگال کے تخت پر بٹھانے کا تم نے خواب دیکھا تھا، وہ بھی آج تمہارے خلاف ہوگا، ہوسکتا ہے وہ تم سے نفرت بھی کرنے لگا ہو بیگم! میں بھی اسی خاندان کا لڑکا ہوں۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ تمہارے منصوبوں اور چالوں نے اس نوابی کے سب سے بڑے سیاست داں کی نیند حرام کردی ہے۔ اس لئے مجھے تمہاری فکر بھی ہے۔ تمہیں جو صحیح طور سے پہچانے گا، وہ تم سے نفرت نہیں ہمدردی کرے گا اور نوازش خاں تو تمہیں اپنی باہوں میں سمیٹ کر محبت اور صرف محبت ہی کرنا چاہے گا۔''

اور گھسیٹی بیگم نوازش کے سینے میں اپنے منہ کو چھپا کر زور زور سے رونے لگی، نوازش خاں کے ہاتھ پرسکون انداز میں اس کی پشت سہلا رہے تھے۔

گھسیٹی بیگم اپنے گود لئے بیٹے اکرم الدولہ، اُس کی دلہن اور اپنے شوہر کے ساتھ موتی جھیل محل میں مستقل طور سے رہنے لگی تھی۔ اُسے موتی جھیل بے حد پسند تھا۔ رات میں وہ نوازش خاں کے کمرے میں گئی، نوازش نے اُس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔

''بیگم! موتی جھیل محل پسند آیا؟''

''تمہاری دلچسپی کے مطابق ہے۔''

''چلو، میری دلچسپی کو تم نے سراہا تو۔''

''مگر موتی جھیل محل تو ابھی نامکمل ہے؟''

''کیسے۔''

''اسے مکمل کرنے کیلئے ابھی ایک مسجد، ایک مدرسہ اور ایک مہمان خانہ بننا ضروری ہے!''

''تمہاری سوجھ بوجھ اور دور اندیشی کا میں قائل ہوں، میں کل سے ہی یہ کام شروع کرادوں گا۔'' نوازش نے خوش ہو کر کہا تھا۔

''معاف کرنا، میں کافی تھک گئی ہوں۔'' گھسیٹی بیگم کو نوازش کے جواب کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دوسرے ہی دن سے مسجد، مدرسہ اور مہمان خانہ کا کام شروع ہو گیا، نوازش خاں خود روز کام دیکھتا۔ 1751ء میں مسجد، مدرسہ اور مہمان خانہ بن کر تیار ہو گیا۔ گھسیٹی نے دل ہی دل میں نوازش

کی فنکارانہ دلچسپی کی تعریف کی۔

نوازش خاں وسیع دل کا مالک تھا۔ وہ غریبوں کی مدد کرتا تھا۔ حسین قلی خاں کے قتل کے بعد راج بلبھ نوازش خاں کا دیوان بن گیا۔ راج بلبھ ڈھاکہ سے نوازش خاں کے پاس جو ٹیکس بھیجتا تھا نوازش نے اپنی دلچسپی کے مطابق اس دولت کا استعمال کر کے علمبرداروں کی ایک جماعت کھڑی کر لی تھی غریبوں کی مدد کیلئے وہ ہر ماہ 31 ہزار روپے خرچ کر رہا تھا۔ مدد میں وہ ہندو مسلم میں کوئی فرق نہیں رکھتا تھا گھسیٹی بیگم حسین قلی خاں کے قتل کے بعد تنہا رہ گئی تھی، اس کا زیادہ وقت اب محل کے باغیچوں میں ہی گزرتا تھا۔

نوازش خاں اپنے طریقے سے زندگی گزار رہا تھا۔ کبھی کبھی گھسیٹی بیگم کیلئے اُسے افسوس ہوتا، آج اُس کے کوئی اولاد ہوتی تو گھسیٹی اتنی دکھی اور افسردہ نہ ہوتی۔ اس کی شکست نہ ہوئی ہوتی اور اس کیلئے وہ اپنے آپ کو قصوروار سمجھتا تھا۔ اس طرح نوازش خاں غموں کو پی پی کر اندر ہی اندر گھلتا گیا۔

طاقت کی لڑائی میں نوازش پہلے گھسیٹی کی کوششوں کی حمایت کرتا تھا۔ گھسیٹی کے اُکسانے پر اُس نے خود کو نوابی گدی کا ایک خاص دعویدار بھی مان لیا تھا۔ وہ خاموش فطرت کا پرخلوص انسان تھا اور مرشد آباد کے دکھی لوگوں، بیواؤں اور یتیموں کو اپنا کنبہ مانتا تھا۔

گھسیٹی کے سمجھانے پر جب اُس نے اپنی اولاد پیدا کرنے کی ناکامی کو جانا تو وہ ٹوٹ گیا، اکرم الدولہ کے ولی عہد کے طور پر گود لے لینے پر اُس نے نوابی سازشوں سے اپنے آپ کو دور رکھنا شروع کیا۔ گھسیٹی کے دوسرے مردوں سے تعلقات کو جان کر بھی وہ اپنے تک محدود رہا۔ اُس کا زیادہ وقت موسیقی اور رقص میں گزرنے لگا۔

ادھر ایک نئی بائی جی موتی جھیل محل میں آئی ہوئی تھی۔ نوازش نے اُسے محفل سجانے کا حکم بھجوایا۔ نوازش جب محفل کیلئے واقع خاص سجے ہوئے کمرے میں پہنچا تو بائی جی اپنے سازندوں کے ساتھ تیار بیٹھی تھی۔ نوازش کی بائی جی سے نظر ملی تو وہ اُسے پلک جھپکائے بغیر دیکھتا رہ گیا۔ اُس نے اشارہ کیا، بائی جی نے نوازش کو سلام کر کے ایک راگ چھیڑا اور نوازش اُس کے مدہوش کن حسن اور مترنم آواز میں ڈوب گیا۔

موسیقی اور رقص ختم ہونے پر نوازش نے سازندوں کو جانے کا اشارہ کیا اور بائی جی سے جام پیش کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ بائی جی نے سونے کا پیالہ شراب سے بھر کر نوازش کی طرف

بڑھایا، نوازش نے پیالہ ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا نام ہے آپ کا؟''

''چمیلی بائی۔''

''ہندو ہو؟''

''انسان برادری کی ہوں۔''

''اوہ! میں بھول ہی گیا۔ بائی، ذات اور مذہب میں بندھ کر نہیں رہتی؟''

''حضور بھی کافی سلجھے خیالات رکھتے ہیں۔''

''تم بہت خوبصورت ہو۔''

''بیگم صاحبہ......؟''

''وہ جیٹھ کی دوپہر ہیں، جلنا ہی اُن کا کام ہے۔''

''اور میں......؟''

''تمہارے ساتھ سکون محسوس کر رہا ہوں۔''

بائی کھلکھلا کر ہنس دی۔

''تمہاری ہنسی، تمہارے گھنگروؤں کی موسیقی سے بھی زیادہ اچھی ہے۔''

''حضور، اچھے انسان ہیں۔''

''چمیلی بائی! تم مجھے ایک چیز دے سکتی ہو؟''

''کیا؟''

''سکون۔''

''حضور! میں گا سکتی ہوں، ناچ سکتی ہوں، شراب کا جام آپ کے ہونٹوں سے لگا سکتی ہوں، میرے پاس اس سے زیادہ ہے ہی کیا۔''

میرا ساتھ دو۔''

''وہ تو میں دے رہی ہوں۔''

''ہمیشہ کیلئے۔''

''چمیلی بائی نے نوازش کے چہرے کو غور سے دیکھا، اُس کی زندگی میں کئی انسان آئے تھے، لیکن یہ آدمی اُسے کچھ الگ ہی قسم کا لگا، بائی جی کے ہونٹوں سے بے اختیار نکل گیا۔ ''ہاں! ہمیشہ کیلئے۔''

نوازش کے چہرے پر خوشی دوڑ گئی، اُس نے چمیلی کو باہوں میں بھر لیا......
گھسیٹی بیگم کی کنیز خاص نے اُسے ان باتوں کی خبر دی تو اُس نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔

-x-x-

نوازش کے حرم میں متعدد برادری اور علاقوں کی حسینائیں موجود تھیں، اس نوابی عیاشی کو سماجی قبولیت حاصل تھی۔ مگر کچھ دن گزر جانے کے بعد گھسیٹی کو علم ہوا کہ نوازش رات دن ایک ہی بائی جی کے قریب وقت گزار رہا ہے تو وہ اپنی بے تابی کو نہ روک سکی اور ایک دن بغیر اطلاع دیئے نوازش کی خواب گاہ میں چلی آئی؟

بائی جی نوازش کو اُس وقت کوئی محبت کا نغمہ سنا رہی تھی۔ گھسیٹی کے اچانک داخل ہونے سے چمیلی بائی گھبرا گئی۔ آنے والے کے چہرے پر جلال اور غرور اُس کے گھسیٹی بیگم ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔ چمیلی بائی نے فوراً اُٹھ کر گھسیٹی بیگم کو جھک کر سلام کیا۔

گھسیٹی بیگم نے نوازش کو مخاطب ہو کر کہا...... ''مجھے خوشی ہے، جو میں تمہیں نہیں دے سکی، اس طوائف سے وہ تمہیں حاصل ہو رہا ہے۔''

''کیا تمہیں حیرت ہو رہی ہے بیگم؟'' نوازش گھسیٹی سے آنکھیں ملانے کا حوصلہ نہ کر سکا اور نظریں جھکا لیں۔

اچانک گھسیٹی بیگم نے زوردار قہقہہ لگایا۔ ''نوازش! مجھے جانتے ہوئے بھی تم نے ایسی بات کہہ دی، کیوں؟ مجھے دکھ دینے کیلئے، میں حسد کروں گی اس کم ذات سے۔''

چمیلی نے گھسیٹی بیگم کی طرف دیکھا۔ جیسا سنا تھا، ویسی ہی سنگدل، بے رحم اور سخت، لیکن خوبصورت، چمیلی کو اپنے حسن پر ناز تھا، لیکن گھسیٹی کی اس بیداغ خوبصورتی پر وہ آنکھیں نہ ٹکا سکی۔

''نوازش! تم جانتے ہو کہ میں تم سے جھوٹ نہیں بولتی، اس لئے میں اگر یہ کہوں کہ میں اس طوائف کی شکر گزار ہوں تو چونک مت جانا؟''

نوازش نے سچ مچ چونک کر گھسیٹی کی طرف دیکھا، اس پر گھسیٹی نے مسکرا کر کہا۔ ''جو میں تمہیں نہیں دے سکی یہ طوائف وہ تمہیں دے رہی ہے، میں تو اس کی احسان مند ہوں، میں اپنی تہی دامنی قبول کرتی ہوں۔'' کہتے ہوئے گھسیٹی بیگم تیزی سے جیسے آئی تھی ویسے ہی چلی بھی گئی......

''بیگم صاحبہ عجیب و غریب ہیں۔'' چمیلی آنکھیں پھاڑ کر بولی۔

''کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ دنیا میں مجھ سے اگر کوئی سب سے زیادہ محبت کرتا ہے تو وہ میری یہ بیگم ہی ہیں، اس کی محبت کو میں عزت نہیں دے سکا، مجھے بھی اپنی اس تہی دامنی کو قبول کر لینا چاہئے۔''

چمیلی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا، اُسے رنگین مزاج نوازش اچھا لگا تھا، اُس نے گھبرا کر پیالے میں شراب بھر کر نوازش کی طرف پیالہ بڑھا دیا۔

-x-x-

راج بلبھ، حسین قلی خاں کا پیش کار تھا، حسین قلی خاں کا قتل ہو جانے پر وہ اُس کی جگہ دیوان مقرر ہوا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں راج بلبھ نے اپنی کارگزاریوں سے نوازش خاں اور گھسیٹی بیگم کا اعتماد حاصل کر لیا۔ وہ بنگالی وید ذات کا تھا اور اُسے راجہ کا خطاب ملا تھا۔ وہ اپنے زمانے کے وید سماج کا مکھیہ بھی تھا۔

راج بلبھ نے کافی دولت جمع کر لی تھی، چالاک تو وہ تھا ہی، گھسیٹی بیگم کی نظروں سے بھی راج بلبھ کی صلاحیت پوشیدہ نہ رہ سکی، اُس نے اُسے حسین قلی خاں کی خالی جگہ کو پُر کرنے میں ہر طرح سے لائق اور قابل پایا۔ ایک دن گھسیٹی بیگم نے راج بلبھ کو اپنے ذاتی کمرے میں طلب کیا، گھسیٹی پردے میں نہیں تھی اُس نے راج بلبھ کو اپنی تیز نظروں سے دل ہی دل میں تولتے ہوئے کہا...... ''راجہ صاحب! نواب علی وردی خاں بیمار ہیں، انھوں نے سراج کو اپنا جانشین بنانے کا اعلان کیا ہے اور سراج گدی پر بیٹھ کر ہم میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں رہنے دے گا؟''

''حضور صحیح فرما رہی ہیں۔''

''سراج کو گدی پر نہیں بیٹھنے دینے کیلئے آپ جو بہتر سمجھتے ہوں کریں، اس کیلئے جتنی بھی دولت کی ضرورت ہوگی، میں دوں گی۔'' گھسیٹی بیگم نے راج بلبھ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''حضور اس ذمہ داری کو سونپ کر مطمئن رہ سکتی ہیں۔''

''آپ اپنی کاروائیاں تیز کر دیں، بنگال کے تخت پر بیٹھے گا میرا گود لیا بیٹا اکرم الدولہ، کامیابی ملنے پر آپ واجب انعام کے مستحق ہوں گے۔''

''حضور کی عنائت ہی کافی ہے۔''

''اب آپ میر جعفر، جگت سیٹھ اور قاسم بازار میں انگریزی کوٹھی کے واٹس سے خفیہ مشورہ کر کے انھیں اپنی طرف کر لیں۔''

''آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔''

''ہماری بات چیت مکمل طور سے پوشیدہ رہے۔'' گھسیٹی بیگم اٹھ کھڑی ہوئی، یہ جانے کا اشارہ تھا، راج بلبھ بھی اٹھ کھڑا ہوا، اُس نے گھسیٹی بیگم کو جھک کر سلام کیا اور سر نیچا کیے ہی دھیرے دھیرے کمرے سے باہر چلا گیا۔

اکرم الدولہ کو چیچک نکل آئی تھی۔ پورے جسم میں چھوٹے چھوٹے دانوں کی تکلیف سے وہ تڑپ رہا تھا۔ گھسیٹی بیگم اُس کے سرہانے بیٹھی اُسے اپنے ہاتھوں سے پنکھا جھل رہی تھی۔ نوازش خاں بے بسی سے ترحم نگاہ سے اکرم الدولہ کو دور سے تڑپتے دیکھ رہا تھا۔ ایک جانب کھڑی اکرم الدولہ کی بیگم سسک رہی تھی موتی جھیل محل کے تمام غلام اور کنیزیں ادھر اُدھر بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔

لیکن اکرم الدولہ موت سے بچ نہیں سکا۔ دو دنوں کی اذیت برداشت کرنے کے بعد وہ چل بسا۔ گھسیٹی بیگم نے اپنا سر پیٹ لیا۔ نوازش خاں بچوں کی مانند رو رہا تھا۔ اکرم الدولہ کی بیگم غش کھا کر ایک طرف پڑی تھی اور ایک بچہ ان سب سے بے خبر اُسی کمرے میں ایک طرف لیٹا اپنا انگوٹھا چوس رہا تھا وہ اکرم الدولہ کا نوزائد بیٹا تھا۔

نواب علی وردی خاں نے اپنے پیارے ناتی سراج الدولہ کی شادی اپنے ہی دربار کے بے حد امیر عطا اللہ خاں کی بیٹی امداد النساء بیگم کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے کی تھی، جوانی کی سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہی سراج کے یاروں نے اُسے بہت جلد شراب و شباب کے ذائقہ سے روشناس کرا دیا تھا، محل کی ایک خوبصورت کنیز اُس کی آنکھوں میں چڑھی تو اُس نے اُسی سے نکاح پڑھا لیا اور اُسے بیگم کا درجہ دے کر اُس کا نام لطف النساء بیگم رکھ دیا۔

ایک دن لطف النساء بیگم اپنے مرصع اور مزین کمرے میں پلنگ پر دراز تھی۔ اُسی لمحے ایک کنیز نے اُس کے کمرے میں قدم رکھ کر اُسے جھک کر سلام کیا۔ لطف النساء اٹھ کر بیٹھ گئی، نووارد کنیز کو دیکھ کر وہ چونک پڑی تھی، یہ گھسیٹی بیگم کی کنیز خاص تھی، کنیز نے لطف النساء کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''گھسیٹی بیگم باہر کھڑی ہیں۔ سراج بیگم کو خود سلام کرنے آئی ہیں۔''

لطف النساء بیگم بجلی کی سرعت سے نیچے اُتری، اُسی لمحے گھسیٹی بیگم نے کمرے میں قدم

رکھا، لطف النساء نے گھسیٹی کو جھک کر سلام کیا۔ گھسیٹی بیگم کے چہرے پر نسلی طبقے کا غرور جھلک رہا تھا اُس نے غور سے دیکھ کر کہا...... ''میں سوچتی تھی کہ تم ایک تقدیر والی کنیز ہو، لیکن تمہیں دیکھ کر اب میں اپنا خیال بدل رہی ہوں، حقیقت میں سراج کو خود اپنی تقدیر پر رشک ہونا چاہئے۔''

اپنی جانب حیرت سے دیکھ رہی لطف النساء کو دیکھ کر گھسیٹی بیگم نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''شاید تم اس کم عقل اور بے رحم نوجوان کو کوئی ایک نئی راہ دکھا سکو؟''

اپنی بات کہہ کر گھسیٹی بیگم بغیر رکے لطف النساء بیگم کو سحر زدہ حالت میں چھوڑ کر کمرے سے باہر چلی گئی......؟

-x-x-

اب نواب علی وردی خاں مسلسل بیمار رہنے لگے تھے۔ ایک دن سراج اُن کی عیادت کو گیا۔ نواب کے کمرے میں اُن کی بیگم شرف النساء بیگم کے علاوہ تیسرا کوئی نہیں تھا۔ سراج کو دیکھتے ہی بیمار نواب کا چہرا کھل اٹھا اور وہ خوش ہو کر بولے...... ''بیٹے! کیسے ہو؟''

سراج الدولہ نواب کے بستر پر اُن کے بغل میں ہی بیٹھ گیا۔ وہ فکر مند سا دکھائی دے رہا تھا۔ نواب علی وردی خاں نے سوالیہ نظروں سے اپنے نواسے کی طرف دیکھا تو سراج بولا۔

''انگریزوں کو شکست دینے سے دوسرے یورپین افسران غلطی سے بھی سر اٹھانے کی ہمت نہیں کریں گے۔''

سراج الدولہ کی انگریز دشمنی کسی سے بھی پوشیدہ نہیں تھی۔ نواب علی وردی خاں نے اس کی تائید میں اپنا سر ہلایا۔

''ادھر راج بلبھ کا انگریزوں سے میل جول کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا ہے۔''

''راج بلبھ، گھسیٹی بیگم کا قابل اعتماد آدمی ہے۔''

''نہیں! انگریز ہی گھسیٹی بیگم کے حامی بن گئے ہیں۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ انھیں یقین ہے کہ میری موت کے بعد گھسیٹی کا ہی اثر ورسوخ بڑھے گا، اس لئے اُنھیں خوش رکھنے کیلئے اُس کے بااعتماد ساتھی راج بلبھ کو ہاتھ میں رکھنا ضروری ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ ہمیں بڑی خالہ صاحبہ کیلئے کچھ کرنا ہوگا؟''

''اُسے اُس کے آدمیوں سے دور رکھنا ہی عقل مندی ہوگی۔''

نواب کی اس بات پر سراج الدولہ نے بھی تائید میں سر ہلایا۔ پھر کہا......"آخر وہ چاہتی کیا ہیں؟"

نواب علی وردی خاں نے گہری سانس لی۔"دیکھو بیٹے! میں نے تمہیں اپنا وارث بنایا ہے۔ جب تم بنگال کی گدی پر نواب بن کر بیٹھو گے تو گھسیٹی کے شوہر نوازش خاں کو تمہیں سلام کرنا ہوگا۔ اُسے ٹیکس دینا ہوگا، اُسے تمہارے احکامات بجالانے ہوں گے اور گھسیٹی یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکے گی۔"

سراج الدولہ فکر میں ڈوب گیا، اس پر نواب علی وردی خان نے کہا۔"تم خوش قسمت ہو گھسیٹی کے نصیب میں بدا نہیں تھا۔ ویسے گھسیٹی قسمت پر یقین نہیں رکھتی۔ وہ اپنا حق حاصل کرنے کیلئے کچھ بھی کر سکتی ہے۔"

"بڑی خالہ صاحبہ کا انگریزوں کے ساتھ خفیہ سمجھوتہ کرنے کا الزام لگا کر آپ مزاحمت کر سکتے ہیں؟"

"یہ میں نے فورتھ صاحب سے دریافت کیا تھا؟"

"سراج الدولہ نے بے چینی سے پہلو بدل کر سوال کیا۔"پھر کیا جواب دیا فورتھ صاحب نے؟"

"فورتھ صاحب کہتے ہیں انگریز بنئے ہیں۔ ان کے پاس فوجی نہیں ہیں، وہ اس ملک میں کاروبار یا تجارت کرنے آئے ہیں، بغاوت کی لہر کم کرتے نہیں۔"

پھر کچھ رُک کر نواب علی وردی خاں نے کہا۔"میں کچھ دن اور زندہ رہتا تو تمہارے راستے کا کانٹا صاف کر جاتا، لیکن یہ ہونے والا نہیں، پھر بھی میری آخری وارننگ سن لو، یورپیوں پر ہمیشہ تیز نگاہ رکھنا، کبھی بھی ایک ساتھ سبھی یورپیوں کو اپنا دشمن نہ بنانا۔ انگریز ادھر اپنی طاقت بڑھا رہے ہیں۔"

نواب علی وردی خاں ہانپنے لگے تھے، شرف النساء بیگم اُن کے قریب پہنچ گئیں۔ نواب نے اشارے سے پانی مانگا، پانی پلانے میں سراج الدولہ نے بھی مدد کی۔ نواب نے پانی پی کر کچھ سکون کی سانس لی اور سراج الدولہ کو اپنے قریب بلایا۔ سراج الدولہ، نواب کے سرہانے چلا گیا۔ نواب نے نواسے کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا......

"سراج! میں کچھ مانگوں تو دو گے؟"

''مانگئے حضور؟'' سراج الدولہ کا گلا بھی رندھ گیا۔

''تو پھر پاک قرآن شریف کو چھو کر قسم کھاؤ کہ شراب اب کبھی نہیں پیو گے؟''

سراج الدولہ نے اپنے نانا نواب علی وردی خاں کی طرف دیکھا۔اس بوڑھے شخص نے اُسے بے انتہا لاڈ و پیار دیا ہے، اُسے اپنا وارث بنایا ہے آخری وقت بھی اُس کے حق میں اُسے وعظ بھی دیا اور اب اسی کے حق کیلئے اس سے حلف بھی لینا چاہتا ہے۔

سراج کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔اُس نے نواب علی وردی خاں کی گود میں اپنا سر رکھ کر کہا۔

''نانا جان! آپ مطمئن رہیں، سراج اب زندگی میں کبھی بھی شراب کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔''

نواب علی وردی خاں نے سراج کو اپنے سینے سے لگالیا۔شرف النساء بیگم کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

-x-x-

اکرم الدولہ کی قبر پر اُس کی بیگم اپنے بیٹے کے ساتھ لیٹی رہتی۔نوازش خاں دور سے یہ منظر دیکھتا تو اس کا کلیجہ پھٹ جاتا اپنے اس مرحوم گود لئے بیٹے کو وہ بے حد چاہتا تھا۔اس کی اچانک موت نے اُسے مضطرب کر دیا تھا۔نہ وہ وقت پر کھاتا تھا اور نہ وقت پر سوتا تھا۔جسم اور دل وہ دونوں سے ٹوٹ چکا تھا۔گھسیٹی بیگم بھی اکرم الدولہ کی قبر کے پاس دکھے دل کے ساتھ جایا کرتی تھی۔ایک دن اکرم الدولہ کی قبر کی طرف جاتے ہوئے گھسیٹی بیگم کی نوازش خاں سے ملاقات ہوگئی۔نوازش خاں کا کمزور اور نحیف جسم دیکھ کر وہ لرز گئی۔اُس نے رندھے گلے سے کہا۔''یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟تم نے میرے محل میں بھی آنا چھوڑ دیا ہے۔آخر میں کس کے سہارے زندہ رہوں گی؟''

''بیگم!میں تمہیں تکلیف دینا نہیں چاہتا تھا؟''

''ایک شوہر اپنی بیوی کے پاس جائے گا تو اُسے تکلیف ہوگی۔تم ایک عورت کی تنہا زندگی کے درد کو کاش سمجھ سکتے۔'' اور گھسیٹی نوازش خاں کو ہکا بکا چھوڑ کر تیزی سے مڑ کر اپنے محل کی طرف چلی گئی۔

-x-x-

اچانک نواز ش علی خاں کا انتقال ہو گیا، خبر ملتے ہی گھسیٹی بھاگی بھاگی آئی۔ نواز ش خاں کے مردہ جسم کے پاس کافی لوگ جمع تھے۔ گھسیٹی خاموش تھی، اُس کی آنکھیں پلک جھپکائے بغیر نواز ش خاں کو دیکھ رہی تھیں، اُن کا جسم سیاہ اور نحیف ونزار ہو گیا تھا۔

موتی جھیل محل کے پاس اکرم الدولہ کی قبر کے بغل میں نواز ش علی خاں کو بھی دفنا دیا گیا۔ گھسیٹی پتھر بن کے سب کچھ دیکھتی رہی۔ جب سبھی چلے گئے تو گھسیٹی بھی اپنے محل میں لوٹ آئی اور جب سب سو رہے تھے تو رات کے سناٹے میں گھسیٹی نواز ش کی قبر کے پاس پہنچ کر زور زور سے ماتم اور بین کرنے لگی۔ اُس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ قبر پر اپنا سر پٹک پٹک کر رو رہی تھی۔ ''تم مجھے تنہا چھوڑ کر کیوں چلے گئے نواز ش......؟''

وقت گزرنے کے ساتھ انسان ہر صدمے کو برداشت کر لیتا ہے۔ ایک دن گھسیٹی بیگم اپنے کمرے میں غمزدہ سی بیٹھی ہوئی تھی، کنیز نے راج بلبھ کی آمد کی خبر سنائی تو گھسیٹی نے انھیں عزت کے ساتھ اندر لانے کا حکم دیا۔

راج بلبھ نے آکر گھسیٹی کو جھک کر آداب کیا، گھسیٹی اپنی نگاہ راج بلبھ پر ڈال کر نیچے فرش کو دیکھنے لگی۔

''نواب حضور کے انتقال کا مجھے بہت افسوس ہے۔''

گھسیٹی پھر بھی خاموش رہی

''حضور، لگتا ہے اوپر والا بھی ہم سے ناراض ہے۔''

''اکرم الدولہ کی ناگہاں موت سے نواز ش ٹوٹ گئے تھے۔''

''جی ہاں! بڑے نیک دل انسان تھے۔''

گھسیٹی بیگم نے آنکھیں بند کر کے نواز ش کو یاد کیا، راج بلبھ گھسیٹی بیگم کو ہی دیکھ رہا تھا اور اُسے اس کی اس حالت کو دیکھ کر دکھ ہو رہا تھا۔ گھسیٹی کو خاموش دیکھ کر راج بلبھ نے واپس لوٹ جانا ہی مناسب سمجھا۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ''حضور، میرے لئے کوئی حکم ہے؟''

گھسیٹی بیگم نے راج بلبھ کی جانب دیکھ کر سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔ ''خدا ہمارا مخالف ہی کیوں نہ رہے۔ ہم اپنی کوشش چھوڑ نہیں سکتے؟''

راج بلبھ نے گھسیٹی کی بات نہ سمجھتے ہوئے کہا۔ ''حضور، شہزادے صاحب کی موت ہو گئی۔ نواز ش صاحب بھی ان کے صدمہ میں چلے گئے......''

گھسیٹی بیگم نے راج بلبھ کی بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہوئے فوراً جواب دیا۔
''کیوں مبارک الدولہ تو موجود ہے؟''
''مبارک الدولہ؟''
''ہاں، مبارک الدولہ! اکرم الدولہ کا بچہ......''
''حضور، نوازش صاحب اور شہزادہ اکرم الدولہ کے نہ رہنے پر کیا یہ دعویٰ دمدار بن پائے گا؟'' راج بلبھ بولا۔
''راج بلبھ! ابا حضور نے سراج کو اپنا وارث مقرر کیا ہے، میں اُن کی بڑی بیٹی ہوں میرا دعویٰ سراج الدولہ کے بنگال کے گدی کے دعوے سے کم زوردار نہیں ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ ابا حضور نے سراج کو اپنا وارث بنایا ہے۔ مگر اس کا وزن ہی کیا ہے؟ سابق نواب مرشد علی خاں نے بھی اپنے نواسے سرفراز خاں کو اپنا وارث بنایا تھا۔ لیکن کیا سرفراز کے باپ نے گدی حاصل کرنے میں کامیابی نہیں حاصل کی تھی۔''
راج بلبھ خوش ہو کر گھسیٹی بیگم کو دیکھ رہا تھا۔
''اکرم الدولہ کے دعوے میں جو لوگ ہمارے ساتھ تھے، آج وہ مبارک الدولہ کے معاملے میں بھی ہمارے ساتھ رہیں گے۔''
''حضور میں سب سمجھ گیا، آپ بے فکر رہیں۔ میری وفاداری حضور کے ساتھ ہی ہے۔'' کہتے ہوئے راج بلبھ گھسیٹی بیگم کو آداب کر کے واپس لوٹ گیا۔
نوازش علی خاں کی موت کے بعد راج بلبھ صحیح معنوں میں گھسیٹی بیگم کا دیوان مقرر ہوا۔ راج بلبھ ڈھاکہ سے گھسیٹی بیگم کے پاس مشورہ کرنے کیلئے اکثر آتا رہتا تھا۔ ایک دن راج بلبھ ڈھاکہ سے گھسیٹی بیگم کے پاس بے حد ضروری کام سے آیا۔ ابھی وہ گھسیٹی بیگم سے ملاقات نہیں کر پایا تھا کہ سراج الدولہ نے اُسے قید کر لیا۔ گھسیٹی بیگم کو خبر ملی تو وہ شیرنی کی طرح تڑپ گئی۔ موت سے نبرد آزما علی وردی خاں نے فوراً سراج الدولہ کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔
سراج نے آتے ہی کہا۔ ''راج بلبھ نے سرکاری خزانے کا غلط استعمال کیا ہے۔''
''لیکن راج بلبھ گھسیٹی بیگم کا ملازم ہے۔ اگر اُس نے کوئی غبن کیا ہے تو اُس کے فیصلے کا حق گھسیٹی بیگم کو ہے۔'' نواب نے ٹوٹتی آواز میں بتایا۔
''نوازش خاں کی موت کے بعد راج بلبھ کا انصاف آپ خود کر سکتے ہیں؟''

''ٹھیک ہے، تفتیش کا انتظام کرو۔ اگر راج بلبھ ملزم ثابت ہوتا ہے تو اُسے سزا دی جائے گی، مگر فی الحال اُسے رہا کر دو۔''

سراج الدولہ نے غصے میں نواب علی وردی خاں کی طرف دیکھا، لیکن اُن کے زرد چہرے کو دیکھ کر اُس کا غصہ کافور ہو گیا۔ اُس نے نرمی سے کہا۔

''ٹھیک ہے، لیکن راج بلبھ چالاک آدمی ہے، وہ ہڑپ کی گئی دولت کو چھپا دے گا۔ اس لئے اُس کی جائیداد قرق کرانے کیلئے ڈھاکہ حکم بھیجنے کیلئے آدمیوں کا انتظام کر دیں۔''

راج بلبھ واقعی چالاک شخص تھا، اُسے اس طرح کے واقعہ کی اُمید تھی، اس لئے اُس نے اپنے بیٹے کرشن داس کے پاس خفیہ خبر ڈھاکہ بھجوا دی کہ جتنی بھی دولت جمع کر سکو، اُسے لے کر فوراً کلکتہ انگریزوں کے پاس چلے جاؤ۔ راج بلبھ نے انگریزی کوٹھی کے واٹس صاحب سے رابطہ قائم کر کے سب انتظام کر لیا تھا۔ واٹس نے کلکتہ کے گورنر روجر ڈریک کو خفیہ طور سے اطلاع دی کہ کرشن داس ان کا بہی خواہ اور ہمدرد ہے، اس لئے اُسے کلکتہ میں پناہ دی جائے۔ کرشن داس اپنی حاملہ بیوی کے ساتھ تیرتھ یاترا کے بہانے راتوں رات اپنی ساری دولت ملازموں میں لاد کر روانہ ہو گیا اور تشہیر یہ کی کہ وہ تیرتھ یاترا کیلئے پوری جا رہا ہے۔ لیکن بیچ راستے میں ہی کرشن داس کلکتہ میں اُتر کر انگریزوں کی پناہ میں چلا گیا۔

سراج الدولہ کو راج بلبھ کی پھوٹی کوڑی بھی ہاتھ نہیں لگی۔ کرشن داس نے اپنی حاملہ بیوی کی زچگی کے بعد بھی آنے کا نام نہیں لیا۔ سراج الدولہ انگریزوں پر ناراض ہوا۔ انھوں نے اُس کے دشمن کو پناہ دی تھی۔ نواب علی وردی خاں کی حالت بگڑ گئی۔ سراج الدولہ نواب کا لاڈلہ نواسہ تھا۔ نواب علی وردی نے خود اُسے مستقبل کا نواب مقرر کیا تھا۔ پورنیہ کا نواب شوکت، نواب کا ایک اور نواسہ تھا۔ اُس نے گدی پر اپنا حق جتایا تھا مگر نواب علی وردی خاں نے اُس کا مطالبہ نامنظور کر دیا تھا۔ اکرم الدولہ کے نابالغ بیٹے مبارک الدولہ کو سامنے رکھ کر گھسیٹی بیگم گدی کی ایک اور دعویدار تھی۔ سپہ سالار میر جعفر الگ سے دل ہی دل میں تانے بانے بن رہا تھا۔

10 ر اپریل 1757ء کی صبح پانچ بجے کلمہ پڑھتے پڑھتے نواب علی وردی خاں مہادت جنگ بہادر نے 80 سال کی عمر میں آخری سانس لی، انھیں خاص باغ میں اُن کی ماں کی قبر کے قریب دفنا دیا گیا۔

سراج الدولہ نواب بن کر بڑی دھوم دھام سے تخت پر بیٹھا۔ نئے نواب کو نذرانہ بھیجنا

اُس وقت کا دستور تھا۔ نذرانہ نہیں بھیجنے کا مطلب تھا نئے نواب کی بے عزتی کرنا، پھر یہ کے نواب شوکت جنگ نے تو سراج الدولہ کو نواب ہی تسلیم نہیں کیا تھا۔ انگریزوں نے بھی کوئی نذرانہ نہ بھیج کر سراج الدولہ کو طیش ہی دلایا تھا۔

اُس رات سراج الدولہ اپنے محل میں پہنچا تو لطف النساء بیگم نے آگے بڑھ کر اُس کا استقبال کیا۔

"تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟" سراج الدولہ نے کہا تو لطف النساء ہنس کر خاموش ہو گئی۔

"دیکھتا ہوں، اب کچھ کرنا ہی ہوگا۔"

لطف النساء بیگم سراج الدولہ کے قریب چلی گئی۔

"قاسم بازار کی انگریز کوٹھی میں راج بلبھ انگریزوں کے پاس بلا روک ٹوک آتا جاتا ہے۔ سیٹھوں سے بھی اس کی گاڑھی چھنتی ہے۔ گھسیٹی خالہ نے میرا جینا حرام کر دیا ہے۔"

"اُن کے اوپر ہاتھ ڈالنے سے امیر و اُمرا ناراض ہو جائیں گے۔"

"اور خاموش رہنے سے یہ تخت بھی ہاتھ سے نکل جائے گا، وہ سازشیوں کی سربراہ بن چکی ہیں۔"

"حضور کا کیا فیصلہ ہے؟" لطف النساء بیگم نے پوچھا۔

"مجھے کیا کرنا چاہئے؟" سراج الدولہ نے اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہ بیوہ ہیں، اتنے بڑے موتی جھیل محل میں ان کا اکیلے رہنا ہمارے لئے شرم کی بات ہے۔" لطف النساء نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

سراج الدولہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اُسے لطف النساء بیگم نے راستہ دکھا دیا تھا، اُس نے آگے بڑھ کر اُسے اپنی باہوں میں بھر لیا۔

-x-x-

موتی جھیل محل میں دو آدمی آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ رات کا تیسرا پہر تھا۔ رات کی خاموشی کو توڑتے ہوئے ایک مردانہ آواز اُبھری...... "حضور، سپہ سالار میر جعفر کا کہنا ہے کہ سراج الدولہ کو فوراً گدی سے ہٹانا ہم لوگوں کے حق میں ضروری ہے۔ اس لئے؟"

سامنے بیٹھی عورت نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔ تب اُس نے کہا...... "اس لئے ایک ایسے آدمی کو سامنے رکھ کر پوری مدد کرنی ہوگی جس میں ہمارے ارادوں کو پورا کرنے کی

طاقت ہونی چاہئے۔"

"کس کے نام پر آپ لوگ متفق ہیں؟" عورت نے پوچھا۔

"یہ کام نواب خاندان کا ہی کوئی فرد کر سکتا ہے، پورنیہ کے شوکت جنگ آپ کی سگی بہن کے بیٹے ہیں۔ وہ سراج الدولہ کو گدی سے ہٹانے کیلئے پوری طرح تیار ہیں؟"

"دو دشمنوں میں کمزور کی مدد کر کے مضبوط کو ختم کرنا پہلے ضروری ہوتا ہے۔" عورت کے جواب پر مرد دل ہی دل میں دہل گیا۔ پھر بھی اُس نے اپنے اوپر قابو رکھتے ہوئے کہا۔ "حضور، نواب سراج الدولہ کافی ناراض ہیں۔"

"کیوں؟"

"واٹس صاحب کہہ رہے تھے کہ انھوں نے نواب کو نذرانہ نہیں بھجوایا۔ واٹس صاحب تو کافی گھبرائے ہوئے تھے۔ میں نے اُن کو بھروسہ دلایا ہے۔"

"بہت اچھا کیا" عورت نے جواب دیا۔

ماحول میں کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ عورت نے کچھ سوچ کر کہا۔ "میں بے بس ہوں۔"

"کیوں حضور؟"

"آپ مرد ہیں، ایک بیوہ کے کرب کو آپ کیسے سمجھ سکتے ہیں؟"

"حضور، گھبرانے کی کوئی بات نہیں، نواب کو آپ پر ہاتھ اٹھانے سے قبل بہت کچھ سوچنا ہوگا۔ ہم سب تو ہیں۔"

عورت مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ اُس نے کہا۔ "موتی جھیل محل کی حفاظت کا بندوبست ہونا چاہئے۔"

"حضور کو کچھ اندیشہ ہے؟" مرد نے پوچھا

"مجھے سراج سے ہر وقت خطرہ ہے۔"

"حضور، فکر نہ کریں، موتی جھیل محل کی نگرانی میں کل سے مزید اضافہ کر دیا جائے گا۔"

"صرف پہرا بڑھانے سے کیا ہوگا۔ سراج موتی جھیل محل پر جب چاہے حملہ کر سکتا ہے، نئے فوجیوں کی بھرتی کرو، گولہ بارود بنانے کا کارخانہ کھولو۔ کسی طرح کی بھی خامی نہ رہنے پائے۔"

عورت کی باتوں کو پرکھتے ہوئے مرد نے کہا۔ ''حضور، بالکل بے فکر رہیں، ناظر علی یہ سب کام اکیلے کرلے گا۔''

''کون ہے یہ ناظر علی؟''

''موتی جھیل محل کا فوجدار۔ حسین قلی خاں صاحب کا خاص آدمی''۔

مرد کی نظریں عورت سے ملیں۔ اُن آنکھوں میں چمک دیکھ کر اس کی آنکھیں خود بخود جھک گئیں۔

''حضور مجھے اجازت دیں؟''

''کب آیئے گا۔''

''کل ہی سپہ سالار میر جعفر سے مل کر ایک آدمی پورنیہ بھیجنا ہوگا۔''

''دولت کی فکر نہ کریں۔'' مرد اور عورت دونوں اپنی اپنی جگہوں سے اُٹھ گئے، مرد نے جھک کر عورت کو آداب کیا اور رات کی تاریکی میں غائب ہوگیا۔ یہ شخص راج بلبھ تھا اور وہ عورت گھسیٹی بیگم کے علاوہ اور کوئی نہیں تھی۔

-x-x-

نوازش علی خاں کی قبر کے قریب پہنچ کر گھسیٹی بیگم چونک پڑیں۔

قبر پر ڈھیر سارے تازہ پھول بکھرے ہوئے تھے۔ اگر بتیاں بھی جل رہی تھیں، ایسا لگتا تھا جیسے ابھی ابھی کچھ دیر پہلے کوئی یہاں آیا تھا۔ کون ہوسکتا ہے وہ شخص؟ گھسیٹی بیگم کچھ سمجھ نہیں سکیں۔ اور وہیں قبر کے پاس زمین پر بیٹھ گئیں۔ انھوں نے قبروں کی طرف دیکھا۔ انھیں محسوس ہوا جیسے نوازش خاں قبر میں لیٹے لیٹے انھیں دیکھ رہے ہیں؟ ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب سا آگیا۔ نہ جانے وہ کتنی دیر تک روتی رہیں، آنکھوں کے آنسو خشک ہوچکے تھے۔ لیکن اُن کی سسکیاں ابھی تک بند نہیں ہوئی تھیں۔ تبھی انھیں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی انھیں پکار رہا ہو، آواز اور قریب سے آئی تھی۔

گھسیٹی بیگم نے فوراً نقاب چہرے پر گرالیا اور خود کو سنبھال کر وہ دھیرے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔''

''بیگم صاحبہ؟''

گھسیٹی بیگم نے پکارنے والے کی جانب دیکھا۔ ایک آدمی سامنے کھڑا تھا، گھسیٹی بیگم قبر

کی سیڑھیوں سے نیچے اتریں اور اس کے قریب سے آگے بڑھ گئیں۔

مرد بھی کچھ فاصلے سے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ گھسیٹی بیگم کو تعاقب کا احساس تھا، انھوں نے چلتے چلتے ہوئے ہی پوچھا۔ ''کیا نام ہے تمہارا؟''

''حضور، میر ناظر علی''

گھسیٹی بیگم چونک کر رک گئیں۔ انھوں نے مڑ کر دیکھا، راج بلبھ نے اسی کے بارے میں بتایا تھا۔ خوبصورت اور قد آور جسم، چہرے پر معصومیت، انھوں نے اُسے اپنی نظروں میں تولا اور پھر دھیرے دھیرے آگے بڑھ گئیں۔

''قبر پر تازہ پھول تم نے ہی رکھے ہیں؟''

''ہاں حضور''

''تمہارا کام کیا ہے؟''

''موتی جھیل محل کی حفاظت۔''

''کیا ایک فوجدار کا کام نواب کی قبر پر اگربتی جلانا ہے؟''

''حضور گستاخی معاف ہو، موتی جھیل محل کی حفاظت میں کوئی خامی نظر آئے تو ناچیز کا سر فوراً قلم کروا دیا جائے۔''

گھسیٹی بیگم کے چہرے پر ایک تبسم کی لکیر نمایاں ہوگئی۔ انھوں نے پھر گھوم کر ناظر علی کی جانب دیکھا۔ ''موتی جھیل محل کی حفاظت کیلئے میں کافی پریشان ہوں۔ تم سے اس کے بارے میں کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ کیا تم ہمارے محل میں آج رات آؤ گے؟'' یہ کہہ کر گھسیٹی بیگم نے ایک لمحہ ناظر علی کو دیکھا اور پھر تیزی سے اپنے محل کی طرف بڑھ گئیں۔

-x-x-

رات میں مشورہ خانہ پہنچ کر ناظر علی نے گھسیٹی بیگم کو جھک کر سلام کیا۔

گھسیٹی بیگم بناؤ سنگھار کئے ہوئے تھی۔ نوازش خاں کی موت کے کتنے عرصے بعد آج اُن کی آنکھوں میں چمک آئی تھی۔ اُس چمک کے اندر نہ جانے کتنے خوبصورت خواب پوشیدہ تھے...... مستقبل کے حسین خواب..... اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہنا شروع کیا۔

''نوازش کی موت کے بعد میں بالکل تنہا رہ گئی ہوں، اب کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ دل بہلانے کا کوئی ذریعہ بھی نہیں رہ گیا۔ نہ جانے زندگی کے باقی دن کیسے کٹیں گے؟'' اُس نے

طویل سانس لی تھی۔

''حضور، فکر نہ کریں، خادم تو موجود ہے۔'' ناظر علی نے معصومیت کا مظاہرہ کیا۔

گھسیٹی بیگم نے ناظر علی کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم کون ہو، جو میں تمہارے سہارے زندگی کے باقی دن گزار دوں گی؟''

ناظر علی کو جیسا لقوہ مار گیا، اُس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

''گھسیٹی بیگم ایک دن جوان تھی، آج وہ بوڑھی ہو چکی ہے، اُس کی خواہشات مردہ ہو چکی ہیں۔'' گھسیٹی بیگم نے ایک بار پھر گہری سانس بھری تھی۔

''حضور کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ خوبصورت بھی ہیں اور جوان بھی۔'' ناظر علی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

گھسیٹی بیگم نے آگے بڑھ کر ناظر علی کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ ''چلو، کسی کو اس پھول میں خوشبو تو ملی۔''

ناظر علی خاموش رہا، گھسیٹی بیگم کی قربت نے اُس کے جسم کی رگوں میں خون کی رفتار کو دوگنا کر دیا تھا۔ اس نے اپنی نظریں گھسیٹی بیگم کی نظروں سے ملائیں اور دوسرے ہی لمحے میں وہ گھسیٹی بیگم کی باہوں میں تھا۔

...... گھسیٹی بیگم کے محل میں ناظر علی کی بلا روک ٹوک آمد و رفت شروع ہو گئی، پورا موتی جھیل محل اُس کے پیروں کے نیچے لوٹ رہا تھا۔ گھسیٹی اکثر ناظر علی کے ساتھ صلاح و مشورہ کرتی رہتی تھی۔ ناظر علی کی راتیں گھسیٹی بیگم کے یہاں گزرنے لگیں۔

جگت سیٹھ کا نمائندہ گھسیٹی بیگم سے باتیں کر کے نکلا تو وہ کافی بے چین اور مضطرب ہو گئی۔ انھوں نے ناظر علی کو طلب کیا تو وہ حکم ملتے ہی حاضر ہو گیا۔

''بیگم صاحبہ! کیا کوئی بری خبر ہے؟'' ناظر علی نے مشورہ خانے میں داخل ہو کر گھسیٹی بیگم کو کورنش بجالاتے ہوئے پوچھا۔

گھسیٹی بیگم نے کوئی جواب نہیں دیا اور کمرے میں چہل قدمی کرتی رہی۔ پھر اُس نے ناظر علی کی جانب دیکھے بغیر ہی کہنا شروع کیا...... ''میں نواب خاندان کے لوگوں سے نفرت کرتی ہوں۔ اپنے مرحوم ابا سے، اپنی ماں سے، اپنی بہن امینہ سے اور سب سے زیادہ سراج سے......''

ناظر علی خاموش رہا۔

بنگال کے تخت پر ایک ایسے جاہل اور سنگ دل کو بٹھا دیا گیا ہے جس میں نہ تمیز ہے اور نہ قابلیت جو خود تو ڈوبے گا ہی، اُس کے ساتھ دوسروں کو بھی ڈوبنا پڑے گا۔'' گھسیٹی بیگم ناظر علی کے قریب آکر دوبارہ بولی۔ ''نوازش خاں کو اُن کا حق نہیں ملا۔ اکرم الدولہ بے وقت مر گیا۔ اُس کا بیٹا ابھی بچہ ہی ہے۔ سراج کا تخت پر ٹک جانا ہم سب کی موت ہے، اس لیے سراج الدولہ کو تخت سے ہٹانا ہی ہوگا۔'' گھسیٹی بیگم کے چہرے پر عزم جھلک رہا تھا۔

ناظر علی نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ ''حضور، بجا فرما رہی ہیں، لیکن ہم نواب کی فوج اور اسلحہ سے کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں؟''

''تم بے وقوف ہو، سراج کا مقابلہ وہی کر سکتا ہے جو نواب خاندان کا ہو، جس کے بازو میں قوت ہو اور جس کی عزت بھی ہو، پھر ہم انگریزوں، سیٹھوں و سپہ سالار میر جعفر کی مدد سے قہر ڈھا دیں گے۔'' گھسیٹی بیگم نے غصے میں کہا۔

''حضور بجا فرما رہی ہیں۔''

''پورنیہ کا نواب شوکت جنگ، سراج الدولہ کا خالہ زاد بھائی ہے۔ میری اپنی بہن کا بیٹا، سپہ سالار میر جعفر کا سفیر اُس سے مل چکا ہے۔ اُس نے اجازت بھی دے دی ہے اور اُسی کے مطابق تیاریاں بھی چل رہی ہیں۔''

''حضور، کیا شوکت جنگ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟''

''ناظر علی، شوکت جنگ شطرنج کی بساط پر صرف ایک مہرہ ہے۔ ہمیں اس کے ذریعے ایک بازی جیتنی ہے۔ اس کے بعد ہم شوکت جنگ کو دیکھ لیں گے۔'' کہتے کہتے گھسیٹی بیگم زور سے ہنس پڑی۔

ناظر علی کے جسم میں سرد لہر دوڑ گئی۔

''اگر جنگ میں شوکت جنگ کو شکست ہوتی ہے تب؟'' ناظر علی نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

گھسیٹی بیگم نے ناظر علی کی طرف ترچھی نظر سے دیکھا، پھر بولی...... ''ہاں! اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی حالت میں ناظر علی تم کیا کرو گے؟''

''حضور، میں جنگ کے آغاز سے قبل ہی آپ کو ڈھاکہ چلے جانے کا مشورہ دوں گا؟''

''میں نے تمہاری بہادری کی تعریف سنی ہے ناظر علی، سراج الدولہ کے خوف سے کم سے

کم گھسیٹی بیگم کہیں بھی نہیں جائے گی۔ گھسیٹی کی نظر میں سراج دوکوڑی کا انسان ہے۔ جو شخص جس سے زیادہ خوف زدہ رہتا ہے۔ وہ موقع ملنے پر اُس پر پہلے چوٹ کرتا ہے اور سراج کو سب سے زیادہ خوف مجھ سے ہی ہے۔''

گھسیٹی بیگم نے کھڑکی سے ہٹ کر پھر ناظر علی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''میرے محبوب فوجدار میری طرف دیکھو۔ موتی جھیل محل کو سراج سے بچانے کیلئے تم نے اب تک کیا کیا ہے؟ تم موتی جھیل محل کے فوجدار ہو۔ کیا تم تیر کمان لے کر۔ سراج کی بندوقوں اور توپوں کا مقابلہ کرو گے؟ ناظر علی، وقت نہیں ہے۔ تمہیں جتنی بھی دولت کی ضرورت ہو، لے جاؤ فوج کی بھرتی کیلئے فوراً اپنے آدمی میدان جنگ کی طرف روانہ کردو۔ بندوق، توپیں خرید سکو تو خرید لو۔ نہیں تو اُن کے بنانے کا انتظام کرو۔ سراج نے ابھی تک موتی جھیل محل پر حملہ نہیں کیا۔ یہی غنیمت ہے۔ میں اُس کی جگہ پر ہوتی تو موتی جھیل محل کو اب تک مٹی میں ملا چکی ہوتی۔''

ناظر علی گھسیٹی بیگم کو آداب کر کے لوٹ پڑا، وہ دل ہی دل میں کانپ اٹھا تھا۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے حسین قلی خاں کا چہرا گھوم گیا تھا...... اُس حسین قلی خاں کا چہرا جس کا سراج الدولہ نے نہایت بے رحمی سے قتل کروادیا تھا، کیا گھسیٹی بیگم سے اُس کی قربت کی کہانی نواب سراج الدولہ سے پوشیدہ ہوگی؟ موتی جھیل محل پر قبضہ کر کے سراج الدولہ اُس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ ناظر علی پسینے سے شرابور ہوگیا۔ گھسیٹی بیگم تو نواب کی خالہ ہے۔ عورت بھی ہے۔ خاندان کی عزت کی وجہ سے تو نواب اُسے چھوڑ بھی سکتا ہے۔ لیکن سراج الدولہ کے ہاتھوں پڑنے پر اُس کی کیا دُرگت نہیں بنے گی؟ ایک طرف گھسیٹی بیگم کا سڈول جسم، دولت اور ٹھاٹ باٹ اور دوسری طرف نواب سراج لدولہ کی ننگی تلوار؟

ناظر علی کو اپنے بچاؤ کی فکر زیادہ ستانے لگی۔

-x-x-

نواب سراج الدولہ کے فوجیوں نے موتی جھیل محل کو حصار میں لے لیا۔ ناظر علی نے تین طرف اپنے فوجی کھڑے کر کے جنگی منصوبہ بنایا تھا۔ اب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں۔ لیکن کسی کی طرف سے بندوق کی گولی نہیں نکلی۔ توپوں کی گرج نہیں سنائی دی۔ نواب کی فوج حکم کا انتظار کر رہی تھی اور ناظر علی کو گھسیٹی بیگم کے حکم کا انتظار تھا۔ پورا دن گزر گیا۔ گھسیٹی بیگم اپنے محل کے جھروکے سے سب دیکھ رہی تھی اور اُس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ کوئی گھبراہٹ نہیں تھی اور

وہ نہایت سکون و اطمینان سے باہر کا نظارہ کر رہی تھی۔

تبھی کچھ شور ہوا۔

گھسیٹی بیگم غور سے اُدھر ہی دیکھنے لگی۔ ایک پالکی سامنے سے آ رہی تھی۔ اُس کے پیچھے کچھ گھڑ سوار فوجی تھے۔ پالکی موتی جھیل محل کے صدر دروازے کے سامنے آ کر رُک گئی۔ تبھی نقیب نے زور سے صدا لگائی۔ "بنگال، بہار اور اُڑیسہ کے نواب ناظم الشوکت منصور علی نواب سراج الدولہ بہادر کی بیگم لطف النساء بیگم صاحبہ......"

گھسیٹی چونک اٹھی، دونوں طرف کی فوجیں آمنے سامنے مقابلے کیلئے تیار کھڑی ہیں۔ ایسے موقع پر نواب کی بیوی؟ کیا سراج نے کوئی نئی چال چلی ہے؟ گھسیٹی نے کچھ دیر سوچ کر جھروکے سے ہی ہاتھ ہلا کر اشارہ کیا۔

محل کا دروازہ کھل گیا۔ فوجیوں نے سر جھکا کر سلامی دی۔ پالکی پھاٹک کے اندر چلی گئی۔ ناظر علی ہکا بکا کھڑا دیکھ رہا تھا۔ گھسیٹی بیگم اپنے محل سے باہر آ گئی۔ پالکی اُن کے سامنے آ رکی۔ پالکی سے سراج کی بیگم لطف النساء باہر نکلی۔ گھسیٹی آگے بڑھی، لطف انساء نے گھسیٹی کو آداب کیا۔ گھسیٹی نے قریب پہنچ کر لطف النساء بیگم کو اپنی چھاتی سے لگا لیا۔ لطف النساء کی آنکھیں بھر آئیں اور اُس کے رندھے گلے سے نکلا۔

"امی جان! آپ کیسی ہیں؟"

"تم خیریت سے تو ہو......؟ گھسیٹی بیگم لطف النساء کا ہاتھ پکڑ کر محل کے اندر لے گئی اپنے کمرے میں پہنچ کر گھسیٹی بیگم نے لطف النساء کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں سراج نے کیوں بھیجا ہے؟"

"امی جان! کیا ایک بیٹی اپنی ماں کے پاس نہیں آ سکتی؟

"تم ایک بیٹی بھی ہو اور اب ایک بیٹے کی ماں بھی، تم ہی بولو؟"

لطف النساء بیگم سے کوئی جواب دیتے نہ بن پڑا۔ اس پر گھسیٹی بیگم نے کہا۔ "ایک بیٹی اپنی ماں کے پاس آئی ہے۔ ماں جاننا چاہتی ہے کہ بیٹی نے اُسے اتنے دنوں تک کیوں یاد نہیں کیا؟"

"ایک بیٹی اپنی ماں کے پاس آئی ہے اور آپ اس میں بھی سیاست کی بو تلاش کر رہی ہیں؟" لطف النساء بیگم کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

گھسیٹی بیگم لطف النساء کے بے قصور چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''تم نواب خاندان کی نہیں ہو، اس کے عیبوں سے تم پاک ہو، میں اسی خاندان کی بیٹی ہوں، سیاست ہمارے خون میں ہے۔ ہمارا ہر بیان، ہر قدم سیاست کا ہی کوئی داؤ ہوتا ہے۔''

''آپ نے کبھی بھی ہمیں اپنوں کی نظر سے نہیں دیکھا۔ نواب آپ کی اپنی بہن کے ہی تو بیٹے ہیں۔ میں آپ کی بہو ہوں۔'' لطف النساء بیگم نے سسکتے ہوئے کہا۔

چند لمحوں تک گھسیٹی بیگم، لطف النساء کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر آگے بڑھ کر لطف النساء کو انھوں نے اپنے بازوؤں میں بھر کر کہا۔ ''اللہ تعالیٰ نے میری کوکھ نہیں بھری، اُلٹا مجھے بیوہ کر دیا۔ تم نے ماں کہا ہے، کہو، تم کیا چاہتی ہو؟''

لطف النساء حیرت سے گھسیٹی بیگم کو دیکھنے لگی۔ ایک عورت جس نے اپنی زندگی شان و شوکت اور عیش میں گزار دی، آج اُسی کا یہ ایک دوسرا رخ لطف النساء دیکھ رہی تھی۔ گھسیٹی کے کردار کا یہ دوسرا پہلو تھا۔

گھسیٹی کہہ رہی تھی...... ''سراج موتی جھیل محل کے محاصرے کے بعد بھی گھسیٹی کو ہٹا نہیں سکتا، موتی جھیل محل کی حفاظت اس وقت دس ہزار فوجی اسلحہ سے لیس ہو کر کر رہے ہیں۔ گھسیٹی کے ایک اشارے پر خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔''

''امی جان! آپ یہاں پر اکیلی ہیں، کیا آپ کو اپنوں میں رہنے کی خواہش نہیں؟'' لطف النساء نے پوچھا

''تمہارے آنے سے پہلے تک میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ نواب علی وردی خاں اور میرے شوہر کے مرجانے کے بعد بھی میرا کوئی اپنا بھی ہے۔'' گھسیٹی کے چہرے پر تلخ مسکراہٹ چھا گئی۔

''امی جان! اتنے بڑے محل میں آپ اکیلی ہیں، چلئے اپنی بیٹی کے پاس رہئے۔'' لطف النساء نے اپنا سر گھسیٹی بیگم کے شانے پر رکھ کر منت کی۔

گھسیٹی بیگم خاموش لطف النساء کے معصوم چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ کتنا پاکیزہ، کتنا سادا۔ اس چہرے پر کہیں کسی سازش کا سایہ نہیں۔

''نواب فرنگیوں سے جنگ کرنے کیلئے جانے والے ہیں۔ میں تنہا رہ جاؤں گی۔ نواب کی غیر موجودگی سے دارالحکومت ہی غیر محفوظ ہو جائے گا تو میری [illegible]ت کون کرے گا؟''

گھسیٹی بیگم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اُس نے لطف النساء کے گالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔ ''لطف میں، چلوں گی، تم نے مجھے ماں کہا ہے، میں ماں کے رتبہ پر کالک نہیں ملنے دوں گی۔ سراج کی عقل مندی کی میں تعریف کرتی ہوں۔ اُس نے ایک معصوم بچی کو داؤ پر لگایا ہے، جس نے مجھے ماں کہا ہے۔ اُس نے میری کمزوری پہچان لی ہے، سراج! آج میں اپنی شکست خوشی خوشی قبول کرتی ہوں۔''

گھسیٹی بیگم لطف النساء کا ہاتھ پکڑ کر محل کے باہر آئیں۔ پالکی کے پاس ہی ناظر علی کھڑا تھا۔ گھسیٹی نے اُس کی جانب دیکھ کر اپنے گلے سے ایک قیمتی ہار اُتار کر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''ناظر علی! میں اپنی مرضی سے جا رہی ہوں، اپنی مالکہ کو بھول جانا، اب موتی جھیل محل کا ہر آدمی آزاد ہے۔''

گھسیٹی اور لطف النساء پالکی میں سوار ہوگئیں اور پالکی موتی جھیل محل کے باہر چلی گئی......!

-x-x-

موتی جھیل محل سے نواب سراج الدولہ کو بیس چمڑے کے بھری مہروں کے صندوق اور دس چمڑے کے ہیرے جواہرات سے بھرے صندوق ملے تھے۔ یہ گھسیٹی کی دولت تھی۔ اس میں اُس کے سُسر کے ذریعے جمع کی گئی اور نواب سرفراز خاں کی لوٹی گئی دولت بھی شامل تھی۔

گھسیٹی بیگم کو لاکر چہل ستون محل میں رکھا گیا۔ نواب سراج الدولہ کا سخت حکم تھا کہ گھسیٹی بیگم بغیر کسی پیشگی اطلاع کے نہ کسی سے ملاقات کرسکتی ہیں اور نہ کہیں جاسکتی ہیں۔ حرم کے خوجہ اس کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ گھسیٹی بیگم کا سارا وقت اپنے کمرے میں ہی گزرتا تھا۔ کبھی کبھی لطف النساء اُس کے پاس آجاتی تھی، اُسی سے گھسیٹی بیگم کو دارالسلطنت کی سیاست کا علم ہوتا رہتا تھا۔

ایک دن لطف النساء نے آکر گھسیٹی بیگم کو بتایا کہ نواب نے کلکتہ پر 16/جون 1756ء کو حملہ کر کے فورٹ ولیئم پر 19/جون 1756ء کو قبضہ کرلیا ہے، اور انگریز کلکتہ سے بھاگ گئے ہیں۔ نواب مرشد آباد پہنچنے والے ہیں۔ اُن کی فتح پر اُن کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

یہ خبر سن کر گھسیٹی بیگم سنجیدہ ہوگئی۔ اس پر لطف النساء نے کہا۔ ''امی! آپ غمزدہ کیوں ہوگئیں؟''

''نواب نے اپنے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ کرلیا ہے۔'' گھسیٹی بیگم نے طویل سانس لے کر کہا۔

''لیکن انگریز تجارت کرنے کے نام پر حکومت میں دخل اندازی کر رہے ہیں۔''

''انگریز ایک عقل مند قوم ہے۔ اپنی بھلائی اچھی طرح سمجھتی ہے۔ وہ چپ چاپ نہیں بیٹھ سکتے۔ وہ کلکتہ پر دوبارہ قبضہ کر کے نواب کے پیچھے پڑ جائیں گے۔''

لطف النساء نے سوالیہ نظروں سے گھسیٹی بیگم کو دیکھا۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد گھسیٹی نے کہا۔ ''سراج نے اپنی قبر خود کھود لی ہے۔ ابا حضور کے وقت کے قابل لوگوں کو ناراض کر کے اُس نے اپنے اردگرد خوشامدیوں کی فوج تیار کر لی ہے۔ وہ سراج کو حقیقت کے قریب پھٹکنے بھی نہیں دیں گے۔ میں نے خود سراج کو ہٹانے کیلئے سازش کی تھی۔ میں اُس کے دشمنوں کی طاقت جانتی ہوں۔ مجھے سراج سے ہمدردی نہیں ہے۔ لیکن تمہارے لیے اس کی شکست پر افسوس کروں گی۔''

گھسیٹی بیگم کیلئے مقرر کنیز جو کھانا لا کر اُس کے سامنے رکھتی۔ وہ اس سے کچھ کھا لیتی۔ جو کپڑے لاتی۔ وہ اُسے پہن لیتی۔ اکثر وہ خاموش رہتی۔ اپنے آپ میں ہی کھوئی ہوئی۔ یہاں تک کہ وہ کنیز کو بھی اشارے سے ہی کچھ کہتی۔ ایک دن بڑی بیگم اُس کے کمرے میں پہنچیں۔ گھسیٹی بیگم لیٹی ہوئی تھی۔ لیکن اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ شرف النساء بیگم نے بے چین ہو کر کہا۔

''مجھے تمہارے لیے افسوس ہوتا ہے۔''

''ہر ماں باپ اپنے بچوں کیلئے ایسی حالت میں ایک دن یہی کہتے ہیں۔'' گھسیٹی نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

''مجھے تمہارے لیے سچ مچ ہی افسوس ہے۔''

''لیکن جب وہ اپنی اولاد کے چہرے پر خوشی لانے کے قابل ہوتے ہیں۔ تب وہ اُسے نظر انداز کر جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ان کو تمہاری ہی طرح افسوس اور دکھ ہی ظاہر کرنا پڑتا ہے۔'' گھسیٹی اٹھ کر اب پلنگ پر بیٹھ گئی۔

''چپ رہ بدذات! میں تو کہنے آئی ہوں کہ بڑی بڑی صرف سوچا نہ کر۔ قرآن شریف پڑھ۔ خدا کو یاد کر۔ شاید وہ تجھ پر رحم کر کے تجھے جنت بخش دے۔'' شرف النساء بیگم نے غصے سے کہا۔

''میری فکر میں تم کیوں گھلی جا رہی ہو۔ میں نہیں جانتی کہ جنت کیا ہوتی ہے۔ وہ سب تمہیں ہی مبارک ہو۔''

شرف النساء بیگم گھسیٹی کے جواب سے مایوس ہو کر کمرے سے باہر نکل گئیں، انھوں نے نہیں دیکھا کہ اُن کے جانے کے بعد گھسیٹی بلک بلک کر روتی رہی ہے۔

-x-x-

نواب سراج الدولہ نے انگریزوں سے آخری فیصلہ کر لینے کا ارادہ کیا۔ گھسیٹی بیگم سے وہ کافی گھبراتا تھا۔ اُس کے انگریزوں سے خوشگوار تعلقات تھے اور مخالفوں کی تو وہ کبھی سربراہ ہی رہی تھی۔ گھسیٹی بیگم پھر کوئی گڑبڑ نہ کرے۔ اس لیے نواب سراج الدولہ نے اُس کے کمرے کے سامنے پہرا دوگنا کر دیا تھا۔ اب لطف النساء بیگم پر بھی اُس سے ملنے کی پابندی عائد کر دی گئی۔ پھر بھی گھسیٹی بیگم کو تمام خبریں ملتی رہیں۔ اُس نے اپنی خدمت کیلئے نواب سراج الدولہ کے ذریعے تعینات خاص کنیز کو ہی خرید لیا تھا۔

نواب سراج الدولہ نے انگریزوں کے خلاف فوج کے ساتھ کوچ کیا۔ پلاسی کی جنگ میں دغا بازی کی وجہ سے نواب سراج الدولہ کو شکست ہوئی۔ وہ میدانِ جنگ سے بھاگ کر دارالسلطنت آیا۔ دارالحکومت مرشد آباد میں بھی جان کے لالے پڑتے دیکھ کر وہ فرانسیسیوں سے مدد لینے کے ارادے سے اپنی بیگم لطف النساء کے ساتھ پٹنہ کی طرف بھاگا۔ آخر میں وہ پکڑا گیا اور میر جعفر کے بیٹے میرن نے اُس کا قتل کروادیا۔ کلائیو نے جعفر کو خود ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھایا......

گھسیٹی بیگم تمام واقعات سے واقف ہو چکی تھی۔ سراج الدولہ کے قتل کے بعد اُس کا غصہ کافور ہو چکا تھا۔ شادی کے رشتے کے باوجود میر جعفر، علی وردی خاندان کا وارث نہیں بن سکتا تھا۔ بنگال کی گدی کا حق دار تو کوئی علی وردی خاندان کا ہی فرد ہو سکتا تھا۔ اُس نے کنیز کی مدد سے ایک خوجہ کی خدمات حاصل کر لینے میں کامیابی حاصل کر لی۔

خوجہ سے گھسیٹی بیگم نے کہا۔ ''یہ خط رائے درلبھ تک پہنچانا ہے۔'' اُس نے اپنے گلے سے بیش قیمت ہار اُتار کر خوجہ کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''خط ٹھیک جگہ پہنچانے کی خبر دینے پر اس سے چوگنے انعام کے تم حقدار بن جاؤ گے؟''

''بیگم صاحبہ! سمجھ لیجئے۔ آپ کا کام ہو چکا ہے۔'' خوجہ نے کہا اور سر جھکاتے ہوئے خط لے کر وہاں سے رخصت ہو گیا۔

نواب میر جعفر اپنے مزین کمرے میں تشویش زدہ سا چہل قدمی کر رہا تھا، میرن نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''ابا حضور......؟''

''میرن! یہ خط پڑھ لو......؟'' نواب میر جعفر نے ایک خط میرن کی طرف بڑھا دیا۔
خط پڑھ کر میرن کا چہرا غصے سے سرخ ہو گیا۔
''گھسیٹی بیگم نے کافی رشوت دے کر یہ خط درلبھ کو بھیجنے کی کوشش کی ہے۔''
''اُس نے سراج کی نیند حرام کر دی تھی، اب وہ ہمیں سکون سے نہیں رہنے دے گی، اس کا فوراً خاتمہ کر دینا ضروری ہے۔''
''میرن! تم گھسیٹی بیگم کے اثر و رسوخ کو نہیں جانتے۔ اُس کے اوپر ہاتھ ڈال دینے سے جگت سیٹھ، رائے درلبھ، یار لطیف سبھی ناراض ہو جائیں گے۔ پھر راج بلبھ اُس کا کافی دنوں تک ملازم رہا ہے۔''
''پھر؟''
''نوازش خاں کے ہمارے اوپر احسانات کم نہیں رہے ہیں، میں گھسیٹی بیگم کا نقصان نہیں ہونے دوں گا۔''
''وہ گدی سے آپ کو ہٹا کر سراج الدولہ کے چھوٹے بھائی مرزا مہندی کو بٹھانے کی سازش کر رہی ہے، اس کے باوجود بھی......''
میر جعفر خاموش رہا
میرن نے پھر کہا...... ''نواب علی وردی خاندان کے کسی بھی آدمی کے زندہ بچے رہنے سے یہ سازش ہوتی رہے گی۔ اس لیے اس خاندان کے آخری بچے کے قتل کا حکم صادر کیا جائے۔''
نواب میر جعفر نے میرن کی طرف دیکھ کر سر جھکا کر حامی بھر دی اور میرن کمرے سے رخصت ہو گیا۔

-x-x-

زبردست شور و غل کی آواز سن کر گھسیٹی بیگم فوراً اپنے کمرے سے باہر آ گئی۔ میرن، سراج الدولہ کے پندرہ سالہ جوان بھائی مرزا مہندی کو تختے کے نیچے رکھ کر اُس کے اوپر کھڑا تھا۔ مرزا مہندی امینہ بیگم کا زندہ آخری بیٹا اور نواب علی وردی خاں کے گھر کا آخری چشم و چراغ درد و تکلیف سے تڑپتا ہوا چیخ رہا تھا۔
گھسیٹی بیگم سے یہ خوفناک منظر نہیں دیکھا گیا۔ وہ چیخ کر بولی۔ ''میرن......!''
میرن نے جواب میں گھسیٹی بیگم کی طرف دیکھ کر زوردار قہقہہ لگایا۔

گھسیٹی بیگم نے غصے سے کہا۔ ''نوازش خاں نے میر جعفر کو نواب علی وردی خاں کے عتاب سے بچا کر جو غلطی کی تھی، کیا آج اُسی کا تم احسان چکا رہے ہو؟''

''تم بھی دیکھ لو اس لڑکے کو آخری بار جسے رائے درلبھ کی مدد سے تم گدی پر بٹھانے کا خواب دیکھ رہی تھیں......'' میرن گرجتے ہوئے بولا۔

میرن کے پاؤں کے دباؤ سے تخت کے نیچے مرزا مہندی اپنی پوری طاقت لگانے پر بھی باہر نہیں نکل پا رہا تھا۔

''میرن! میں پھر کہتی ہوں۔ چھوڑ دو، نہیں تو بہت برا انجام ہوگا۔ میں کہتی ہوں......؟''

اذیت ناک کرب میں تڑپتے ہوئے مرزا مہندی کی حالت دیکھ کر گھسیٹی بیگم دوڑ کر میرن کے قریب پہنچ کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن پکڑ کر زور سے دبانے لگی۔ گھسیٹی بیگم کی سخت ہاتھوں کی گرفت سے میرن کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں اور اُس کے حلق سے گھوں، گھوں کی سی آواز نکلنے لگی۔ تبھی میرن کے ایک دوست نے آگے بڑھ کر گھسیٹی بیگم کو زور کا دھکا دیا۔ گھسیٹی بیگم چھٹ کر فرش پر گر کر بے ہوش ہوگئی۔ اور دوسری طرف زندگی کی آخری کوشش کر رہے مرزا مہندی کے منہ سے......تازہ تازہ سرخ خون نکلنے لگا، ایک زوردار چیخ کے ساتھ سب کچھ ختم ہوگیا۔

خاص باغ میں سراج الدولہ کی قبر کے پاس ہی مرزا مہندی کو بھی دفنا دیا گیا۔

-x-x-

اُمرا کے اعتراضات کو دیکھتے ہوئے میرن خواہش مند ہوتے ہوئے بھی گھسیٹی بیگم کو قتل نہیں کر سکا۔ اس لیے میر جعفر کے حکم سے گھسیٹی بیگم اور امینہ بیگم کو ڈھاکہ بھیج دیا گیا۔ نواب میر جعفر کو اُس کی محبوبہ منی بیگم شراب کا پیالہ بھر کر دے رہی تھی۔ اسی وقت کنیز نے کمرے کے باہر سے صدا لگائی۔ ''شہزادہ میرن سلام بھجواتے ہیں؟''

نواب میر جعفر نے منی بیگم کی طرف دیکھا۔ منی بیگم نے اپنے بے ترتیب کپڑوں کو درست کر لیا۔ میر جعفر نے چند لمحوں کے بعد حکم دیا۔ ''بھیج دو۔''

میرن نے کمرے میں آکر کورنش بجاتے ہوئے کہا۔ ''ابا حضور! خزانہ خالی ہو چکا ہے، تنخواہ نہیں ملنے سے فوجی بے حد ناراض ہیں۔''

''جانتا ہوں میرن!'' میر جعفر نے دھیرے سے جواب دیا۔

''وہ کسی بھی وقت بغاوت پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔ وہ شہر میں لوٹ مار کر سکتے ہیں۔؟''

میرن نے تشویش ناک لہجے میں بتایا۔

''جانتا ہوں، مگر فی الحال دولت کا انتظام ہونا مشکل ہے۔''

''ابا حضور! آپ جگت سیٹھ سے اُدھار لے کر بقایاجات ادا کر سکتے ہیں۔''

''جگت سیٹھ نے سراج الدولہ کے کہنے پر چندن نگر کے فرانسیسیوں کو دس لاکھ مہریں اُدھار دی تھیں۔ پلاسی کی جنگ کی وجہ سے اُن کی ساری رقم ڈوب چکی ہے۔ انھوں نے اُدھار دینا بند کر دیا ہے۔'' میر جعفر نے اپنی معذوری کا اظہار کیا۔

''تو پھر سراج الدولہ کے بیگم محل سے جو دولت ملی ہے۔ اُس میں سے سونا اور چاندی کو گلا کر سکے تیار کر کے ہم فوجیوں کی تنخواہیں ادا کر سکتے ہیں۔''

''یہ ناممکن ہے۔''

''کیوں؟''

''اُس دولت کی مالک گھسیٹی بیگم ہے۔ سراج الدولہ نے موتی جھیل محل لوٹ کر وہ دولت حاصل کی تھی، اُسے میں گھسیٹی بیگم کو لوٹا دوں گا۔''

''اُس عورت کو جس نے ہمیں برباد کرنے کیلئے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔؟''

''نہیں بیٹے! اُس عورت کی کوششوں کی وجہ سے تمہارا باپ آج بنگال کی گدی پر ہے۔ میں جلدی ہی گھسیٹی بیگم کو ڈھاکہ سے یہاں بلا کر اُس کی دولت اُسے لوٹا دوں گا۔ سراج الدولہ کے خلاف بھرتی کرنے میں اُس نے میری دھن دولت سے مدد کی تھی۔''

میرن کوئی جواب نہ دے کر سلام کر کے خاموشی سے کمرے سے باہر چلا گیا۔

-x-x-

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ گریاؔ کی جنگ میں بنگال کے تخت کیلئے پہلے بے ایمانی ہوئی تھی جس کے نتیجے میں نواب سرفراز خاں کے خاندان کی خواتین کو نواب علی وردی خاں کی قیدی بن کر ڈھاکہ آنا پڑا تھا۔ پلاسی کے میدان میں وہی بے ایمانی پھر دہرائی گئی، جس کا انجام نواب علی وردی خاں کی عورتوں کو بھی قید ہو کر جانا پڑا تھا۔ اُسی قید خانے میں جہاں اورنگ زیب کے نواسے عظیم الشان ڈھاکہ کے جس محل سے بنگال، بہار، اُڑیسہ کی نظام حکومت سنبھالتے تھے۔ گھسیٹی بیگم کیلئے ڈھاکہ اجنبی شہر نہیں تھا۔ لیکن تب وہ ڈھاکہ کے نائب ناظم نوازش خاں کی خاص بیگم تھی، لیکن اب وہ نواب میر جعفر کی قیدی تھی۔ گھسیٹی بیگم اور اُس کی چھوٹی بہن امینہ بیگم

کو میرن کے حکم سے ایک ساتھ نہ رکھ کر الگ الگ رکھا گیا تھا۔ ڈھاکہ کے نائب ناظم جسرت خاں کے اوپر اُن کی حفاظت کی ذمہ داری تھی۔

گھسیٹی بیگم کے بارے میں میرن پریشان تھا۔ اُس نے سوچا اگر نواب میر جعفر اُسے پھر مرشد آباد لاتے ہیں تو گھسیٹی بیگم سازشوں کا جال بننا شروع کر دے گی۔ اپنے ہی پھوپا کے بیٹے میرن سے گھسیٹی سخت نفرت کرتی تھی۔ اُس کا امیر و اُمراء پر کافی اثر بھی تھا۔ نواب میر جعفر کی ہمدردی بھی اُسے حاصل تھی۔ مرشد آباد آ کر وہ بہت آسانی سے میرن کی جگہ منی بیگم کے بیٹے کو شہزادہ مقرر کروا سکتی ہے...... نہیں...... نہیں...... گھسیٹی بیگم مرشد آباد پھر واپس آئے، اس سے پہلے ہی اُسے ختم کرنا ہوگا اور میرن نے فیصلہ کر لیا۔ اُس نے اپنے فیصلے سے اپنے باپ نواب میر جعفر تک کو بھی ہوا نہیں لگنے دی۔

میرن نے بخر خاں کی قیادت میں ایک سو فوجی تیز رفتار بجرے میں سوار کروا کر ڈھاکہ بھیج دیئے۔ ڈھاکہ کے نائب ناظم جسرت خاں کیلئے حکم تھا کہ وہ بخر خاں کے ساتھ گھسیٹی بیگم اور امینہ بیگم کو فوراً مرشد آباد بھجوا دیں۔ بخر خاں اپنے فوجیوں کے ساتھ ڈھاکہ پہنچا۔ اُس نے ڈھاکہ کے نائب ناظم کو نواب کا حکم نامہ دکھایا۔ ڈھاکہ کا نائب ناظم جسرت خاں اس حکم نامہ کا مطلب اچھی طرح سمجھتا تھا۔ ڈھاکہ سے دونوں بیگموں کی واپسی کے راستے میں بجرا ڈوب جانے کا ڈرامہ کر کے انھیں مار ڈالنے کی سازش کی تہہ میں پہنچنے میں اُسے دیر نہیں لگی۔ لیکن وہ بے بس تھا۔ حکم نامہ پر میر جعفر کی مہر لگی ہوئی تھی۔ مجبور ہو کر ڈھاکہ کے نائب ناظم جسرت خاں نے گھسیٹی بیگم اور امینہ بیگم کو بخر خاں کے حوالے کر کے بھیگی پلکوں سے انھیں رخصت کر دیا۔

بجرا پدما ندی میں تیز رفتاری سے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ امینہ بیگم قرآن شریف پڑھ رہی تھی۔ گھسیٹی بیگم خاموشی سے پدما کی لہروں کی اٹکھیلیاں دیکھ رہی تھی۔ تبھی ساتھ چل رہے ایک دوسرے بجرے سے اپنے آدمیوں سمیت بیگموں کے بجرے پر بخر خاں نے آ کر کہا۔ ''حضور، شہزادہ میرن کا حکم ہے کہ آپ دونوں بیگموں کو پدما ندی میں ڈبو کر مار ڈالا جائے۔''

گھسیٹی بیگم کو اب موت کا ڈر نہیں رہ گیا تھا۔ وہ اس دن کا انتظار ہی کر رہی تھی۔ اُس نے پرسکون آواز میں کہا۔ ''ہمارا جرم کیا ہے؟''

''حضور، ہم نوکر ہیں۔ حکم بجا لانا ہمارا کام ہے۔ شہزادہ میرن کو میں نے کہتے سنا ہے کہ آئندہ کی سازشوں سے بنگال کے تخت کو بچانے کیلئے آپ لوگوں کو ختم کرنا نہایت ضروری ہے۔''

بخر خاں نے جواب دے کر یا اعتماد فوجیوں کو اشارہ کیا۔ وہ پہلے سے رکھے وزنی پتھروں کو الگ پٹرے کے نیچے سے نکال رہے تھے، اُن کے ساتھ رسیاں بھی تھیں۔ ہر ایک پتھر کو الگ الگ رسیوں سے باندھ دیا گیا۔ اُسی لمحے گھسیٹی بیگم نے اپنی چھوٹی بہن امینہ بیگم کے قریب پہنچ کر اُسے پہلی بار محبت سے دیکھا۔ گھسیٹی بیگم نے امینہ بیگم سے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن گلا رندھ گیا تھا۔

جب امینہ بیگم کے پیروں میں پتھروں سے بندھی رسی کا دوسرا سرا باندھا جانے لگا تو گھسیٹی بیگم نے امینہ کے سامنے رکھا پاک اور مقدس قرآن شریف چھو کر کہا۔ "خدا گواہ ہے۔ ہم نے میرن کا کوئی نقصان نہیں کیا۔ اگر دنیا میں خدا کا وجود ہے تو اس ظلم کی وجہ سے میرن کی موت بجلی گرنے سے ہو۔"

بخر خاں کے آدمیوں نے امینہ بیگم کے پیر اور گلے میں رسیاں باندھ دیں۔ امینہ بیگم خاموش آسمان تک رہی تھی۔ تبھی بخر خاں نے اشارہ کیا اور اُس کے آدمیوں نے امینہ بیگم سمیت پتھروں کو پدماندی میں اُچھال دیا۔ چھپاک کی آواز اور ہلچل ہوئی پھر دوسرے ہی لمحے سب کچھ پرسکون ہو گیا۔

گھسیٹی بیگم کے بھی پیروں اور گلے میں رسیاں باندھی گئیں اور جب اُسے اٹھا کر پدماندی میں پھینکا جانے لگا تو اُس نے مزاحمت کر کے بجرے کے کنارے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ گھسیٹی بیگم کے چھاتیوں تک کا حصہ پانی کے اندر تھا اور بجرے کے کناروں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر وہ موت سے جدوجہد کرنے لگی۔ تبھی بخر خاں نے اپنی کمر سے تلوار نکال کر گھسیٹی بیگم کے دونوں ہاتھوں پر وار کیا۔ دونوں ہاتھ کٹ کر بجرے میں آ گرے۔ ایک دردناک چیخ کے ساتھ گھسیٹی بیگم کا جسم پدماندی کی اتھاہ نہرائیوں میں سما گیا۔

3 / جولائی 1760ء ایک جنگ کے دوران نصف رات کو اپنے تنبو میں سویا شہزادہ میرن کی اچانک موت ہو گئی۔ اُسے شاہی محل میں ہی دفنا دیا گیا۔ کیا شہزادہ میرن کی غیر قدرتی موت ایک اتفاق تھی یا گھسیٹی بیگم کی دعا خدا نے سن لی تھی؟ آپ جو بھی سمجھیں۔ لیکن یہ سچ ہے کہ بجلی گرنے سے شہزادہ میرن کا سرشق ہو گیا تھا اور اس کی موت واقع ہو گئی تھی۔

حرم سرا کی سازش

یہ ۱۷۳۲ء کی بات ہے، دہلی پر مغل بادشاہ محمد شاہ رنگیلے کی حکومت تھی، دہلی کے مشرق کی سمت ۱۰۰ ر میل کے فاصلے پر واقع گڑھ مکتیشر اپنے سالانہ میلے کیلئے ملک وغیر ممالک میں مشہور تھا، اُس وقت میلے میں کافی رونق تھی، خود مغل بادشاہ ۳۰ رسالہ محمد شاہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ میلہ دیکھنے آیا تھا۔ مغل بادشاہ واُس کے امیر واُمرا، بیگمات اور کنیزوں کی موجودگی کے سبب میلے میں خرید وفروخت کے امکانات زیادہ بڑھ گئے تھے، لہٰذا تاجر طبقہ اپنے عمدہ مال کے ساتھ میلے میں شریک ہوا تھا۔ عرب ومصر کے تاجروں کے ساتھ یورپی ممالک کے تاجر بھی میلے میں آئے ہوئے تھے۔

میلے کے وسیع میدان میں جگہ جگہ رنگ برنگے خیمے گڑے ہوئے تھے۔ سونے چاندی، ہیرے جواہرات جڑے زیور، ململ کے کپڑے، پرندے، جانور، یہ تو ہر میلے میں پائے جاتے ہیں، لیکن اس میلے کی خاصیت یہ تھی کہ یہاں خوبصورت عورتوں، حسین لڑکیوں کی خرید وفروخت بھی ہوتی تھی، بادشاہ کے حرم کیلئے کنیزیں، باندیاں تو خریدی ہی جاتی تھیں۔ امیروں کا گروہ بھی حسین چہروں کی تلاش میں رہتا تھا۔ ہر ایک شخص جس کی جیب بھری رہتی، وہ خوبصورت عورت کی تلاش میں رہتا، کسی کو اپنی ہوس مٹانے کیلئے تو کسی کو اپنا رتبہ بڑھانے کیلئے عورت چاہئے ہوتی تھی۔

میلے کے داخلی دروازے پر ایک وسیع دیدہ زیب دروازہ بنایا گیا تھا، وہیں پر مغل دربار کے تورانی، ایرانی امیروں کا گروپ بے صبری سے کسی کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ تبھی توپوں کی سلامی داغی جانے لگی۔ مغل سپاہی پوری مستعدی سے کھڑے ہو گئے۔ پُر لطف جشن میں مصروف میلے میں شامل لوگ بھی ہوشیار ہو گئے۔ توپوں کی گرج کے ذریعے مغل بادشاہ محمد شاہ کی آمد کی اطلاع دی جارہی تھی، تورانی، ایرانی امیروں کا قافلہ کچھ اور آگے بڑھ آیا۔

ایک بڑے سے سجے ہوئے ہاتھی کے آگے کچھ مسلح فوجیوں نے پہلے داخلی محل نما

دروازے میں قدم رکھے، مزّین ہاتھی پر مغل بادشاہ محمد شاہ بیٹھا ہوا تھا، اس کے بائیں جانب اس کے دل کی مالک حسینہ کوکی جی بیٹھی ہوئی تھی۔ بادشاہ کے ہاتھی کے عقب میں ایک دوسرے ہاتھی پر وزیر قمرالدین بیٹھا تھا۔ کچھ اور ہاتھیوں پر بادشاہ کی دیگر بیگمات اور کنبے کے افراد تھے۔ ہاتھیوں کے قافلے کے پیچھے مسلح گھوڑے سوار فوجیوں کا دستہ تھا۔

تورانی، ایرانی امیر فوجی و میلے میں موجود عورت و مرد جھک جھک کر بادشاہ کو کورنش بجا رہے تھے، بادشاہ سر ہلا کر ان کے سلام قبول کر رہا تھا۔

میلے کے وسط میں ہی بادشاہ کیلئے وسیع خیمہ نصب کرایا گیا تھا، یہ شاہی جلوس وہیں جا کر رک گیا۔ بادشاہ نے ہاتھی سے اُتر کر خیمہ میں قدم رکھا۔ اُس کے پیچھے پیچھے کوکی جی اور وزیر قمرالدین تھے۔ اُمراء کا گروپ اُن کی تقلید کر رہا تھا۔

بادشاہ خیمے میں ایستادہ ایک بلند تخت پر بیٹھ گیا، اُس کے قریب ہی ایک گدی پر کوکی جی بیٹھ گئی۔ بادشاہ کی اجازت پا کر وزیر اور تورانی، ایرانی امیر بھی اپنے اپنے مقام پر بیٹھ گئے۔

بادشاہ کے تئیں عزت و تکریم ظاہر کرنے کیلئے نذرانے دینے کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے بادشاہ کی ہردلعزیز کوکی جی نے ہاتھی دانت کا بنا ہوا ایک خوبصورت بے لباس عورت کا مجسمہ پیش کیا، بادشاہ نے مسکراتے ہوئے اُسے قبول کیا۔ اُس کے بعد وزیر قمرالدین کی باری آ گئی۔ اُس نے بادشاہ کو تُرکستان کی ایک بے انتہا حسین رقاصہ کا تحفہ دیا۔ بادشاہ نے رقاصہ کی طرف دیکھا، پھر دل ہی دل میں اُس کا کوکی جی سے موازنہ کیا تو اُس کا دل بُجھ گیا۔ اُس نے پھیکے دل سے ہی وہ تحفہ قبول کیا۔

مغل دربار میں اُس وقت تورانی امیروں کو امتیاز حاصل تھا، اس لیے پہلے تورانی امیر ایک ایک کر کے تحفہ پیش کرنے لگے۔ تورانی اُمراء کے بعد ایرانی امیروں نے تحائف میں عورتیں اور مختلف چیزیں نذر کیں، بادشاہ سر ہلا ہلا کر انہیں قبول کرتا جا رہا تھا۔ اس کے بعد مصر، عرب، اسپین، پرُتگال و برطانیہ کے تاجروں نے، پھر ملکی تاجران نے باری باری سے بادشاہ کو تحائف پیش کیے۔ انھوں نے حسین عورتیں، حبشی غلام اور کنیزیں پیش کیں، لیکن بادشاہ کسی پر بھی نہیں ریجھا۔

حرم سے . . یہ، کنیزوں اور باندیوں کا قافلہ تحائف کو لیکر واپس چلا گیا۔

تحائف دینے کا سلسلہ اختتام پذیر ہونے والا تھا کہ اسی وقت ایرانی امیروں میں با اثر امیر خاں نے بادشاہ محمد شاہ کے حضور میں آ کر اُسے کورنش بجائی اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ اگرچہ وہ

وزیر کے برابر کسی عہدے پر فائز نہیں تھا، پھر بھی ایرانی امیروں پر اُس کے اثر کی وجہ سے بادشاہ اُس سے دبتا تھا، بادشاہ نے سوالیہ نگاہوں سے امیر خاں کی طرف دیکھا تو امیر خاں نے سر جھکا کر کہا...... ''جہاں پناہ! میری بیٹی خدیجہ خانم بادشاہ سلامت کے قدموں میں اپنی جانب سے ایک تحفہ پیش کرنا چاہتی ہے۔''

وزیر قمر الدین اور حسین کوکی جی نے ٹیڑھی نگاہوں سے امیر خاں کی جانب دیکھا۔ وزیر جانتا تھا کہ تحائف کی اس دوڑ میں بادشاہ کو صرف حسین اور خوبصورت عورتیں ہی پسند ہیں، ایک اعلیٰ تورانی حسین رقاصہ اُس نے بادشاہ کو تحفے میں دی ہے۔ تورانی حسن کو ماند کر کے کوئی حسینہ حاضر کرنے کی صلاحیت امیر خاں اور اُس کے ایرانی اُمراء میں نہیں ہے۔ اس لیے بے فکر ہو کر وزیر مسکرا دیا۔

کوکی جی نے پہلے اپنی ہوشیار نگاہ سے بادشاہ کو اعلیٰ ترین حُسن کو نا قبول کرتے دیکھا تھا۔ ایک لمحے کیلئے اُسے اپنے حُسن وشباب پر فخر ہوا، لیکن امیر خاں اپنی دختر کے ذریعہ کوئی ایرانی حسینہ ہی پیش کرتا ہے تو وہ کوکی جی تو کیا، تورانی حُسن کے سامنے کہیں نہیں ٹھہر پائے گا۔ یہ سوچ کر کوکی جی نے مسکرا کر بادشاہ کی جانب غرور سے دیکھا۔ وزیر اور کوکی جی پر باری باری سے نگاہ ڈالتے ہوئے بادشاہ نے حکم دیا۔

''پیش کیا جائے۔!''

امیر خاں نے کچھ فاصلے پر کھڑے اپنے خادم کو اشارہ کیا۔ اُسی لمحے بنی سنوری خدیجہ خانم نے ایک نقاب پوش حسینہ کے ساتھ دربار میں قدم رکھا۔ بادشاہ کے سامنے حاضر ہو کر خدیجہ خانم نے کورنش بجائی، بادشاہ نے مسکرا کر اُس کا جواب دیا۔

بادشاہ محمد شاہ، کوکی جی، وزیر قمر الدین، تورانی، ایرانی اُمراء اور موجود تمام درباریوں کی نظریں اس نقاب پوش عورت پر مرکوز تھیں۔ سبھی بے صبری سے اُس کے رخ سے نقاب ہٹنے کا انتظار کرنے لگے۔

بادشاہ محمد شاہ نے اشارہ کیا۔

خدیجہ خانم نے اپنے باپ امیر خاں کی طرف دیکھا اور اُس کے چہرے پر نمودار ہونے والے تبسم کو اجازت کا اشارہ مان کر اُس نے دھیرے دھیرے نقاب پوش حسینہ کا نقاب اُلٹ دیا۔ لمحے بھر میں جیسے بجلی کوند گئی ہو! ایسا بے مثال اور لافانی حُسن بھی زمین پر ہوگا، اس کا تصور

بھی کسی نے نہیں کیا تھا۔ بڑی بڑی جھیل سی آنکھیں، جس میں ایک بار نگاہ ڈالنے پر صرف اس کی گہرائیوں میں پھسل کر گرتے ہی چلے جانا تھا، مکمل شباب، جس میں آگ کی تپش تھی، ایسی تپش جو مُردے کو بھی دوبارہ زندہ کردے۔ خوبصورت، سخت اُبھری ہوئی چھاتیاں، سیاہ ناگن سی بل کھاتی، لہراتی اور تمام جسم سے نکل رہی ایک مدہوش کن کشش، جو جمے ہوئے خون کو بھی پگھلا کر شوخ اور رواں کردے!

تورانی امیروں کے چہروں پر مُردنی چھائی ہوئی تھی۔ ایرانی اُمراء اپنی خوشی کو چھپا نہیں پارہے تھے۔ بادشاہ محمد شاہ سحر زدہ سا اُس حُسن میں ڈوبا ہوا تھا۔ وزیر قمرالدین کی آنکھیں بجھی بجھی سی تھیں۔ کوکی جی بے چین ہوکر کبھی بادشاہ کو، تو کبھی اس بے پناہ حسین لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔

بادشاہ محمد شاہ نے ہاتھ سے اشارہ کرکے اُس سنگ مرمریں حُسن کی ملکہ کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھی۔ کوکی جی کی آنکھوں میں آگ سی دہک اٹھی۔ بادشاہ محمد شاہ نے ایک بار کوکی جی کی طرف دیکھا اور پھر اُسے نظر انداز کرکے سامنے کھڑی اُس مدہوش کن حُسن کے مجسمے سے پوچھا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"اُدھم بائی! حضور۔"

بادشاہ محمد شاہ اپنے تخت سے اٹھا، وزیر قمرالدین کا حلق خشک ہوگیا۔ کوکی جی بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ بادشاہ اُس کی پرواہ نہ کرکے دھیرے دھیرے اُس حسینہ کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اُس نے امیر خاں کی طرف تعریفی نظروں سے دیکھا، امیر خاں نے سر جھکا کر ادب سے سلام کیا۔ ایرانی امیروں کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ بادشاہ محمد شاہ، شاہی خیمے میں ہی واقع حرم کی جانب بڑھا۔ پیچھے پیچھے اُدھم بائی نے بھی متوالی چال سے اُس کی تقلید کی۔

x—x—x

اس واقعہ سے چند ہفتے قبل امیر خاں دہلی کی سڑکوں پر گھوڑے پر سوار فکر مند سا دھیرے دھیرے جارہا تھا۔ اچھے تعلقات کے باوجود وہ دہلی دربار میں ابھی تک وزیر بننے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ دہلی دربار میں تُورانی اور ایرانی امیروں کے گروپ تھے۔ جس گروپ کا پلڑا بھاری ہوتا تھا، وزیر بھی اُسی گروپ کا ہوتا تھا، اُس کی چالاکی، حاضر جوابی، خدمت گذاری، کسی بھی اوصاف نے اُس کی دلی مراد اور اُمید کو پورا نہیں کیا تھا۔

عظیم مغلوں کے وارث اب قابلیت اور اوصاف پر فدا نہیں ہوتے تھے، دہلی دربار اب مغل حرم کے کنٹرول میں تھا۔ بادشاہ کی چہیتی حرم کی ملکہ کے اشارے پر بادشاہ ناچتا تھا، مغل دربار کے امیر، وزیر ناچتے تھے۔

ابھی حرم پر کوکی جی کا کنٹرول تھا، جب تک کوکی جی ہے۔ تب تک قمرالدین وزیر ہے اور جب تک قمرالدین وزیر ہے، تب تک دربار میں تُورانی امیروں کا بول بالا رہے گا۔

اُس کے دوست اسحاق خاں نے ادھر کسی ایک رقاصہ کا سودا کیا تھا۔ اسحاق خاں نے اُس کے حُسن اور اوصاف کی شاعرانہ انداز میں تعریف کی تھی۔ اسحاق خاں اُس کا دوست تھا اور اُسی نے اس کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا تھا۔ اسحاق خاں کا باپ ایران کا باشندہ تھا۔ بادشاہ محمد شاہ نے اسحاق خاں کی شخصیت سے متاثر ہو کر اُسے اپنا خواص مقرر کرلیا تھا۔ پہلے تو امیر خاں کو اسحاق خاں کی باتوں پر یقین نہیں آیا تھا، لیکن جب اُس نے اُس رقاصہ کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ حُسنِ جہاں سوز کے ساتھ ساتھ اُس کے چہرے پر خوداعتمادی و عقلمندی بھی ظاہر ہو رہی تھی۔ اُس نے اسحاق خاں سے پوچھا۔

''تم نے اسے کہاں سے حاصل کیا؟''

''گلبرگ کے میلے میں پہلے اسے دیکھا تھا، اتنا قیمتی ہیرا راستے میں بے بضاعت سا کیوں پڑا رہے اس لئے ساتھ لیکر دہلی چلا آیا۔''

''دیکھو اسحاق! بادشاہ کی نظرِ عنایت ابھی قمرالدین و تورانیوں کے ساتھ ہے، اس کا سبب کوکی جی ہیں، بادشاہ کے دل میں اثر انداز ہونے تک ایرانیوں کا کچھ بھی ہونے والا نہیں ہے۔''

''حضور، آپ کی خدمت کر کے مجھے خوشی ہوگی۔''

''خوبصورتی ہی قمرالدین کی مددگار ہے، خوبصورتی ہی ہماری بھی مددگار و معاون ہو سکتی ہے۔ میری بوڑھی آنکھوں نے اگر پہچاننے میں غلطی نہیں کی ہے تو میں کہوں گا کہ یہ عورت آسانی سے کوکی جی کی جگہ لے سکتی ہے۔''

''حضور، آپ اُدھم بائی کا استعمال کر سکتے ہیں۔''

''اسحاق! مصیبت یہ ہے کہ یہ عورت خوبصورت ہی نہیں، عقل مند اور ہوشیار بھی لگتی ہے۔''

''حضور، جتنا میں اسے سمجھ پایا ہوں، اُس پر یقین کیا جا سکتا ہے۔''

''میں بھی یہی سمجھتا ہوں، تم اسے یہیں بلوا لو۔''

اسحاق خاں نے ایک آدمی کو بھیج کر اُدھم بائی کو وہیں بلوا لیا۔

اُدھم بائی نے کمرے میں داخل ہو کر باری باری سے امیر خاں و اسحاق خاں کو سلام کیا۔

امیر خاں نے اُسے پاس ہی بیٹھنے کا اشارہ کیا، اور پھر اُس پر نگاہیں جما کر اپنی بات کہی۔

''حسینہ! خوبصورتی خرید و فروخت کا ذریعہ ہے، تمہارے پاس جوانی سے لبریز حُسن ہے، اس لئے مجھے تمہاری خود کی ضرورت ہے۔''

''مجھے کرنا کیا ہوگا؟''

''تمہیں بادشاہ کے دل کو جیتنا ہوگا!''

''مجھے اس کی قیمت کیا ملے گی......؟'' چالاک اُدھم بائی نے اپنی نظریں امیر خاں پر مرکوز کر دیں۔

''جو تم خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی ہو۔''

''سچ!''

''بے شک! جو کوئی جی نہیں پا سکیں، وہ تمہیں ملے گا۔''

''کیا؟''

''تم مغل شہزادی بنو گی۔''

امیر خاں اُدھم بائی کے چہرے کو جانچ رہا تھا، لیکن اُس عورت نے اپنے چہرے کو جذبات سے عاری رکھا، الٹا اُس نے سوال کیا۔ ''عوض میں آپ کو کیا چاہئے؟''

''دربار میں ایرانی امیروں کا رسوخ، اس کیلئے وزارت کا عہدہ میرا!''

امیر خاں اٹھ کھڑا ہوا، اسحاق خاں اور ادھم بائی بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''حسینہ! میں ایک بہت بڑا داؤ کھیلنے جا رہا ہوں!''

''آپ مجھ پر یقین کر سکتے ہیں جناب!''

امیر خاں نے اُدھم بائی کو فخر سے دیکھا اور پھر رخصت ہو کر چلا گیا۔

امیر خاں کا گھوڑا بے مقصد دہلی کی سڑکوں پر دوڑتا رہا۔ اُسے اب اپنے منصوبے کی کامیابی پر کوئی شک نہیں رہا تھا، مگر پھر بھی وہ رہ رہ کر بے چین ہوا اٹھتا تھا۔ کیا وہ سچ مچ اُدھم بائی پر یقین کرے...... مگر اور چارہ بھی کیا تھا؟

جب امیر خاں بہت رات گئے اپنے محل میں پہنچا تو اُس نے اپنے منصوبے پر گڑھ مکتیشر کے میلے میں عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا اُس کے چہرے پر اب سکون تھا۔ نرم بستر پر گرتے ہی وہ خراٹے لینے لگا تھا۔

-x-x-

کوکی جی بے پناہ حُسن و شباب کی مالکہ تھی۔ وہ بادشاہ محمد شاہ کے حرم میں چہیتی بیگم تھی اور بادشاہ کی کمزوری بھی۔ کوکی جی جو بھی چاہتی تھی، بادشاہ اُسے حکم نامے کے طور پر قبول کرتا تھا۔ آج وہی کوکی جی اپنے خیمے میں ناگن کی مانند پھنکار مار رہی تھی، خیمے میں اُس کے سامنے وزیر قمرالدین سر نیچا کیے فکر مند سا کچھ سوچ رہا تھا۔ کوکی جی کے دو با اعتماد اور خصوصی مددگار روشن الدولہ اور شاہ عبدالغفور اُس کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔

''بادشاہ نے مجھے نظر انداز کر کے میری ہتک کی ہے، اُسے سبق ملنا ہی چاہئے۔''؟ کوکی جی غصّے سے پھنکاری۔

''اس سے تو تورانیوں کا دربار میں رسوخ ہی ختم ہو جائے گا۔''؟

''تو پھر؟''

''اُدھم بائی کی جیت سے امیر خاں اور ایرانی امیر ہی فائدے میں رہیں گے۔''

''ہمارے مستقبل کا سوال ہے، کیوں نہ اُدھم بائی کو ہی دُنیا سے کوچ کرا دیا جائے؟''

''کیسے......؟''

''مراٹھوں سے مدد لے کر۔''

''ان کی مدد لی جاسکتی ہے، مگر وہ میرے بھتیجے آصف جاہ کے دشمن ہیں۔''؟

''نہیں! اُن کا سربراہ بلرام جاٹ نوجوان ہے، آگے پیچھے سوچے بغیر کوئی قدم نہیں اُٹھاتا۔''

''تب اُسی کے پاس خبر بھجواؤ، میلے میں لوٹ پاٹ سے جو ملے گا وہ اُس کا ہوگا۔ کام ہونے پر انعام الگ سے۔''

''لیکن اس کے نتائج پر بھی غور کرلیں؟''

''بھاڑ میں جائیں آپ اور اُس کے نتائج۔''

کوکی جی نے اپنے دونوں با اعتماد مددگاروں کی طرف دیکھا، وہ اُس کا مطلب سمجھ کر

سر ہلاتے ہوئے ساتھ ساتھ خیمے سے باہر چلے گئے۔

اور وزیر قمر الدین سوچ رہا تھا کہ دہلی میں ہی ایک ایسا مدہوش کن گرم حُسن موجود تھا جو کہ کوکی جی کی جگہ آسانی سے لے سکتا تھا اور اُسے اس کا علم بھی نہیں تھا۔ کاش وہ اُدھم بائی سے پہلے ملا ہوتا!؟

اُدھم بائی بادشاہ کا دل جیت چکی تھی، لیکن تھی تو وہ ایک طوائف ہی۔ وزیر قمر الدین طوائف کے کردار سے بخوبی واقف تھا۔ جہاں مطلب ہے وہاں اُس کا دل ہے، اگر وزیر قمر الدین سے اس کی غرض پوری ہو جائے تو اس میں اُسے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ کوکی جی ایک مہرا تھی، اُدھم بائی بھی ایک مہرا ہے۔ اب یہ مہرا اُس کے قبضے میں رہنا چاہئے۔

وزیر قمر الدین نے کوکی جی سے جانے کی اجازت طلب کی اور جاتے جاتے کہا۔ ''مجھے کچھ سوچنے کا موقع دیں!''

کوکی جی نے اُمڈتے ہوئے آنسوؤں کو بمشکل تمام روکا۔ وزیر کو جاتا دیکھ کر اُس کے چہرے کے تاثرات بھی سنگین ہوتے چلے گئے۔ وہ دل ہی دل میں بُدبُدائی۔

''بغیر جدوجہد کئے میں اپنی جگہ نہیں چھوڑوں گی!''

-x-x-

وزیر قمر الدین کو مغل حرم میں جانے کی آزادی بادشاہ محمد شاہ نے دے رکھی تھی۔ وہ اکثر کوکی جی سے ملنے مغل حرم جایا کرتا تھا۔ بادشاہ کی شادی شدہ بیگمات ملکہ زمانی اور صاحبہ محل سے بھی وہ ملاقات کرتا رہتا تھا، اس لئے اُدھم بائی سے خیمے کی اُس کی آرام گاہ میں ملنے میں اُسے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اُدھم بائی نے قیمتی پوشاک پہن رکھی تھی۔ بیش قیمتی ہیرے۔ جواہر کے زیورات سے وہ بجی سنوری ہوئی تھی۔ وزیر قمر الدین نے اُدھم بائی کو کورنش بجا کر تعظیم کی۔ اُدھم بائی کی آنکھوں میں حیرت تھی، اس عزت و تکریم سے وہ پھولی نہ سمائی۔ کنیز نے اُسے کچھ دیر قبل خبر دی تھی کہ وزیر قمر الدین اُس سے خفیہ طور سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ مغل حرم کی سازشوں کے بارے میں اُس نے سن رکھا تھا۔ عزت اور خوش بختی بچائے رکھنے کیلئے سازش میں ملوث بھی ہونا پڑتا ہے، اس لئے اُس نے وزیر قمر الدین کو اپنے کمرے میں آنے کی اجازت دے دی۔

اُدھم بائی نے ادب سے وزیر کو بٹھایا اور سوالیہ انداز نظروں سے اُسے دیکھنے لگی۔ اس پر وزیر نے بے جھجک ہو کر کہا۔

''بیگم صاحبہ! اپنی غرض کیلئے میں آپ سے آپ کی آرام گاہ میں خفیہ طریقے سے ملنے آیا ہوں۔''

''میں ایک بائی جی ہوں اور آپ مغلیہ حکومت کے حاکم......''

''بیگم صاحبہ! آپ کوکی جی کا مقام حاصل کر چکی ہیں، ہم سب آپ کے حکم کے غلام ہیں۔''

اُدھم بائی اب اپنے چاروں طرف سازشوں کی تپش محسوس کر رہی تھی۔ اُسے اب ایک کامیاب سازشی کا ہی کردار نبھانا تھا۔

اُدھم بائی نے مطلب ظاہر کرنا عقلمندی نہیں سمجھا، اس پر وزیر قمر الدین نے پھر کہا۔

''بیگم صاحبہ! آپ کی خوش بختی قائم رہے۔ یہ دیکھنا میرا فرض ہے۔''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟''

''میرا عہدہ سلامت رہے!''

''اس میں میرا کیا فائدہ؟''

''آپ خوش نصیبی میں کھیلیں گی۔''

مغل حرم کی بیگموں کیلئے یہ معمولی بات ہے۔''

وزیر قمر الدین نے حیران ہوکر اُدھم بائی کی طرف دیکھا، اُسے محسوس ہوا کہ یہ عورت کوکی جی سے زیادہ چالاک اور عیار ہے۔ اُس نے اُدھم بائی پر نگاہ ڈال کر پوچھا۔

''بیگم صاحبہ! کس طرح مطمئن ہونگی''؟

''میں نور جہاں کا رتبہ چاہتی ہوں!''

وزیر قمر الدین چونکا، گھبرا کر اُس نے اُدھم بائی کی طرف دیکھا۔ اُس کے چہرے پر سبک مسکراہٹ تھی۔ اُدھم بائی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''وزیر اعظم! آپ اچھی طرح غور و خوض کر لیں۔''

وزیر قمر الدین بھی اٹھ کھڑا ہوا، اُس نے جواب دیا۔

''آپ کی پیش کش پر میں غور کروں گا......اور......دہلی میں ہی اس کا جواب دوں گا۔''

وہ فکر مند سا واپس لوٹ گیا۔ امیر خاں نے اس عورت کو بادشاہ سلامت کی نذر کیا تھا، اُس نے اُس سے بھی تو کوئی سمجھوتہ کیا ہوگا؟ وزیر اتنا تو سمجھ رہا تھا کہ یہ عورت کوکی جی، امیر خاں و

دوسرے سازشیوں سے زیادہ خطرناک ہے۔ لیکن ابھی بادشاہ سلامت اس کا غلام بنا ہوا ہے۔ حسین اور خوبصورت عورتیں اگر سازشی ہوں اور انہیں من مانی کرنے کا اختیار مل جائے تو ان کے ناگن بننے میں کتنی دیر لگتی ہے؟

-x-x-

آدھی رات کا وقت، گڑھ مکتیشر کے میلے کی ہلچل ختم ہو گئی تھی۔ ہر ایک شخص تھک کر چور اور نیند میں ڈوبا ہوا تھا، شب بیداری میں صرف مغل پہرے دار ہی تھے، لیکن خیمے میں بھی خاموشی طاری تھی۔ خود بادشاہ افیون کے نشے میں اپنی خوابگاہ میں بے سدھ پڑا ہوا تھا۔
صرف ایرانی خیمے میں تھوڑی سی ہلچل تھی۔ بلرام جاٹ کے ممکنہ حملے کی انہیں خبر تھی اور وہ خاموشی سے ان کا انتظار کر رہے تھے۔
تبھی لاتعداد گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں۔ ایرانی فوجی اپنی اپنی تلواریں نیام سے باہر نکالتے، اس سے پہلے ہی جاٹوں نے اپنے سربراہ بلرام جاٹ کی سرکردگی میں مغل خیمے پر حملہ کر دیا۔
چاروں طرف شور و غل مچ گیا۔ سبھی کو اپنی اپنی جان کی پڑ گئی۔ اُدھم بائی کی بھی آنکھ کھل گئی، اُس نے کچھ سوچ کر بیگم کا لباس اُتار کر ایک کنیز کا لباس پہن لیا، اس کے ساتھ ہی اپنے تمام زیورات کو ایک کپڑوں کی پوٹلی میں باندھا اور اپنے بالوں کو بے ترتیب کر کے چہرا بھی بدرنگ کر لیا۔ پھر زیورات کی پوٹلی لیکر بادشاہ کے خیمے میں حفاظت کیلئے چلی گئی۔
جاٹوں اور ایرانی فوجیوں میں مارکاٹ مچی ہوئی تھی۔ وزیر قمرالدین اب کوکی جی کے ذریعہ جاٹوں کی مدد سے اُدھم بائی کا اغوا کرانے کی سازش سے دل ہی دل میں خلاف تھا۔ ایرانی فوجیوں۔ امیروں کو جاٹوں سے لوہا لیتے دیکھ کر اُس نے تورانی فوجیوں اور امیروں کو بھی جاٹوں سے جنگ کرنے کا حکم دے دیا۔
لیکن جاٹ طوفان کی مانند آئے تھے۔ وہ ایرانی، تورانی فوجیوں کا مقابلہ کر کے مغل خیمے کے حرم میں داخل ہو گئے۔ جاٹوں نے اُدھم بائی کیلئے الگ سے بنے ایک خیمے کو آگ لگا دی اور وہیں خوف سے کھڑی ایک خوبصورت کنیز کو اُدھم بائی سمجھ کر زبردستی گھوڑے پر بٹھا کر واپس لوٹ گئے۔

امیر خاں سب سے پہلے اُدھم بائی کے خیمے میں پہنچا تھا۔ خیمہ کو خاک میں ملا دیکھ کر اُس نے اُدھم بائی کے انجام کا اندازہ لگا لیا۔ کچھ دیر بعد وزیر قمرالدین بھی وہاں پہنچا، اُدھم بائی کے اغوا

پر وہ بھی افسوس ظاہر کرنے لگا۔

اُدھر کوکی جی اپنے خیمے میں بیٹھی اپنی کامیابی پر دھیرے دھیرے مسکرا کر مسرور ہو رہی تھی۔

کچھ دیر بعد جب سب واپس لوٹ گئے۔تب برقع میں چھپی ہوئی ایک عورت بادشاہ محمد شاہ کے ذاتی خیمے کے ایک پردے کے پیچھے سے باہر نکلی۔اس نے اپنا نقاب اُلٹا تو بادشاہ اُسے دیکھ کر چونک پڑا۔

''اُدھم بائی! تم......؟''

''حضور آہستہ بولئے۔''

اُدھم بائی بادشاہ کے قریب پہنچی تو محمد شاہ نے اسے اپنی آغوش میں لیکر کہا۔

''سبھی یہ سمجھ رہے ہیں کہ بلرام جاٹ تمہیں اغوا کر کے لے گیا ہے۔''

حضور! یہ تو اور بھی اچھا ہوا، اب انہیں اندھیرے میں ہی رہنے دیں۔''

محمد شاہ اُدھم بائی کا مقصد نہیں سمجھ سکا اور سوالیہ نظروں سے اُدھم بائی کی جانب تکنے لگا، اُدھم بائی نے مسکرا کر کہا۔

''آج سے اُدھم بائی مر چکی ہے، میرا کوئی دوسرا نام تجویز کر دیجئے۔''

''بیجو بیگم کیسا رہے گا؟''

''بہت بہتر!''

''تم نے کافی ہوشیاری دکھائی ہے۔''

''ہاں حضور! اپنے انداز واطوار اور بات چیت سے یہ کبھی نہ ظاہر ہونے دیں کہ اُدھم بائی زندہ ہے، مجھے آپ کو چھپا کر رکھنا ہوگا، تبھی میں کوکی جی کی سازشوں سے محفوظ رہ سکتی ہوں۔''

''کوکی جی؟''

''جی حضور! اُنہوں نے ہی تو جاٹوں کی مدد لیکر آپ کا قتل اور مجھے اغوا کروانا چاہا تھا۔''

''امیر خاں بھی کچھ ایسا ہی کہہ رہا تھا، میں کوکی جی کو سخت سے سخت سزا دوں گا۔تم میرے ساتھ دہلی چلوگی، تمہارے وجود کی اب کسی کو بھنک بھی نہیں ملے گی۔''

اُسی دن بادشاہ محمد شاہ گڑھ مکیتشر سے واپس دہلی لوٹ آیا۔

--x--x--

دہلی میں خاص دربار کا اہتمام کیا گیا۔ ایرانیوں کو بھی بہت مدت کے بعد دربار میں موجود رہنے کا حکم ملا تھا، اس سے جہاں ایرانی امیر بہت خوش تھے، وہیں تورانی امیر شک وشبہ میں مبتلا۔

امیر خاں نے اسحاق خاں سے کہا۔ ''جاٹ اُدھم بائی کو اٹھا لے گئے، شاید اُس کا قتل بھی کر دیا گیا ہوگا؟''

''اُدھم بائی کے نہ رہنے سے ہمارا نقصان ہوا ہے۔'' اسحاق خاں نے مایوسی کا اظہار کیا۔

''میں نے بادشاہ کو جاٹوں کے حملے سے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا، لگتا ہے، ہم بادشاہ کی نیک نظر میں آ گئے ہیں۔'' امیر خاں بولا۔

''بادشاہ ہم سے مطمئن ہیں، قمرالدین کی سازشوں کا پردافاش ہوا ہے۔'' اسحاق خاں نے پُرمسرت لہجے میں جواب دیا۔

-x-x-

اُدھر وزیر قمرالدین دل ہی دل میں فکر مند تھا، بادشاہ کے ذریعہ اس طرح اچانک ایرانیوں کو دربار میں موجود رہنے کی دعوت دینے سے وہ کچھ بے چین اور مضطرب ہو گیا تھا، کیا سبب ہو سکتا ہے ایرانیوں کی اس خوش نصیبی کے پیچھے؟ اُدھم بائی بھی تو نہیں ہے؟

بجھے دل سے وزیر قمرالدین نے دربار میں قدم رکھا، تب تک سبھی ایرانی، تورانی امیر دربار میں آ چکے تھے۔ اُسی وقت بادشاہ محمد شاہ کی آمد کا نقیب نے اعلان کیا۔ سبھی ایرانی، تورانی امیر اپنی اپنی جگہ سے باادب اٹھ کھڑے ہوئے، بادشاہ محمد شاہ دربار میں داخل ہو کر اپنے تخت پر جلوہ افروز ہو گیا، پھر اُس نے امیروں کی طرف دیکھ کر انہیں بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔

بادشاہ محمد شاہ نے نقیب کی طرف دیکھا تو نقیب نے بادشاہ کی طرف سے اعلان کیا۔

''ہندوستان کے شہنشاہ محمد شاہ نے آج کسی خاص سبب سے اس دربار کا انعقاد کیا ہے۔ بادشاہ سلامت کو معتبر ذرائع سے خبر ملی ہے کہ جاٹوں سے مل کر ان کے ہی لوگوں نے گڑھ مکتیشر کے میلے میں مغل حرم میں لوٹ کروائی ہے۔''

امیر خاں کی آنکھوں میں چمک نمودار ہوگئی اور وزیر قمرالدین شک بھری نظروں سے بادشاہ کی طرف دیکھنے لگا۔

نقیب نے فرمان آگے پڑھنا شروع کیا۔

''بادشاہ سلامت کو اطلاع ملی ہے کہ اس حادثہ کیلئے کوکی جی ذمہ دار ہیں، انھوں نے ہی

بادشاہ سلامت کو قتل کروانے کیلئے جاٹوں سے مل کر سازش کی تھی۔''

امیر خاں، وزیر قمر الدین کا نام سازشیوں میں نہیں لئے جانے پر مایوس ہوا وزیر قمر الدین نے اس خوش قسمتی کیلئے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

امیر خاں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر بادشاہ کو جھک کر سلام کیا اور بولا۔

''بادشاہ سلامت کے اس فیصلے کی ہم تائید کرتے ہیں۔ کوکی جی کو اس گھناؤنے کام کیلئے موت کی سزا ملنی چاہیے۔''

وزیر قمر الدین کا چہرا سفید پڑ گیا۔ تمام ایرانی اُمراء اٹھ کر امیر خاں کی تائید کرنے لگے۔ بادشاہ کا منشا سمجھ کر وزیر قمر الدین اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

''بادشاہ سلامت کی جان لینے کی سازش ایک سنگین جُرم ہے۔ میں بھی امیر خاں کی تجویز کی تائید کرتا ہوں۔''

امیر خاں نے اٹھ کر گڑھ مکتیشر کے حادثہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

''بادشاہ سلامت! میں سمجھتا ہوں کہ اس سازش میں کوکی جی کے ساتھ کچھ دیگر اہم لوگ بھی شامل ہیں۔''

وزیر قمر الدین کا چہرا بجھ سا گیا۔ بادشاہ نے امیر خاں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تو امیر خاں بیٹھ گیا۔

بادشاہ محمد شاہ نے ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر اُسے نقیب کی جانب بڑھا دیا۔

دربار میں سناٹا چھا گیا۔

نقیب اپنی سنجیدہ لیکن بلند آواز میں بادشاہ کے فیصلے کو پڑھنے لگا۔

''بادشاہ سلامت گڑھ مکتیشر کے میلے میں جاٹوں کے حملے پر کوکی جی کے سوا اور کسی دوسرے پر شک نہیں کر رہے ہیں، اس لئے کوکی جی کو مغل حرم سرا کے تاریک زنداں خانے میں تاعمر قید کی زندگی کاٹنے کی سزا سناتے ہیں۔''

تُورانی، ایرانی امیروں نے اٹھ کر بادشاہ سلامت محمد شاہ کے فیصلے پر خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد بادشاہ محمد شاہ ہاتھ کے اشارے سے دربار خاص کو برخاست کر کے حرم میں چلا گیا۔

-x-x-

مغل حرم کے ایک محل میں اُدھم بائی ایک آراستہ کمرے میں بے صبری سے بادشاہ کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ کوکی جی کے بارے میں دربار میں ہوئے فیصلے کو جاننے کیلئے وہ کافی بے قرار تھی۔ رات کا پہلا پہر ختم نہیں ہوا تھا کہ بادشاہ محمد شاہ اُس کے کمرے میں پہنچا۔ وہ بادشاہ کے استقبال کیلئے آگے بڑھی کہ بادشاہ نے اُسے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر کہا۔

''آج کوکی جی کو اُس کے کئے کی سزا مل گئی، اُسے اپنی باقی ماندہ زندگی مغل حرم کے اندھیرے تہہ خانے میں کاٹنی ہوگی''

اس خبر نے اُدھم بائی کی آنکھوں میں چمک پیدا کر دی۔ اب مغل حرم میں اُس کے کوئی مقابل نہیں تھا۔ بادشاہ تو اُس کے حُسن وشباب کا دیسے ہی دیوانہ تھا، وہ اُسے اپنی انگلیوں پر نچائے گی...... وہ دوسری نور جہاں بنے گی!

بادشاہ کے گلے میں اپنی دونوں باہیں حائل کر کے وہ مدہوش کن لہجے میں بولی۔

''حضور، میرا سب کچھ آپ پر قربان ہے۔''

''بیجو بیگم! تم ہمیں پہلے کیوں نہیں ملیں!''؟ بادشاہ محمد شاہ نے اس کی کمر کے گرد اپنے بازوؤں کا حلقہ کس دیا۔

-x-x-

امیر خاں دربار سے سیدھا اپنے محل پہنچا، اُس نے اپنی بیٹی خدیجہ خانم کو طلب کیا اور اُس کے آتے ہی بولا۔

''گڑھ مکتیشر کے میلے میں اُدھم بائی سے تم اُس کے خیمے میں ملی تھیں؟''

''جی! ابا حضور''

''تم سے اُس سے کوئی بات ہوئی تھی؟''

ابھی ہم سے بات شروع ہی ہوئی تھی کہ کنیز نے بادشاہ سلامت کے آنے کی اطلاع دی، میں ڈر کر دوسرے دروازے سے بھاگ آئی، لیکن آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں۔ ابا جان؟''

''آج بادشاہ سلامت نے ایرانی امیروں کو دربار میں طلب کیا تھا''

''یہ تو خوش خبری ہے!''

''کیسے......؟''

''اگر وہ وزیر اور تورانیوں سے ناخوش نہ ہوتے تو ایرانیوں کو دربار میں کیوں طلب

فرماتے؟"

"تم سمجھتی ہو کہ بادشاہ وزیر سے ناخوش ہے!"

"وہ خوش بھی نہیں ہیں، نہیں تو وزیر کیا آپ لوگوں کو دربار میں جانے دیتا۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو، لیکن بادشاہ بے وجہ ہم پر اتنا مہربان کیوں ہو گیا جب کہ کوکی جی حرم کے کسی نہ معلوم تہہ خانے میں نظر بند ہے اور اُدھم بائی کا کوئی اتا پتہ نہیں اُدھم بائی ہوتی تو ہماری مشکلیں آسان ہو جاتیں۔"

"کیا جاٹوں نے اُدھم بائی کو سچ مچ قتل کر دیا ہوگا؟"

"اُدھم بائی ایک چالاک عورت ہے، اگر اُس رات وہ اپنے خیمے میں موجود نہیں رہی ہوگی یا بھیس بدل کر کہیں چھپ گئی ہوگی تو وہ یقیناً ابھی بھی زندہ ہے۔"

"مگر وہ ہے کہاں؟"

"وہ بادشاہ کے ساتھ خفیہ طریقے سے دہلی چلی آئی ہوگی اور مغل حرم میں ہی کہیں ہوگی۔"

"لیکن ابا جان! آپ یقینی طور پر ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

"ایک شخص یقینی طور سے یہ بتا سکتا ہے کہ اُدھم بائی زندہ ہے کہ نہیں؟ جاٹ اُسے اغوا کر کے لے گئے ہیں یا نہیں؟"

"کون ہے وہ......؟"

"کوکی جی......"

"مگر اب اُس سے ملنا ممکن نہیں۔"

"اُن سے بھی ملا جا سکتا ہے۔"

"کیسے؟"

"جاوید خاں کی مدد سے۔"

"جاوید خاں؟"

"دیکھنے میں خوبصورت، تندرست جسم والا، مگر حقیقت میں ہے ایک خوجہ۔" امیر خاں کی آنکھوں میں ایک چمک نمودار ہوئی۔ وہ فوراً کمرے سے باہر آیا، پھر چند لمحوں بعد ایک گھوڑے پر سوار ہو کر ایک جانب روانہ ہو گیا۔

-x-x-

جاوید خاں کو مغل حرم کی ایک کنیز سے امیر خاں کا فوراً ملنے کا پیغام ملا۔ جاوید خاں کے وزیر قمرالدین سے تعلقات اچھے نہیں تھے۔ وہ ویسے بھی تُورانیوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ جاوید خاں دوسرے دن امیر خاں سے ملنے اُس کے محل پہنچا۔

امیر خاں نے اُس کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔

''حضور نے کیسے یاد فرمایا؟''

''جاوید! ہمارا ایک کام ہے، ہم تمہیں منہ مانگا انعام دیں گے۔''

''حضور حکم تو کریں۔''

''حرم میں کوئی اُدھم بائی نام کی عورت ہے؟''

جاوید خاں نے بغیر کسی تاخیر کے جواب دیا۔ ''حضور مغل حرم میں حسیناؤں کا جمگھٹ ہے۔ مجھے ایسی کسی عورت کا علم نہیں۔''

''تم یقینی طور پر کہہ سکتے ہو؟''

''ہاں حضور!''

''بادشاہ ابھی کس بیگم پر مہربان ہے؟''

''کوکی جی کے بعد دوسری تو کوئی دکھائی نہیں دیتی۔''

''تم کہنا چاہتے ہو کہ بادشاہ اب کسی عورت کے ساتھ رات نہیں گزارتے۔''

''حضور، رات گزارنے اور کسی پر مہربان ہونے میں فرق ہے۔''

امیر خاں نے اطمینان کی سانس لی اور کچھ سوچ کر کہا۔ ''تمہیں معلوم ہے، بادشاہ نے کوکی جی کو تاریک زنداں میں باقی زندگی کاٹنے کی سزا دی ہے؟''

''حضور، یہ بات اب بھی جان گئے ہیں۔''

''کوکی جی کہاں رکھی گئی ہیں؟''

''حضور، میں کیسے کہہ سکتا ہوں۔''

''تم حرم کے ایک اہم خوجہ ہو، اتنا سراغ تو لگا ہی سکتے ہو۔''

''حضور، اس میں کچھ وقت لگے لگا۔''

''تمہیں کوکی جی سے ملنا ہے۔''

''کیوں حضور......؟''

''اُن سے مل کر یہ معلوم کرنا ہے کہ گڑھ مکتیشر کے میلے میں اُس رات اُدھم بائی کے ساتھ کیا ہوا؟ کیا جاٹ اُسے اغوا کر کے لے گئے؟ وہ زندہ ہے یا نہیں؟ وہ زندہ ہے تو کہاں ہے؟ کیا وہ مغل حرم میں ہے؟''

''حضور، میں کوشش کروں گا۔''

''کوشش نہیں، یہ کام تمہیں کسی بھی حالت میں کرنا ہے۔'' امیر خاں نے اپنے سامنے رکھی سونے سے بھری ایک بڑی تھیلی جاوید خاں کی طرف اُچھال دی۔ جاوید خاں نے بیٹھے ہی بیٹھے اُسے لپک لیا۔ اُس کے چہرے پر اب خوشی عیاں تھی، اُس نے اٹھ کر امیر خاں کو سلام کر کے کہا۔

''حضور! خدا گواہ ہے، میں پوری کوشش کروں گا۔''

جاوید خاں نے مہروں سے بھری تھیلی کو اپنی کمر میں کھونسا اور امیر خاں سے اجازت لے کر خوشی خوشی واپس لوٹ گیا۔

-x-x-

مغل حرم کے بیگموں کے محل میں رات کو بادشاہ کو چھوڑ کر کوئی بھی مرد ذات اندر نہیں جاسکتا تھا۔ وہاں اسلحہ بردار تاتاری عورتیں پہرا دیا کرتی تھیں، رات کے وقت وہاں خوجہ بھی نہیں جاسکتے تھے، کسی بھی مرد یا خوجہ کو رات کو حرم کی ممنوع جگہوں پر گرفتار کیئے جانے پر بادشاہ کو فوراً مطلع کیا جاتا اور اس کے حکم سے ان کا سر قلم کر دیا جاتا تھا۔

اس مغل حرم کی حفاظت کیلئے تاتاری عورتوں کی ایک پلٹن تھی۔ یہ عورتیں ترکستان و ازبکستان کی ہوتی تھیں۔ جسم سے طاقتور اور اسلحہ چلانے میں ماہر اور قابل اعتماد، اس کے بعد خوجہ تھے جو دن رات حرم کے باہر پہرا دیا کرتے تھے۔ باہر سے حرم اسلحہ بردار مرد فوجیوں سے محفوظ تھا۔ ان پابندیوں کے بعد بھی بیگم اور کنیزوں کے عاشق آجایا کرتے، حرم کی خواتین بھی باہر جاتیں، پہرے پر موجود خوجاؤں و تاتاری عورتوں کی پلٹن کو رشوت دے کر حرم میں داخل ہو جانا اور باہر بحفاظت بھی نکال دیا جانا عام بات تھی، کبھی کبھی بادشاہ کے کانوں میں کوئی واقعہ پکڑے جانے پر پہنچتا تو گرفتار شدہ باہر والے شخص کو بادشاہ کے حکم سے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔

حرم کی سربراہ پہرے دارنی کو جاوید خاں نے مقرر کروایا تھا۔ اس لیے اُسے متاثر کرنا مشکل نہیں تھا۔ حرم کے اندر محل میں داخل ہونے سے قبل جاوید خاں نے ایک برقع پہن لیا تھا۔ وہ کوکی جی کی تلاش میں تھا۔ پہرے دارنیوں کی سربراہ نے کوکی جی کو محل کے جس تہہ خانے میں

رکھا گیا تھا اس کا اشارہ دے دیا۔

جاوید خاں آگے بڑھا مگر کچھ دور جانے پر اسے ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔ سامنے نئے محل میں کسی عورت کا مجسمہ اپنے کمرے کے باہر کھڑا تھا۔ جاوید خاں سہم کر اور آگے بڑھا۔ وہ عورت کا مجسمہ اسے دیکھتے ہی تیز رفتاری سے اس کی طرف آیا۔ جاوید خاں نے اسے قریب آجانے کے بعد اُسے غور سے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا...... مکمل بناؤ سنگھار نے اس لڑکی کے حسن کو دوبالا کر دیا تھا۔ اس کا سیڈول بدن جاوید خاں کو دعوت دیتا ہوا محسوس ہورہا تھا، اُس کی آنکھوں میں سرمہ اور اس کی ناگن جیسی لہراتی سیاہ زلفوں کی چوٹی پشت پر جیسے جھوم رہی تھی اور اُس کے جسم سے عطر گلاب کی مدہوش کن خوشبو آرہی تھی......

"کون ہو تم......"؟

جاوید خاں کی محویت جیسے ٹوٹی، مگر وہ خاموش رہا۔

اس حسینہ نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے پر پڑی نقاب کو اوپر اُلٹ دیا اور عورت کے لباس میں ایک مرد کو دیکھ کر خوف سے بولی...... "تم؟"

"آہستہ بولئے حضور! میں ایک خوجہ ہوں اور جاوید خاں میرا نام ہے۔"

"تم یہاں کیسے آئے؟"

"حرم میں میری آمدورفت پر کوئی پابندی نہیں ہے۔"

"مگر رات کو بادشاہ کو چھوڑ کر کوئی......؟"

"حضور! میں بہت کام کا آدمی ہوں......" جاوید خاں جلدی سے بولا۔

کوئی خوجہ اتنا خوبصورت ہوسکتا ہے، یہ اُس عورت کے تصور سے بھی باہر تھا۔ طاقتور جسم کے ساتھ ساتھ اس میں کشش بھی تھی؟

"جانتے ہو، بادشاہ سلامت میرے کمرے میں محوخواب ہیں؟"

جاوید خاں سچ مچ گھبرا گیا۔ وہ لوٹا اور واپس مڑنا ہی چاہتا تھا کہ اس حسینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے روک لیا...... "میں تمھیں آج اسی وقت قتل کرواسکتی ہوں۔"

"حضور رحم فرمائیں۔"

"رحم! مگر ایک شرط پر؟"

"مجھے منظور ہے۔"

''تم خوجہ ہو تو تمھیں حرم کے تہہ خانے کا بھی علم ہوگا؟''

''ہاں حضور! مجھے تو ایسے تہہ خانوں کا بھی علم ہے جہاں کوئی مہینوں، سالوں رہے مگر کسی کو اس کی بھنک تک نہ ملے۔''

''تم جانتے ہو کوکی جی کس تہہ خانے میں قید ہیں؟''

جاوید خاں نے مشتبہ نظروں سے اس لڑکی کی طرف دیکھا پھر بولا۔ ''حضور! بادشاہ سلامت بیدار ہو جائیں گے۔ مجھے جانے دیں۔''

''انھوں نے آج افیون کچھ زیادہ ہی لے لی ہے۔ صبح سے پہلے ان کے بیدار ہونے کے کوئی آثار نہیں۔''

جاوید خاں کی جان میں جان آگئی۔ اُس نے کہا۔ ''حضور! کوکی جی بادشاہ سلامت کے حکم سے تہہ خانے میں قید کی گئی ہیں۔ میں ان کا پتہ کیسے جان سکتا ہوں۔؟''

حسینہ پُر اسرار انداز میں مسکرائی۔ ''مگر تم نے ابھی کہا ہے کہ تمھیں حرم کے سبھی تہہ خانوں، خفیہ جگہوں کا علم ہے؟'' یہ کہتے کہتے لڑکی جاوید خاں کے اور قریب چلی آئی۔

جاوید خاں اس کی سانسوں کی گرمی اپنے چہرے پر محسوس کرنے لگا اور اس کے جسم میں ایک ہیجان پیدا ہونے لگا اور انہی کمزور لمحات میں وہ بولا۔ ''حضور! میں تسلیم کرتا ہوں۔''

وہ لڑکی اب جاوید خاں سے بالکل لگ کر کھڑی ہوگئی۔ اُس کا اُبھرا ہوا سینہ جاوید خاں کے سینے میں گڑنے لگا تھا۔ جاوید خاں اپنے کو روک نہیں سکا اور اُس نے اس حسینہ کو اپنی آغوش میں لے کر اُس کے ہونٹوں کو چوم لیا۔ مگر فوراً ہی اُس نے اپنی گرفت ڈھیلی بھی کر دی...... وہ صرف ایک خوجہ تھا...... عورت کے جسم کے ناقابل؟

جاوید خاں کو اپنی گرفت میں پاکر اُس لڑکی نے کہا۔ ''تمھیں روز مجھ سے دن میں ملاقات کر کے دربار کی معلومات دینی ہوگی......''؟

''حضور ایسا ہی ہوگا۔''

''اور تمھیں مجھے کوکی جی کے پاس تہہ خانے میں لے جانا ہوگا؟''

''مگر کیوں۔''

''یہ میں تمھیں بعد میں بتاؤں گی۔''

یکایک جاوید خاں چونکا۔ وہ مغل حرم کی ایک حسینہ سے باتیں کر رہا تھا جس کا تعارف

اسے معلوم نہیں تھا، کون ہے یہ لڑکی؟ جس کی خواب گاہ میں بادشاہ رات گزار رہا ہے؟

''گستاخی معاف! کیا حضور کا اسم مبارک جان سکتا ہوں؟'' جاوید خاں نے ہمت کر کے پوچھ لیا۔''

''بیجو بیگم۔''

جاوید خاں کیلئے یہ ایک نیا نام تھا۔ ممکن ہے یہ کوئی پرانی بیگم ہوں۔؟ اُس نے سوچا، آخر حرم میں خوبصورت اور حسین بیگمات و کنیزوں کی کوئی کمی تو نہیں تھی۔ بادشاہ کسی پر بھی مہربان ہو سکتا تھا وہ گم سم سا الٹے قدموں واپس ہو گیا۔

-x-x-

امیر خاں کا پیغام موصول ہوتے ہی جاوید خاں اُس کے محل میں پہنچا۔ امیر خاں نے اُسے دیکھتے ہی پوچھا۔ ''جاوید خاں! کیا خبر لائے ہو؟''

''حضور! بادشاہ سلامت نے کو کی جی کو کسی تہہ خانے میں قید کر رکھا ہے؟''

''مغل حرم کے تمام تہہ خانے خفیہ اور پوشیدہ ہیں۔ تم اس کا جلد سے جلد سراغ لگاؤ۔''

''حضور، میں پوری کوشش کروں گا۔''

''کیا حرم میں کوئی نئی بیگم بھی آئی ہے؟''

''نہیں حضور۔''

''بادشاہ کس کے ساتھ رات بسر کر رہے ہیں؟''

''بیجو بیگم کی خواب گاہ میں۔''

امیر خاں چونکا ''بیجو بیگم! کیا یہ کوئی نئی بیگم ہے؟''

''نہیں تو حضور! پرانی ہے۔''

امیر خاں کا چہرا بجھ گیا...... ''جاوید خاں! دو دن ہو گئے، ابھی تک تم کو کی جی کا سراغ نہیں لگا پائے؟''

''حضور ان کی خبر بہت جلد مل جائیگی۔''

''اُدھم بائی نام کی کوئی بیگم حرم میں نہیں ہے؟''

''حضور میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔''

جاوید خاں کی جان میں جان آئی۔ وہ امیر خاں کو سلام کر کے جانے کیلئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

-x-x-

ادھر وزیر قمرالدین کو جب خبر ملی کہ حرم کا اہم خوجہ جاوید خاں کچھ دنوں سے امیر خاں کے محل میں آ جا رہا ہے تو وہ چونکا؟ جاوید خاں سے امیر خاں کا کیا کام ہوسکتا ہے؟ کیا..... امیر خاں نے خفیہ طور سے کوئی حسینہ مغل حرم میں پہنچا دی ہے؟ یہ سوچتے ہوئے اس نے اپنے ایک بااعتماد شخص کو بھیج کر جاوید خاں کو طلب کیا۔ جاوید خاں کے حاضر ہونے پر وزیر نے اپنی گہری نگاہ اُس کے چہرے پر ڈالی اور بولا۔

''آج کل تم ایرانیوں کے ڈیرے پر اکثر دکھائی دیئے جاتے ہو؟''

''حضور! آپ کے ساتھ غداری خواب میں بھی نہیں ہوسکتی۔''

''پھر امیر خاں کے محل میں تمھاری آمد و رفت کیا معنی رکھتی ہے؟''

''حضور! امیر خاں کسی عورت کا پتہ جاننا چاہتے ہیں۔''

''کون ہے وہ عورت؟''

''اُدھم بائی۔''

''کیا وہ حرم میں ہے؟''

''اس نام کی کوئی عورت مغل حرم میں نہیں ہے۔''

وزیر قمرالدین نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی اور بولا۔ ''آج کل بادشاہ سلامت کس بیگم پر مہربان ہیں؟''

''کوئی بیجو بیگم ہے۔''

''نئی ہے؟''

''نہیں! پرانی ہے۔''

''کوکی جی کس تہہ خانے میں رکھی گئی ہیں؟''

''حضور! مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ اب زندہ نہیں ہیں؟''

''کیا کوکی جی کا قتل کر دیا گیا.....؟'' قمرالدین چونکا۔ ''اُدھم بائی کو جاٹ اٹھا کر لے گئے۔ حرم میں امیر خاں نے کوئی نئی حسینہ نہیں بھیجی۔ پھر بادشاہ ایرانی امیروں پر اتنا مہربان کیوں ہے؟''

''اس بارے میں خادم کیا عرض کر سکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ آج سے تم میرے لیے کام کرو گے۔ تمھارا رتبہ چھ ہزار منصب دار کا ہوگا۔ کل دربار میں اس کا اعلان کر دیا جائے گا۔''

''حضور کی نظر عنایت چاہیے......'' جاوید خاں خوش ہو کر جھک گیا۔

-x-x-

1739ء ایران کے شہنشاہ نادر شاہ درّانی نے ہندوستان پر حملہ کر دیا، ایرانی تورانی خیموں میں تقسیم مغل دربار خوف سے لرز اٹھا۔ افیمون اور حسیناؤں کی گود میں نیم بیدار مغل بادشاہ کی نیند اُچاٹ ہوئی۔ تورانی امیر چاہتے تھے کہ نادر شاہ کو کچھ دے دلا کر رخصت کر دیا جائے جس سے بادشاہت کا وقار قائم رہے۔ جنگ کا خطرہ مول لے کر شکست خوردہ ہونے پر شاہی وقار ختم ہو جاتا۔

ایرانی اُمرا نے اپنی وفاداری ظاہر کرنے کیلئے نادر شاہ کے ساتھ جنگ کرنے کی تجویز پیش کی، مگر بادشاہ محمد شاہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا؟

دوسری طرف حرم سرا میں بیجو بیگم جاوید خاں سے سوال کر رہی تھی۔

''سن رہے ہیں نادر شاہ دہلی کی طرف بڑھا آ رہا ہے؟''

ابھی وہ ایک ماہ کے راستے کے فاصلے پر ہے۔''

''وہ دہلی پر بھی حملہ کرے گا؟''

''کوئی خوف نہیں بیگم صاحبہ! اس حرم میں ایسے خفیہ کمرے بھی ہیں، جہاں سے حملہ آور ہمیں کبھی بھی نہیں ڈھونڈ سکتے۔ وہاں سالوں چھپے رہنے کا مکمل انتظام ہے۔''

''اگر نادر شاہ دہلی فتح کر کے یہیں رہ گیا تب؟''

''تب ہم ایرانی امیروں کے گروہ میں شامل ہو جائیں گے۔''

''آج کل ایرانی اُمرا کا سربراہ کون ہے؟''

''بیگم صاحبہ! آپ اتنا بھی نہیں جانتیں! ان کا نام امیر خان ہے۔''

''تم امیر خاں سے واقف ہو؟''

''کیوں؟'' جاوید خاں ہوشیار ہو گیا۔

بیجو بیگم سمجھ گئی کہ جاوید خاں حرم میں امیر خاں کیلئے کام کر رہا ہے۔ وہ جاوید خاں سے لگ

گئی۔ جاوید خاں کی سانسیں دھونکنی کی مانند چلنے لگیں۔

''تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو؟'' بیجو بیگم نے سوال کیا۔

''نہیں! نہیں! امیر خاں مجھ سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔''

''کونسی معلومات؟''

''ایک بیگم کے بارے میں۔''

''کیا نام ہے اس بیگم کا؟''

''میں اُس سے واقف نہیں، کوئی اُدھم بائی ہے۔''

''لیکن امیر خاں کی اُدھم بائی میں اتنی دلچسپی کیوں ہے؟''

''صرف امیر خاں کو ہی نہیں، وزیر قمرالدین کو بھی اُس میں دلچسپی ہے۔''

''تم اُسے تلاش کر پائے؟''

''حرم میں ادھم بائی نام کی کوئی بیگم ہی نہیں ہے۔''

بیجو بیگم کو کچھ اطمینان ہوا، اُس نے جاوید خاں کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''خاں صاحب! بیگم ہوتے ہوئے بھی میں نے تمھارے عشق کی عزت افزائی کی ہے۔''

''میں حضور کا غلام ہوں۔''

''لیکن تم نے ابھی تک اپنا وعدہ پورا نہیں کیا؟''

''کونسا وعدہ؟''

''کوکی جی کہاں ہے؟''

''اسی محل کے ایک تہہ خانے میں۔''

بیجو بیگم کا چہرا خوشی سے چمک اٹھا، کوکی جی یہیں ہے، یہیں اسی محل کے کسی کمرے کے نیچے بنے تہہ خانے میں...... اُس کی آنکھیں بھی چمکنے لگیں...... امیر خاں ادھم بائی کو تلاش کر رہا ہے۔ وزیر قمر والدین بھی ادھم بائی کا دیدار چاہتا ہے اور صرف کوکی جی ہی ہے جو ادھم بائی کو شناخت کر سکتی ہے؟

یکا یک بیجو بیگم نے جاوید خاں کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ ''تم مجھ سے سچ مچ پیار کرتے ہو؟''

''میں کسی بڑی پاک چیز کی بھی قسم کھا سکتا ہوں۔''

''مجھے ثبوت چاہئے۔؟''

''فرمایئے! مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''کوکی جی کا قتل کرنا ہوگا۔'' یہ کہتے ہوئے بیجو بیگم نے جاوید خان کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

''ایسا ہی ہوگا۔''

''لیکن......ایک بات اور......''

''کیا۔''؟

''وزیر قمر والدین اور امیر خاں نے یہ تو دریافت کیا ہوگا کہ بادشاہ سلامت آج کل کس بیگم کے ساتھ رات بسر کر رہے ہیں۔''

''جی بے شک! پوچھا تھا۔''

''تم نے کیا جواب دیا؟''

''میں نے یہ بات انھیں نہیں بتائی۔''

''سچ کہہ رہے ہو؟''

''بے شک۔''

''کیا میں یقین کرلوں۔''؟

''جی ہاں!''

''اگر تم مجھ سے سچ مچ پیار کرتے ہو تو اسے راز ہی رکھنا۔''

بیجو بیگم کے جسم پر اپنی گرفت اور سخت کرتے ہوئے جاوید خاں نے کہا۔''اب آپ کے سارے راز میرے راز ہیں۔''

—x—x—

مغل دربار نے نادر شاہ کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا۔ خبر پھیلتے ہی شہر کے باشندوں میں بدحواسی چھا گئی، غریب اور ڈرپوک دہلی چھوڑ کر بھاگنے کی تیاریاں کرنے لگے......

جنگی سفر سے قبل رات کو بادشاہ محمد شاہ بیجو بیگم کے پاس پہنچا بادشاہ کے سینے پر اپنا سر ٹکاتے ہوئے بیجو بیگم نے درخواست کی۔''اس کنیز کو بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔''

''یہ جنگ دہلی سے بہت دور ہو رہی ہے بیگم! میری مجبوری کیلئے معاف کریں۔''

''اگر یہاں کوئی خطرہ ہوا؟''

''جاوید خاں ہے۔ وہ تم سب کو لے کر محل کے محفوظ تہہ خانے میں چلا جائے گا۔''

''میری ایک گزارش ہے؟''

''کیا؟''

''میدانِ جنگ میں آپ تورانی۔ ایرانی کسی بھی امیر پر اعتماد نہ کریں، اپنی عقل اور دانائی سے فیصلہ کریں۔''

بادشاہ محمد شاہ نے حیرت سے بیجو بیگم کی طرف دیکھا اور اس کی ذہانت پر خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ''ایسا ہی ہوگا بیگم۔''

''کنیز کچھ مانگنا چاہتی ہے؟''

''ارشاد۔''

''آپ کی غیر موجودگی میں، میں جنگ کے موقع پر حرم کے کسی بھی محل کے کسی بھی کمرے و تہہ خانے میں بغیر روک ٹوک آنا جانا چاہتی ہوں۔''

''منظور ہے۔''

''جاوید خاں کو بھی یہی رعائت دیں۔''

''ایسا ہی ہوگا۔''

بیجو بیگم اپنی کامیابی پر خوش ہو کر بادشاہ محمد شاہ سے لپٹ گئی......

-x-x-

محمد شاہ نے نادر شاہ سے جنگ کرنے کیلئے دہلی سے فوج کے ساتھ کوچ کیا۔ جاوید خاں رات ہوتے ہی بیجو بیگم کے کمرے میں پہنچا۔ وہ بیجو بیگم کی طرف بڑھا تو اُس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے اُسے وہیں روک دیا۔

''بیگم صاحبہ! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔''

''پہلے اپنا وعدہ پورا کرو۔ کوکی جی کا قتل آج ہی کرنا ہوگا۔''

''وہاں سخت پہرا ہے، بغیر خون خرابہ کیے وہاں پہنچا نہیں جا سکتا؟''

''لو یہ رہا بادشاہ کا اجازت نامہ۔'' بیجو بیگم نے اجازت نامہ دیتے ہوئے کہا۔ ''اس کی بدولت ہم اور تم مغل حرم کے کسی بھی کمرے اور کسی بھی تہہ خانے میں جا سکتے ہیں۔''

جاوید نے بادشاہ محمد شاہ کا پنجے کے نشان والا شاہی مہر شدہ اجازت نامہ دیکھا اور اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں؟

''آؤ چلیں۔''

جاوید خاں بیجو بیگم کے پیچھے پیچھے روانہ ہوگیا......

بیجو بیگم کے محل کے جنوبی سمت ایک کمرے میں ایک خفیہ دروازہ تھا۔ وہاں پر دو تاتاری پہرے دار عورتیں کھڑی تھیں۔ جاوید خاں نے وہاں پہنچ کر بادشاہ کا پنجہ دکھلایا اور پہرے دارنیوں کو وہاں سے رخصت ہو جانے کا حکم دیا۔ حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔

سیڑھیوں سے وہ دھیرے دھیرے نیچے اتر کر ایک تاریک کمرے میں پہنچے۔ بیجو بیگم کے ہاتھ میں ایک مشعل تھی جسے اُس نے روشن کیا۔ روشنی ہوتے ہی اُس نے سرگوشی میں پوچھا۔ ''وہ کہاں ہے؟''

''برابر والے کمرے میں۔''

بیجو بیگم نے اپنی کمر میں لگا ہوا تیز دھار والا خنجر اور جلتی ہوئی مشعل جاوید خاں کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ ''جاؤ، دیر مت کرو۔''

اُس کے اس وقت کے شیطانی روپ کو دیکھ کر جاوید خاں بھی لرز گیا۔ ایک ہاتھ میں مشعل اور دوسرے ہاتھ میں خنجر لئے جاوید خاں دھیرے دھیرے آگے بڑھا۔

دو لوگوں کی کانا پھوسی کی آواز سن کر اندھیرے میں بیٹھی ہوئی کوکی جی اٹھ کھڑی ہوئی اور خوف سے چیخی۔ ''کون ہے۔ کون ہے وہاں؟''

جاوید خاں نے کوکی جی کے کمرے میں قدم رکھا۔ مشعل کی روشنی میں کوکی جی گندے اور غلیظ لباس میں بے رونق چہرے کے باوجود بہت حسین دکھائی دے رہی تھی۔

کوکی جی نے ایک شخص کو جلتی مشعل لیے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ اُس کا دوسرا ہاتھ اس کی پشت کے پیچھے تھا۔ کوکی جی زور سے چیخی۔ ''کون ہو تم؟''

''میں جاوید خاں! ایک خوجہ ہوں۔ تمھیں آزاد کرنے آیا ہوں۔''

''تم مجھے آزاد کرو گے؟'' کوکی جی کی آنکھوں میں امید کی چمک پیدا ہوئی

''ہاں! مگر تمھیں پہلے میرے ایک سوال کا صحیح صحیح جواب دینا ہوگا۔''

''پوچھو۔''

''ادھم بائی کہاں ہے۔؟''

بیجو بیگم آگے بڑھ آئی تھی۔ اُسے جاوید خاں کی آواز صاف اور واضح طور پر سنائی دی جاوید خاں پوچھ رہا تھا۔ ''بتاؤ کوکی جی! ادھم بائی کہاں ہے۔؟''

''گڑھ میکتیشر کے میلے میں اس دن وہ کہیں چھپ گئی تھی۔ وہ مری نہیں ہے۔ زندہ ہے اُسے جاٹ اٹھا کر نہیں لیجا سکے، لیکن وہ کہاں ہے، یہ مجھے نہیں معلوم۔''

''سچ سچ۔''

''ہاں؟''

جاوید خاں خوش ہو گیا کہ تورانی۔ ایرانی دونوں طرف سے اب اُسے بھرپور انعام ملے گا۔

اسی لمحے بیجو بیگم کمرے کے دروازے پر پہنچ کر چیخی۔ ''جاوید! جلدی اپنا کام پورا کرو۔''

جاوید خاں، بیجو بیگم کو اتنے قریب دیکھ کر قدرے گھبرا گیا۔ اسی لمحے کوکی جی زور سے چلائی۔

''اُدھم بائی۔؟''

اور عین اسی لمحے جاوید خاں کی پشت کے پیچھے چھپا ہاتھ سامنے آیا۔ جاوید خاں نے ہاتھ کے خنجر کو پوری طاقت سے پورا کا پورا کوکی جی کے پیٹ میں اُتار دیا۔

خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔

کوکی جی کی دلدوز چیخ سے جاوید خاں بھی لرز اٹھا۔ بیجو بیگم کوکی جی کے سامنے آ گئی۔ کوکی جی کے چہرے پر دہشت تھی۔ مرتے ہوئے اُس نے ایک بار بھرپور نظر ادھم بائی پر ڈالی۔ جاوید خاں جوش سے کانپ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر کوکی جی کے خون کے چھینٹے تھے، کوکی جی نے کیا کہا، کیوں کہا۔ اس پر اس کا دھیان ہی نہیں گیا۔ وہ پاگلوں کی مانند بیجو بیگم کے جسم کے ایک ایک لباس کو کھول کر اُسے بے لباس کرتا جا رہا تھا۔

-x-x-

کرنال کی جنگ میں مغل بادشاہ کو شکست ہوئی، نادر شاہ دہلی میں داخل ہوا اور اُس نے قتل عام کا حکم دے کر دہلی میں ہزاروں بے گناہوں کو تہہ تیغ کر ڈالا، امیروں، رئیسوں حرم کی بیگموں و کنیزوں کو لوٹ کر کنگال بنا دیا۔ بیش قیمت ہیرے جواہرات کے ساتھ تخت طاؤس کو بھی اُس نے اپنے قبضے میں لے لیا اور کوہ نور ہیرا بھی...... نادر شاہ نے مغل بادشاہ کو لوٹ کر کھوکھلا

کر دیا۔ بے شمار گھوڑوں، اونٹوں و خچروں پر لوٹ کا مال لاد کر اور بادشاہ محمد شاہ کو نصیحت دے کر وہ دہلی سے ایک دن واپس ایران چلا گیا۔

نادر شاہ کے واپس لوٹ جانے کے بعد پھر دہلی میں دربار لگایا گیا۔ تخت طاؤس نادر شاہ لوٹ کر لے گیا تھا۔ ایک معمولی تخت پر بادشاہ محمد شاہ بیٹھا، اُس کے بغل میں وزیر قمر الدین سر نیچا کئے کھڑا تھا۔ امیر خاں و دوسرے ایرانی امیر خوش دکھائی دے رہے تھے۔

وزیر قمر الدین اپنی ناکامی پر متفکر تھا۔ اُس کا بھتیجا دہلی کے پاس فوج کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ اس لیے اسے اب بھی اعتماد تھا کہ بادشاہ اسے وزارت سے ہٹا کر اس کی ہتک نہیں کرے گا۔ امیر خاں کو پوری امید تھی کہ نادر شاہ کے معاملے میں وزیر قمر الدین کی ناکامی پر ناخوش ہو کر بادشاہ اُسے ہی اپنا وزیر مقرر کر دیں گے، لیکن بادشاہ محمد شاہ نے جب قمر الدین کو ہی پھر وزیر کی کرسی پر بیٹھنے کی درخواست کی تو امیر خاں سمیت تمام ایرانی امیر تلملا کر رہ گئے۔

لیکن تورانی امرا میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ قمر الدین نے احترام و نوازش کے تحت بادشاہ کو کورنش کی اور پھر آگے بڑھ کر رسم کے مطابق ایک ہزار سونے کی مہریں اور اس کے ساتھ ایک نہایت حسین و جمیل دوشیزہ لکشمی بائی بادشاہ کو نذر گزاری۔ بادشاہ محمد شاہ نے لکشمی بائی کو غور سے دیکھا۔ وہ اُس کے حسن و شباب سے متاثر ہوا۔ تخت سے اٹھ کر وہ آگے بڑھا اور اُسی طرح اُس حسینہ کو قبول کیا جس طرح ایک دن گڑھ مکتیشر کے میلے میں امیر خاں کے تحفے ادھم بائی کو قبول کیا تھا۔

–x–x–

ایرانی، امیروں کے چہرے بجھ سے گئے تھے۔

بیجو بیگم اور جاوید خاں اپنی اپنی جگہ مستعد تھے، کوکی جی کا قتل کر کے اُس کی لاش کو جمنا کے پانی کے حوالے کر دینے کی کسی کو بھی کانوں کان خبر نہیں ہوئی تھی۔ وزیر قمر الدین نے لکشمی بائی نامی ایک خوبصورت رقاصہ بادشاہ کو پیش کی ہے یہ سن کر بیجو بیگم کا چہرا بجھ سا گیا۔ اُس نے جاوید خاں کی طرف ایک سخت نگاہ ڈال کر کہا۔

''تہہ خانے میں اور بھی بیگمات تھیں، اس لیے تم سے پوچھ نہیں پائی۔ اُس رات کوکی جی سے تم کیا جاننا چاہتے تھے؟''

''مم...... میں...... کچھ بھی تو نہیں؟''

''میری طرف دیکھو۔ جھوٹ مت بولو۔''

جاوید خاں نے اُدھم بائی کی آنکھوں میں دیکھا۔ پھر اس کا چہرا نیچے جھک گیا اور کسی طرح اُس نے کہا۔ "میں نے اُدھم بائی کے وجود کے بارے میں سوال کیا تھا؟"

"کوکی جی نے کیا جواب دیا تھا؟"

"ادھم بائی زندہ ہے۔"

"ظاہر ہے سونے کی مہروں کے لالچ میں تم یہ خبر امیر خاں اور وزیر قمرالدین کو فروخت کرو گے؟"

"نہیں بیگم صاحبہ۔"

"قرآن پاک کی قسم کھا کر کہو کہ تم اس خبر کو اب اپنے سینے میں ہی دفن رکھو گے؟"

"ایسا ہی ہوگا بیگم صاحبہ۔"

"بادشاہ سلامت روز اپنی رات ببجو بیگم کے محل میں گزارتے ہیں۔ یہ خبر بھی باہر نہیں جانا چاہئے۔؟"

"جو حکم بیگم صاحبہ۔"

"میں تم پر اعتبار کر رہی ہوں۔"

"مم...... مگر......"

"مگر کیا......؟"

"وہ...... لکشمی بائی......؟"

"وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت اور حسین ہو سکتی ہے، لیکن ہوشیار اور شاطر نہیں، اُس کے مستقبل کا فیصلہ بھی میں کروں گی۔" یہ کہہ کر ببجو بیگم ہنس پڑی۔

جاوید خاں اس نفرت انگیز ہنسی سے اندر ہی اندر دہل گیا......!

-x-x-

لکشمی بائی، ببجو بیگم سے بھی زیادہ خوبصورت اور حسین تھی، لیکن اُس کے حسن میں ببجو بیگم کی مانند آب و تاب و دمک نہیں تھی۔ بادشاہ محمد شاہ کا دل دو دن میں ہی اُس سے بھر گیا تھا۔ تیسرے دن وہ ببجو بیگم کے محل میں پہنچا تو ببجو بیگم نے فخر سے سر اٹھا کر اس کا استقبال کیا، بادشاہ نے شراب کی فرمائش کی، تو ببجو بیگم نے سونے کے پیالے میں شراب کا جام بھر کر آگے بڑھا دیا۔ ببجو بیگم کی طرف شرمسار نگاہ سے دیکھ کر محمد شاہ نے کہا۔ "اب تم سے کیا چھپانا، وزیر نے ایک رقاصہ

تحفے میں پیش کی تھی۔ دو دن اُسی کے یہاں کسی طرح گزارے ہیں۔"

"بادشاہ سلامت کی نگاہ کرم کا شکریہ۔"

"تمہیں کچھ دن تہہ خانے میں گزارنے پڑے۔ جاوید خاں نے کسی بات کی تکلیف تو نہیں ہونے دی؟"

"نہیں۔"

"تہہ خانے کی زندگی گزارنے کیلئے میں شرمندہ ہوں۔"

"وہ تو مجبوری میں ہوا۔"

"نادر شاہ جیسے لٹیرے کا کوئی اعتبار نہیں، وہ ہیرے جواہرات تو لوٹتا ہی ہے، لیکن اُن کے پہننے والی حسیناؤں کو بھی نہیں بخشتا۔"

"حضور۔ کنیز کو اور شرمندہ نہ کریں۔"

"اس عوض میں تم جو چاہو مجھ سے مانگ سکتی ہو۔"

"اچھا! آپ عنائت فرمائیں گے؟"

"تم طلب کر کے تو دیکھو؟"

"تو پھر مجھے لکشمی بائی دے دیجئے۔"

"اُسے لے کر کیا کرو گی تم؟"

"مجھے ایک خوبصورت کنیز چاہئے۔"

"تمہارے حسن و شباب کا تو میں ویسے ہی دیوانہ ہوں۔ اب تمہاری چالاکی و ہوشیاری کا بھی قائل ہو گیا۔" محمد شاہ نے بیبو بیگم کی گود میں سر رکھ کر اپنی آنکھیں موند لیں۔

-x-x-

امیر خاں اور اسحاق خاں کافی فکر مند تھے، اسحاق خاں ترقی پا کر اب چھ ہزاری منصب دار تھا۔ اس کی ترقی میں امیر خاں کا ہاتھ تھا اس لیے وہ اس کا احسان مند تھا۔ اسحاق خاں نے کہا۔

"بادشاہ سلامت اب ایرانی اُمراء پر پہلے کی بہ نسبت کافی مہربان ہیں۔"

"بے شک!" امیر خاں نے تائید کی۔

"مگر بادشاہ اپنے وزیر قمر الدین کو وزارت سے ہٹانے سے ہچکچا رہا ہے۔"

"وزیر کا بھتیجا آصف جاہ دہلی کے قریب جے سنگھ پور میں فوج کے ساتھ خیمے ڈالے

ہوئے ہے۔"

"نہ جانے ایرانیوں کے دن کب پھریں گے؟"

"اُدھم بائی ہوتی تو اب تک کچھ فیصلہ ہو گیا ہوتا۔"

"اُدھم بائی کا کچھ سراغ ملا؟"

"اُسے جاٹ اٹھا کر لے گئے۔"

"کوکی جی؟"

"اُسے قتل کر دیا گیا ہے۔"

"سچ مچ۔"

"جاوید خاں نے یہی اطلاع دی ہے۔"

"وزیر نے کہیں پھر کوئی حور کی پری تو نہیں بھیج دی؟"

"اس کا کوئی ٹھیک نہیں، میں نے جاوید کو خبر بھیجی ہے، بس وہ آنے ہی والا ہوگا۔"

"کیا جاوید خاں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟"

"ہاں! وہ تورانیوں کا دشمن اور ہمارا دوست ہے، پھر ہم اُسے کافی دولت بھی عطا کر رہے ہیں۔"

"عین اُسی لمحے خادم نے کمرے میں داخل ہو کر جاوید خاں کے آنے کی اطلاع دی، امیر خاں نے اُسے وہیں طلب کر لیا۔ جاوید خاں وہاں پہنچا اور دونوں ایرانی امیروں کو کورنش بجا کر بولا۔ "حضور نے یاد فرمایا تھا"؟

چند لمحوں تک خاموش رہنے کے بعد امیر خاں بولا۔ "جاوید خاں! اب تک ہم نے آپ کو کافی دولت دی ہے، لیکن آج تک ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں؟"

"حضور۔ آپ کو اطلاع چاہیے تھی۔ میں نے آپ کو صحیح خبر دی ہے۔"

"کوکی جی کا قتل کس نے کیا؟"

"حضور! میں کیسے بتا سکتا ہوں۔"

"تمہاری کوکی جی سے اس کی موت سے پہلے ملاقات ہوئی تھی؟"

"جی حضور۔"

"کوکی جی نے کیا بتایا تھا؟"

''ادھم بائی جانوں کے ہاتھوں ماری جاچکی ہے۔''

''تمہاری اطلاع کے مطابق بادشاہ آج کل ایک بیگم کے پاس اکثر راتیں گزارتے ہیں۔اس بیگم کا نام بیجو بیگم ہے، وہ ایک پرانی بیگم ہے،لیکن بادشاہ کو ہم لوگ اچھی طرح پہچانتے ہیں۔لکشمی بائی جیسی حسینہ کو ٹھکرا کر بیجو بیگم کے یہاں رات گزارنا کچھ عجیب سا لگ رہا ہے؟''

جاوید خاں خاموش رہا۔

کچھ سوچ کر امیر خاں نے پھر کہا۔''جاوید خاں! آپ کو ایک کام کرنا ہے۔ہم آپ کو کافی انعام دیں گے۔ابھی کچھ پیشگی کے طور پر رکھ لو۔'' یہ کہہ کر سونے کی مہروں کا ایک توڑا امیر خاں نے اس کے آگے سرکا دیا۔

جاوید خاں کی آنکھوں میں حرص وطمع کی چمک دیکھ کر امیر خاں نے مسکرا کر کہا۔''یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔خبر بالکل سچی ہونی چاہئے۔''

''حضور حکم فرمائیں؟''

''یہ بیجو بیگم کون ہے؟''

''جاوید خاں نے چونک کر کہا۔''میں کچھ سمجھا نہیں حضور؟''

''وہ کہاں سے آئی ہے،اس کا کچھ اتا پتہ تو ہوگا ۔ہم تمہیں کافی انعام سے نوازیں گے۔''

''امیر خاں کی بیجو بیگم میں دلچسپی دیکھ کر جاوید خاں کچھ مضطرب سا ہوگیا،لیکن اپنے جذبات کو چھپا کر اُس نے پرسکون انداز میں جواب دیا۔''حضور، وقت لگے گا،صحیح خبر حرم سے معلوم کر کے آپ کو بتاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے،ہم بھی تمہیں خوش کر دیں گے۔''

جاوید خاں امیر خاں اور اسحاق خاں کو باری باری سلام کر کے رخصت ہوگیا۔

-x-x-

بیجو بیگم بادشاہ سلامت کی کمزوری بن گئی تھی، بادشاہ اس کے حسن وشباب کا دیوانہ تو تھا ہی،اب وہ دربار کے مسائل پر بھی اس سے صلاح ومشورہ کرنے لگا تھا۔بہت سے معاملوں میں وہ اُس کی رائے کو اہمیت بھی دیتا تھا۔

اُس دن بادشاہ محمد شاہ کافی متفکر تھا۔شراب کے چند جام بھی اُس کی فکر مندی کا ازالہ نہیں کر سکے،اسے محسوس کرتے ہوئے بیجو بیگم نے کہا۔''حضور کچھ پریشان سے دکھائی دے رہے

ہیں۔؟''

''وزیر کا بھتیجا آصف جاہ دہلی کے پاس ہی جے سنگھ پور میں خیمے ڈالے بیٹھا ہے۔''

''یہ تو حضور کے اوپر پوشیدہ طور پر دباؤ ڈالنا ہوا؟''

''یہی وجہ ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی میں وزیر کو اُس کے عہدے سے فارغ نہیں کر پا رہا ہوں۔''

''دربار میں تورانیوں اور ایرانیوں کے دو گروہ ہیں حضور۔ آپ کو ان کے درمیان طاقت کا توازن قائم رکھنا چاہئے۔؟''

''وہی تو میں نہیں کر پا رہا ہوں۔''

''اگر گستاخی معاف ہو تو کنیز ایک مشورہ دینا چاہتی ہے۔''

''ضرور۔''

''آپ ایرانی امیروں سے قربت بڑھائیں۔ انھیں اہمیت دیں، اس سے وزیر گھبرا جائے گا اور وہ آپ سے تعلقات خوشگوار رکھنے کی کوشش کرے گا۔''

محمد شاہ بادشاہ، بیجو بیگم کی گہری نظر پر ششدر رہ گیا۔ پھر خوش ہو کر بے اختیار اُس نے بیجو بیگم کو اپنی آغوش میں کھینچ لیا۔

-x-x-

بادشاہ محمد شاہ نے دربار میں پہنچتے ہی امیر خاں کو بلا کر اُسے اپنے پاس مسند پر بٹھایا اور اُس سے حکومت کے مسئلوں پر باتیں کرنے لگا۔ بادشاہ کے بدلتے ہوئے رخ کو دیکھ کر وزیر قمر الدین کچھ بے چین سا ہو گیا۔ بیچ بیچ میں امیر خاں، وزیر کی طرف دیکھ کر اور اُس کے اضطراب و پریشانیوں کو بھانپ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔

پھر وزیر قمر الدین کچھ سوچ کر اٹھ کھڑا ہوا اور بادشاہ کو کورنش بجا کر بولا۔ ''حضور، کچھ اہم مسئلے ہیں، اجازت ہو تو پیش کروں؟''

''بادشاہ کی امیر خاں سے گفتگو وزیر قمر الدین کو پسند نہیں آئی تھی، یہ سمجھ کر بادشاہ محمد شاہ کو بھی خوشی ہوئی، اس نے مسکرا کر کہا۔ ''بیان کیجئے؟''

''حضور، بنگال صوبے پر مراٹھوں کے حملے ہو رہے ہیں؟ نئے صوبے دار علی وردی خاں کچھ مدد نہیں کر پا رہے ہیں، انھیں شاہی مدد کی سخت ضرورت ہے۔''

''بنگال صوبے کو مدد بھیج دی جائے۔'' بادشاہ نے حکم صادر فرمادیا۔

''حضور لشکر کہاں ہے۔'' وزیر قمرالدین جلدی سے بولا۔ ''بہت سے شاہی فوجی نادرشاہ کی فوجوں سے جنگ کرتے ہوئے مارے گئے، باقی ماندہ فوجیوں میں زیادہ تر نادرشاہ کے دہلی قتل عام میں کام آگئے۔''

''ہم نے نئے فوجی بھرتی کرنے کا حکم دیا تھا؟''

''اس کیلئے دولت کہاں ہے؟ جو تھی سب کچھ تو نادرشاہ لوٹ کر لے گیا۔''

وزیر کے بیان پر بادشاہ محمد شاہ خاموش ہو گیا۔

امیر خاں نے تورانیوں پر دباؤ ڈالنے کا یہ موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اس نے اٹھ کر ادب سے کہا۔ ''عالم پناہ! گستاخی معاف ہو تو میں ایک ترکیب بتا سکتا ہوں؟''

بادشاہ نے سر ہلا کر اجازت دے دی۔

''حضور، میر بخشی سپہ سالار امیر الامراء آصف جاہ نظام الملک فوج کے ساتھ دہلی کے قریب ہی جے سنگھ پور میں موجود ہیں، انہیں بنگال جانے کا حکم دیا جائے۔''

بادشاہ محمد شاہ نے امیر خاں کی تجویز پر چونک کر وزیر کی طرف دیکھا۔ آصف جاہ بنگال گیا تو دکن بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اس لیے وزیر نے گھبرا کر کہا۔ ''حضور آصف جاہ دکن کی طرف لوٹ پڑے ہیں۔''

بادشاہ نے سر ہلایا۔ لیکن کوئی منشا ظاہر نہیں کی، محمد شاہ ایک کمزور حکمراں تھا، وہ فیصلہ کرنے سے پرہیز کرتا تھا، مسئلے کو ٹالنے میں عقلمندی سمجھتا تھا۔

یہ وار بھی خالی جاتے دیکھ کر امیر خاں نے پھر کہا۔ ''حضور۔ اصلی مسئلہ دولت کا ہے۔ نادرشاہ کے سب کچھ لوٹ کر لیجانے کے بعد بھی اب بھی کافی کچھ موجود ہے۔''

بادشاہ کی دلچسپی بڑھی، شاہی خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ فوج کی نئی بھرتی کیلئے اور دوسرے منصوبوں کیلئے روپوں کی ضرورت تھی۔ بادشاہ نے امیر خاں کی طرف دیکھا اور مزید بولنے کیلئے اشارہ کیا۔

امیر خاں خوش ہو کر کہنے لگا۔ ''حضور مغل قانون کے مطابق مرحوم کی ملکیت پر بادشاہ کا حق ہوتا ہے۔''

وزیر قمرالدین نے چونک کر امیر خاں کی طرف دیکھا۔

امیر خاں نے مزہ لیتے ہوئے کہا۔ "وزیر قمرالدین کے بیٹے بدرو الدین کی موت نادر شاہ کے ساتھ جنگ میں ہوگئی تھی۔ ساڑھے بارہ لاکھ کی ملکیت چھوڑ گئے ہیں۔ قاعدے سے اب یہ ملکیت بادشاہ سلامت کی ہے۔"

بادشاہ ایرانیوں کے اثر میں آگیا ہے۔ وزیر نے یہ کہہ کر احتجاج کیا۔ "حضور، جس نے بادشاہ سلامت کی خدمت میں اپنی جان گنوادی ہو، اس کی وراثت چھین لینے پر وہ کس بات کیلئے بادشاہ سلامت کی خدمت گزاری کریں گے؟"

حرم میں کوکی جی کی غیر موجودگی اب وزیر قمرالدین کو کھل گئی، یقیناً بادشاہ کی کسی بیگم کے اشارے پر ایرانیوں کی حمائت کر رہا ہے، حرم پر قابو نہ رکھ کر وزارت چلانا ممکن نہیں ہے۔

بادشاہ محمد شاہ نے امیر خاں کی تجویز کی تائید کر کے اُسے منظور کرلیا۔ وزیر بیدلی کے ساتھ دربار سے واپس لوٹا۔ مایوس ہوکر وہ وزارت کی بھی امید چھوڑ چکا تھا، وہیں ایرانی امیر اپنی آج کی فتح سے کافی خوش تھے۔

وزیر قمرالدین نے فیصلہ کرلیا تھا۔ اب ایک لمحے بھی دہلی میں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ آصف جاہ دکن کے راستے میں جے سنگھ پور سے کوچ کر رہا ہے، اس سے فوراً ملنا ہوگا۔

-x-x-

وزیر قمرالدین ہیرے جواہرات و مہریں جمع کر کے اُسی رات بغیر کسی کو خبر کیے خاموشی سے دہلی چھوڑ گیا۔ جے سنگھ پور میں آصف جاہ سے مل کر اس نے مکمل حالات سے آگاہ کیا تو آصف جاہ بپھر کر بولا۔ "اُس احمق بادشاہ کی اب خدمت کرنے کی ضرورت نہیں، آپ میرے ساتھ دکن چلیں اور بادشاہ کے پاس وزارت سے اپنا استعفیٰ بھیج دیں۔"

قمرالدین نے ویسا ہی کیا۔ بادشاہ محمد شاہ کو جب قمرالدین کا وزارت سے استعفیٰ ملا تو وہ گھبرا گیا اس نے امیر خاں اور اسحاق خاں دونوں کو فوراً طلب کرلیا۔

پہلے امیر خاں بادشاہ سے ملنے آیا۔ بادشاہ نے اس کے سامنے قمرالدین کا استعفیٰ پیش کیا۔ استعفیٰ پڑھ کر امیر خاں کو اُمید بندھی کہ شاید اب وزارت اسے مل جائے، اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "حضور قمرالدین نے جب اپنی مرضی سے استعفیٰ پیش کیا ہے تو اسے منظور کرلیجئے۔"

"آصف جاہ اور قمرالدین دونوں مل کر میرے لیے مصیبتیں کھڑی کر سکتے ہیں۔؟"

''کیسی مصیبت۔؟''

''وہ کسی بھی وقت دہلی پر چڑھائی کر سکتے ہیں، جے سنگھ پور دہلی سے ہے ہی کتنے فاصلے پر؟''

بادشاہ کے اندیشے کی تائید کرنے کا مطلب تھا وزارت کا لالچ چھوڑنا، امیر خاں نے خاموش رہنا بہتر سمجھا۔ بادشاہ نے اُسے جانے کا اشارہ کیا تو وہ فکر مند سا واپس لوٹ گیا۔

کچھ ہی دیر بعد اسحاق خاں آیا تو بادشاہ محمد شاہ نے اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا، اس غیر متوقع عزت افزائی سے اسحاق خاں حیرت زدہ رہ گیا۔ بادشاہ اسے ایک خفیہ کمرے میں لے گیا اور اُسے بھی قمرالدین کا وزارت سے استعفیٰ پڑھنے کیلئے دیا۔ اسحاق خان نے جب استعفیٰ پڑھ لیا تو بادشاہ نے منت آمیز لہجے میں کہا۔''اسحاق! تم ہی اب واحد اُمید ہو۔ بتاؤ، ہم کیا کریں۔؟''

اسحاق خاں سنجیدہ ہو گیا، اس کے چہرے پر تناؤ آیا۔ امیر خاں نے ہی اسے بادشاہ سے ملوایا تھا وہ اس کا مصاحب رہ چکا تھا۔ بادشاہ بھی اُس پر اعتماد کرتا تھا اور اُسے چھ ہزاری منصب داری کے ساتھ ساتھ معتمدولہ کا خطاب عطا کیا تھا۔

بادشاہ محمد شاہ بار بار اسحاق خاں سے صحیح قدم اٹھانے کی فرمائش کر رہا تھا، اسحاق خاں خاموش تھا۔ اس کی مجبوری تھی کہ صحیح مشورہ دینے پر امیر خاں کا نقصان ہو جاتا اور وہ نمک حرامی نہیں کرنا چاہتا تھا بادشاہ کے بہت زور دینے پر مجبور ہو کر اس نے کہا۔''حضور، امیر خاں ایک امیر ہیں اور ایک امیر کے بیٹے بھی ہیں، بہادری اور قابلیت میں کوئی ان کا ثانی نہیں ہے، لیکن ہندوستان کے لوگ انھیں کمزور کردار والے شخص کے طور پر ہی جانتے ہیں، دہلی کے سبھی لوگ خاندانی ہونے کے سبب قمرالدین اور آصف جاہ کی عزت کرتے ہیں، لہٰذا میری عقل کے مطابق وزیر کی مخالفت کرنا فی الحال مناسب نہیں ہوگا۔''

یہ سن کر بادشاہ محمد شاہ کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ اُس نے اسحاق خاں کا شکریہ ادا کر کے اُس کے مشورے پر ہی چلنے کا ارادہ کیا......

-x-x-

اسحاق خاں کے چلے جانے کے بعد بادشاہ محمد شاہ نے دوبارہ امیر خاں کو پیغام بھجوایا اور اُس کے حاضر ہو جانے کے بعد کہا۔''امیر خاں! ابھی میں طاقت ور تورانیوں کو ناراض نہیں

کر سکتا۔ مجھے اپنا تخت بچانا ہے۔ قمر الدین اور آصف جاہ کو میں اپنا دشمن نہیں بنا سکتا۔ آپ میرے بااعتماد اور مخلص ہیں، اس لیے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ وزارت کا لالچ چھوڑ دیں اور اپنی جاگیر دیکھنے الٰہ آباد چلے جائیں۔"

امیر خاں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تو اب تک وہ ریت کے محل تعمیر کر رہا تھا؟ کاش آج ادھم بائی حرم میں ہوتی تو وہ بھی اُس کی وساطت سے اپنے حق میں راہ ہموار کر سکتا۔ اس طرح بے عزت اور ذلیل ہو کر لوٹنا تو نہ پڑتا۔ پرنم آنکھوں سے امیر خاں نے جواب دیا۔ "جہاں پناہ! آپ جو چاہیں گے، وہی ہوگا۔"

بادشاہ محمد شاہ کی اجازت لے کر امیر خاں واپس لوٹا، ایک وفادار ملازم کی اس مجبوری پر خود بادشاہ کو تکلیف ہو رہی تھی۔

دوسرے دن بادشاہ محمد شاہ نے جے سنگھ پور جا کر قمر الدین اور آصف جاہ سے ملاقات کی اور ان سے معافی مانگی۔ قمر الدین کو پھر سے دہلی جا کر وزارت سنبھالنے کی درخواست بھی کی جسے فتح مند قمر الدین نے قبول کر لی......!

--x--x--

17 / جولائی 1740ء آصف جاہ نے فوج سمیت دکن کی جانب کوچ کیا۔ امیر خاں اپنی جاگیر سنبھالنے الٰہ آباد روانہ ہوا۔ قمر الدین نے فاتحانہ انداز میں دہلی میں قدم رکھا۔

تورانی امیروں کے لیڈر سمرقند کے بادشاہ قمر الدین کو اعتماد الدولہ کا عہدہ ملا۔ ایرانی امراً سے اب اُسے کوئی خوف نہیں تھا۔ جب خود مغل بادشاہ اُس سے خوف کھاتا تھا تب وہ دوسرے کی پروا کیوں کرے؟ ان ایرانی امیروں نے اسے بہت ستایا ہے، اب انتقام لینے کی باری آئی ہے، ایک ایک کر کے وہ ایرانی اُمراً کو برخاست کرنے لگا۔

حرم کے ذریعے بادشاہ کے اوپر اثر و رسوخ رکھنے کی اب ضرورت ہی نہیں رہ گئی تھی، جاوید خاں حرم کا ایک خوجہ تھا، وہ امیر خاں سے ملا ہوا تھا، اس نے اسے چھ ہزار گھوڑوں کی منصب داری عطا کی تھی اس غدار کو اس کی بے شرمی کا بھرپور جواب ملنا چاہیے۔

--x--x--

وزیر قمر الدین نے جاوید خاں کو بغیر وجہ بتائے منصب داری سے برخاست کر دیا۔

امیر خاں اپنی جائیداد سنبھالنے الٰہ آباد پہنچا۔ مگر وزیر بننے کا وہ خواب ابھی تک چھوڑ نہیں

سکا تھا۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ مغل بادشاہ پر اثر ڈالنے کیلئے دو باتیں ضروری ہیں، پہلی، حرم کی کسی حسینہ کی معرفت بادشاہ کو بے بس کئے رہنا اور دوسری فوجی طاقت والے کسی صوبے دار کی دوستی، قمرالدین کے ساتھ آصف جاہ ہے، لیکن اس کے ساتھ؟

اس نے غور کرنا شروع کر دیا، طاقتور صوبے داروں میں اودھ کے صفدر جنگ پر اس کا دھیان گیا 1739ء میں سعادت خاں برہان ملک کی موت پر اس کا بھتیجا داماد صفدر جنگ اودھ کا صوبے دار بنا تھا، وہ اب صفدر جنگ سے قربت بڑھانے کیلئے کوشش کرنے لگا۔

اُدھر دولت کی کمی کی وجہ سے مغل بادشاہ محمد شاہ کی عیش و عشرت میں خلل پڑا تھا وہ وزیر قمرالدین کے رحم و کرم پر زندگی گزار رہا تھا، اسی وقت امیر خاں کی درخواست آئی کہ اودھ کے صوبے دار صفدر جنگ کو بنگال جانے کی اجازت دی جائے۔ بادشاہ نے اجازت دے دی۔

صفدر جنگ نے پٹنہ کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ تب تک بنگال کے صوبے دار نواب علی وردی خاں نے اپنی پوزیشن مضبوط کر لی تھی۔ امیر خاں اور صفدر جنگ کا مقصد پورا ہوا۔ اس کی فوجی برتری سے بادشاہ محمد شاہ متاثر ہوا۔

مغل بادشاہ نے دربار خاص کا انعقاد کیا، امیر خاں اور صفدر جنگ خصوصی طور سے مدعو کئے گئے، اب قمرالدین کے ساتھ جنگ برابر کی تھی۔ قمرالدین کے ساتھ آصف جاہ تھا تو امیر خاں کے ساتھ صفدر جنگ، پھر جاوید خاں بھی امیر خاں کے حق میں تھا۔

5/نومبر 1743ء کو امیر خاں دہلی پہنچا۔ وہ دربار میں اپنے اثر و رسوخ کی وسعت کیلئے وارد ہوا۔ صفدر جنگ کے ساتھ آئے دس ہزار فوجی اُس کے جوش کو دوبالا کر رہے تھے۔

قمرالدین اگرچہ وزیر تھا۔ لیکن امیر خاں اب اس کے کاموں میں بھی دخل دینے لگا تھا، بادشاہ بھی اس کی سننے لگا تھا، اس کی درخواست پر ایرانی امیروں کو اہم عہدے ملنے لگے، توپ خانے کے سربراہ میر عوض کی موت کے بعد وہ عہدہ صفدر جنگ کو مل گیا۔

صفدر جنگ کے ساتھ بادشاہ محمد شاہ نے گھریلو تعلقات قائم کئے۔

—x—x—

جاوید خاں ایک دن امیر خاں سے ملنے اس کے محل میں گیا اور اسے کورنش بجا کر اپنی خوشی کا مظاہرا کرتے ہوئے بولا۔ ''حضور، غلام نے آپ کی خدمت کی ہے۔ مجھے بھی انعام ملنا چاہیے۔''

''تمہیں پہلے ہی کافی رقم دی جا چکی ہے۔''

''حضور، قمرالدین نے بلا وجہ میری منصب داری بھی چھین لی ہے۔''

''اچھا کیا، تم اسی قابل ہو۔''

''حضور، میں آپ کا نمک خوار ہوں......''

''تم ابھی تک ادھم بائی کو تلاش نہیں کر سکے، بیجو بیگم کی اصلیت نہیں جان سکے، تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔''

جاوید خاں بے عزت ہو کر واپس لوٹا، امیر خاں کی دخل اندازی بڑھتی گئی، وہ بادشاہ کو اب حکم بھی دینے لگا تھا۔ اس نے ایک دن بادشاہ کے ذاتی خدمت گار اور حرم کے ناظر روز افزوں خاں کو بادشاہ پر دباؤ ڈال کر برخاست کروا دیا۔ بادشاہ ان تمام حالات سے چڑھ گیا۔ وہ ایک دن جاوید خاں اور خوجہ روز افزوں خاں کے ساتھ اپنے خفیہ کمرے میں ملا کہ دیوان عام میں داخل ہوتے وقت کل امیر خاں کو قتل کروا دیا جائے۔

-x-x-

جاوید خاں، بیجو بیگم کے محل میں پہنچا، اس نے اپنی خوشی ظاہر کرتے ہوئے بیجو بیگم سے کہا۔ ''بیگم صاحبہ! آج میں بہت خوش ہوں۔''

''کیوں؟''

''میری ایک تمنا پوری ہونے والی ہے۔''

''میں سمجھی نہیں؟''

''امیر خاں نے میری بے عزتی کی تھی، میں ان سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ خدا نے میری سن لی۔''

''پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو؟ صاف صاف بتاؤ کیا بات ہے؟''

''امیر خاں نے بادشاہ سلامت کو مجبور کر کے خوجہ افزوں خاں کو برخاست کروا دیا، بادشاہ نے کل دیوانِ عام میں دربار کا انعقاد کیا ہے۔ اور کل ہی......''

''اور کل کیا ہونے والا ہے؟'' بیجو بیگم نے تشویش زدہ نظروں سے جاوید خاں کو دیکھا اور اس کے قریب چلی گئی۔

جاوید خاں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ ''کل امیر خاں کو

موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔''

بیجو بیگم نے وحشت زدہ لہجے میں کہا۔ ''یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟''

''بیگم صاحبہ! خود بادشاہ سلامت نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ کل دربار میں داخل ہوتے وقت امیر خاں خفیہ وار کا شکار ہو جائے گا۔''

''نہیں! نہیں، یہ بہت بڑی غلطی ہو گی جاوید خاں اس سازش کو ناکام کرو۔''

''بیگم صاحبہ! امیر خاں نے میری بے عزتی کی ہے۔''

''اتنی چھوٹی سی بات کیلئے قتل جیسا گھناؤنا فعل......''

جاوید خاں سرد لہجے میں بولا۔ ''اس نے بادشاہ سلامت کو بھی ذلیل کیا ہے۔''

''امیر خاں کو سمجھا بجھا کر راہ راست پر لایا جا سکتا ہے۔''

جاوید خاں نے حیرت سے پوچھا۔ ''لیکن بیگم صاحبہ! آپ امیر خاں کو کیوں بچانا چاہتی ہیں؟''

''تورانی و ایرانی امیروں میں کوئی بھی زیادہ طاقتور نہ ہو جائے، اس پر ہمیں نگاہ رکھنی ہے دونوں کی طاقت یکساں رہے گی تو اسی پر ہماری طاقت بھی منحصر رہے گی، جاوید! ابھی امیر خاں کی ہمیں ضرورت ہے۔''

بیجو بیگم اُس سے زیادہ چالاک ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے، جاوید خاں نے سوچا، پھر سر جھکا کر دھیرے سے کہا۔ ''بیگم صاحبہ! آپ جو چاہیں گی، وہی ہوگا۔''

''بادشاہ سلامت یا تمہاری کسی کی بھی ہتک اب امیر خاں نہیں کرے گا، میں ایک خط لکھ کر دے رہی ہوں، اسے امیر خاں کو دے دینا۔ خط کو کسی بھی حالت میں کسی پر ظاہر نہ کرنا۔'' یہ کہہ کر بیجو بیگم خط لکھنے کیلئے دوسرے کمرے میں چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد واپس لوٹی، ایک نلکی میں لپٹا خط جاوید خاں کو دیتے ہوئے بولی۔ ''جاوید یہ خط امیر خاں تک پہنچنا ہی چاہیے۔ اسی خط پر ہماری کامیابی کا انحصار ہے۔ کل صبح امیر خاں کے محل میں جا کر یہ خط انھیں دے دینا۔''

-x-x-

دوسرے دن صبح جاوید خاں تیار ہو کر امیر خاں سے ملنے اس کے محل جانے والا تھا تبھی بادشاہ محمد شاہ کا بلاوہ آ گیا۔ وہ بادشاہ سے ملا تو اس نے اسے روک لیا، بادشاہ نے اسے اپنے ساتھ رہنے اور دربار میں اپنے پیچھے کھڑا ہونے کا حکم دیا تھا۔

جاوید خاں نے سوچا کہ بیجو بیگم یقیناً ہی رات کو بادشاہ کو امیر خاں کا قتل کروانے سے روکنے میں کامیاب ہوگئی ہوگی، اس لیے اس نے بیجو بیگم کا خط دربار میں ہی کسی وقت امیر خاں کو دے دینے کا فیصلہ کیا۔

-x-x-

دہلی میں 25/دسمبر 1746ء کو دیوان عام میں دربار لگا۔ تورانی، ایرانی، امیر گروہ بنا کر دربار میں آنے لگے۔ وزیر قمرالدین وہاں موجود تھا۔ بادشاہ محمد شاہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا، اس کے عقب میں جاوید خاں بالکل ہوشیار کھڑا تھا، یکا یک دربار میں داخلی راستے پر شوروغل ہوا، کچھ ایرانی، تورانی امیروں کے ہاتھ تلوار کے دستوں پر گئے۔ کہیں مراہٹوں نے حملہ تو نہیں کر دیا؟ اسی لمحے ایک ایرانی امیر دربار میں داخل ہوا اور بادشاہ محمد شاہ کو کورنش بجا کر افسردہ لہجے میں بولا۔
''کسی پوشیدہ قاتل نے امیر خاں کو دیوان عام کے داخلی دروازے میں آتے وقت قتل کر دیا ہے۔ قاتل کو پکڑا نہیں جا سکا۔ اس نے اپنے چہرے کو کالے کپڑے سے چھپا رکھا تھا، اس کی شناخت بھی نہیں ہو سکی۔''

بادشاہ محمد شاہ نے امیر خاں کے قتل پر صدمے کا اظہار کیا اور دربار ملتوی کر دیا تورانی، ایرانی اُمرا بغیر کسی تبصرے کے واپس لوٹنے لگے، بادشاہ کو بہ حفاظت اس کے محل تک پہنچانے کیلئے جاوید خاں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا اور انھیں پہنچا کر جب اپنے کمرے میں آیا تو اس کی گھبراہٹ عیاں ہوئی، وہ امیر خاں کی ہلاکت روک نہیں سکا تھا...... کیا سوچے گی بیجو بیگم؟ بیجو بیگم کا خط بھی وہ امیر خاں کو وقت پر پہنچا نہیں پایا، اب وہ بیجو بیگم کو کیا جواب دے گا؟

امیر خاں وزیر قمرالدین و تورانی امیروں کی پروا نہیں کر رہا تھا۔ جو امیر خاں بادشاہ سلامت کی حکم عدولی کر رہا تھا۔ وہ بیجو بیگم کی باتوں پر کیسے غور کرتا۔ وہ بھی ایک خط پڑھ کر؟ کیا لکھا ہے امیر خاں کو اس خط میں بیجو بیگم نے......؟

جاوید خاں نے وہ خط باہر نکالا۔ اس نے بیجو بیگم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ خط کی رازداری کو برقرار رکھے گا۔ لیکن اس کا دل کہہ رہا تھا کہ خط میں کوئی راز چھپا ہوا ہے۔ جس سے صرف بیجو بیگم اور امیر خاں ہی واقف تھے؟ جاوید خاں کا تجسس انتہائی حدوں پر پہنچ گیا تھا، اس نے دیئے گئے اپنے وعدے کو فراموش کر کے خط کو کھولا اور پڑھنے لگا...... پھر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ خط میں درج تھا۔

امیر خاں صاحب! آداب

میں بیگم محل میں ہی رہ رہی ہوں اور دربار میں پیش آنے والے ہر ایک واقعہ سے واقف ہوں۔ یہاں سے آپ کی بہبودگی کیلئے کوشاں ہوں۔ اگر آپ سوچتے ہیں کہ اودھ کے صوبے دار صفدر جنگ کو دوست بنا کر آپ اپنے رسوخ سے دہلی دوبارہ واپس لوٹ آئے ہیں تو آپ غلطی پر ہیں۔ یہ میرا ہی کام ہے۔ آپ اگر مانتے ہیں کہ جنگی قوت کی وجہ سے آپ کی شخصیت میں اضافہ ہوا ہے تو یہ آپ کی نادانی ہے۔ پرانی شرط کے مطابق ہی میں حرم میں رہ کر آپ کا مقصد پورا کرر ہی ہوں، آپ اگر اپنا دماغ پر سکون رکھیں اور صبر سے کام لیں تو آپ ہی وزیر بنیں گے۔

آپ کی ادھم بائی زندہ ہے۔ کوکی جی اسے ختم کرنے کے بجائے خود ہی ختم ہوگئی۔ آپ کی دلچسپی اس میں رہی ہے کہ ادھم بائی کہاں ہے؟ اور بیجو بیگم کون ہے؟ بیجو بیگم میں ہوں اور ادھم بائی ہی بیجو بیگم ہے۔

اتنا جان کر اب آپ پچھلی شرط کے مطابق ہی کام کریں گے۔ یہی امید لے کر آپ کو خط تحریر کرر ہی ہوں۔

آپ کی......اُدھم بائی

خط پڑھ کر جاوید خاں سکتے میں رہ گیا۔ اُدھم بائی کے اتنے قریب رہ کر بھی وہ اسے پہچان نہیں پایا۔ وہ کتنا احمق ہے۔ تہہ خانے میں قتل کے وقت کوکی جی کا بیجو بیگم کی آواز پر چونک کر چیخنا اور ''اُدھم بائی'' کہنا...... اگر اس نے ذرا بھی غور کیا ہوتا تو ادھم بائی کی اصلیت اس پر کبھی کی ظاہر ہوگئی ہوتی مالا مال ہونے کا یہ خوبصورت اور نادر موقع کھونے پر اسے افسوس ہوا۔ امیر خاں اس انکشاف پر اس کا منہ موتیوں سے بھر کر اس کا رتبہ بھی بڑھا دیتا؟

مگر اب کیا کریں؟ کیا خط وہ ادھم بائی کو واپس لوٹا دے یا اسے پھاڑ کر پھینک دے؟ کہہ دے گا کہ اس نے امیر خاں کے قتل سے پیشتر وہ خط انھیں دے دیا تھا۔ لیکن وہ چالاک عورت حقیقت کا سراغ لگانے کی کوشش کرے گی...... نہیں اسے خط واپس کر دینا چاہیے، ادھم بائی کو جاوید خاں کی ضرورت ہے اور امیر خاں کی غیر موجودگی میں تو وہ مکمل طور پر اس کے اوپر منحصر ہو جائے گی، پھر وہ اس کی محبوبہ بھی تو ہے، اس سے راز داری کیسی......؟

خط کو پھر اسی طرح لپیٹ کر وہ بیجو بیگم کے محل کی طرف چل پڑا، دن کا تیسرا پہر تھا، بیجو بیگم کے سامنے پہنچ کر وہ سر نیچا کر کے کھڑا ہو گیا۔

''کیا بات ہے جاوید......؟''

''وہ......بیگم صاحبہ، وہ......امیر خاں کا قتل ہوگیا ہے۔''

''امیر خاں قتل ہوگیا، کب اور کیسے؟''

''آج دربار میں آتے وقت خفیہ حملے میں......''

بیجو بیگم چند لمحوں تک اپنا سر پکڑے کھڑی رہی، پھر جاوید خاں کی طرف دیکھ کر غمزدہ لہجے میں بولی۔ ''جاوید! تم امیر خاں کو بچا نہیں سکے؟''

''بیگم صاحبہ! اس غلطی کیلئے معافی چاہتا ہوں، لیکن آپ بادشاہ سلامت کو کیوں نہیں سمجھا پائیں؟'' جاوید خاں نے پوچھا۔

بادشاہ سلامت رات میں میرے کمرے میں آئے ہی نہیں۔'' بیجو بیگم نے کہا اور پھر جاوید خاں کی طرف سخت نگاہوں سے دیکھ کر پوچھا۔ ''تم نے میرا خط امیر خاں کو دے دیا تھا؟''

''میں صبح امیر خاں کے پاس جانے ہی والا تھا کہ بادشاہ سلامت کے یہاں سے طلبی ہوگئی۔ بادشاہ سلامت نے مجھے اپنے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔ اس لیے میں خط نہیں دے سکا۔''

''خط کہاں ہے؟''

''جاوید خاں نے اپنی کمر میں چھپا ہوا خط نکال کر بیجو بیگم کو دے دیا۔ بیجو بیگم جاوید خاں کے دماغی خیالات اور جذبات کو پڑھ رہی تھی۔ یکایک اس نے سوال کیا۔ ''تم نے خط کھول کر پڑھا ہے جاوید؟''

جاوید خاں نے اثبات میں سر ہلا کر اپنی غلطی قبول کی۔ بیجو بیگم نے افسردگی سے کہا۔ ''جاوید! میں نے تم سے خط کی رازداری کا وعدہ لیا تھا۔ تمہیں خط کھول کر پڑھنے سے منع کیا تھا۔''

''بیگم صاحبہ! اس غلطی کی آپ جو بھی سزا دیں گی قبول کرلوں گا۔ خط کو مجھے چھوڑ کر کسی نے نہیں پڑھا ہے، یقین کیجئے یہ راز میرے سینے میں ہی دفن رہے گا۔''

''مجھے تم پر اعتماد ہے۔''

''بیگم صاحبہ! میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے ہر حکم کو بجالاؤں گا اور موت تک آپ کا وفادار رہوں گا۔''

''مجھے معلوم ہے۔''

''بیگم صاحبہ! ایک خوجہ کو آپ نے محبت اور عزت دی ہے۔ میرے جسم کے خون کا آخری

قطرہ بھی صرف آپ کیلئے گرے گا۔"

"جاوید...... جاوید......" بیجو بیگم نے جاوید کو اپنی سخت گرفت میں لے لیا اور اس کے آنسو بھرے رخساروں کو چوم لیا۔

تاریخ گواہ ہے کہ جاوید خاں ادھم بائی عرف بیجو بیگم کے تئیں مکمل طور سے سپرد رہا اور اس کے ہر حکم کو بجالایا۔

—x—x—

بادشاہ محمد شاہ کی موت کے بعد بیجو بیگم کا بیٹا احمد شاہ 18 / اپریل 1748ء کو بادشاہ بنا بیجو بیگم اپنے نوجوان بیٹے احمد شاہ کی آڑ میں حرم سے ہی دربار کا نظام چلاتی رہی، روزانہ اس کی دیوڑھی پر اعلیٰ افسر جاتے، خوجاؤں کی مدد سے ایک پردے کے پیچھے سے بیجو بیگم انھیں ریاستوں کے کام میں مشورے دیتی، سبھی مسئلے اسے پڑھ کر سنائے جاتے اور وہ ان پر فیصلہ کرتی، اس کا عاشق جاوید خاں دیوانِ خاص کا داروغہ بنایا گیا۔ اسے عرضی نویسی کا بھی عہدہ ملا۔

بیجو بیگم نے دونوں ہاتھوں سے دولت لٹائی۔ 21 / جنوری 1754ء کو اپنی سالگرہ کے موقع پر اس نے کروڑوں خرچ کیے۔ وہ شان و شوکت کی زندگی گزارتی تھی جبکہ محل کے محافظوں کو ایک سال سے تنخواہ نہیں ملی تھی، انھوں نے ایک دن غصے میں آ کر ایک گدھا اور ایک کتیا کو محل کے صدر دروازے پر باندھ دیا۔ دربار میں جانے والے امیروں کو وہ روکتے اور گدھے کو دکھا کر کہتے۔ "یہ نواب بہادر ہیں۔" پھر کتیا کی جانب انگلی اٹھا کر ہنستے ہوئے کہتے۔ "یہ ملکہ صاحبہ ہیں انھیں سلام کریں۔"

ظاہر ہے ادھم بائی عام لوگوں میں ایک بدکردار اور بدذات عورت کے طور پر ہی بدنام رہی، لیکن وہ دوسری نور جہاں بننا چاہتی تھی، اس چکر میں وہ مغل دربار و حرم کی سربراہ ضرور بنی، مغل حرم کی اس حسینہ کے اشارے پر اس کا شوہر بادشاہ محمد شاہ تو ناچا ہی، اس کا بیٹا بادشاہ احمد شاہ بھی اس کی انگلیوں کے اشارے پر ناچنے والا ہی ثابت ہوا۔ ایک کٹھ پتلی کی مانند بیجو بیگم اُسے ہمیشہ نچاتی رہی۔

قلوپطرا

قلوپطرا کے بارے میں کئی افوائیں مشہور ہیں، لیکن ایک بات غیر متنازعہ ہے کہ وہ عجیب حسن کی مالکہ تھی، تبھی تو اس سے یہ حیرت میں ڈال دینے والے قصے منسوب ہیں؟

عالمی تاریخ داں اور ''فال آف دی رومن ایمپائر'' جیسی عظیم کتاب کے مصنف گبن نے ایک بار کہا تھا کہ اس منظر کا تصور ہی ان کے اندر سنسنی پیدا کر دیتا ہے جب سیزر کے بیٹے کو ساتھ لے کر قلوپطرا مصر سے روم آئی ہوگی، وہ کیسا شاندار اور دل پر اثر کرنے والا منظر رہا ہوگا؟

ستر کی دہائی میں جب '' قلوپطرا'' نامی اس وقت کی سب سے مہنگی فلم ہالی ووڈ میں بنی تھی تو اس منظر کو فلمانے کیلئے فلم کاروں نے اپنی جان لگادی تھی اور اس کیلئے لاکھوں ڈالر خرچ کر دیئے تھے، فلم تو بری طرح فلاپ ہوگئی تھی، لیکن قلوپطرا کے بیٹے کو ساتھ لے کر ایک جلوس کے شکل میں روم میں داخل ہونے کے شاندار اور یادگار منظر کو تماشائی آج تک نہیں بھلا سکے، 70 ایم ایم کی بڑی اسکرین پر ہندوستانی تماشائی اس منظر کو پورا نہیں دیکھ سکے تھے، کیونکہ قلوپطرا کی نمائش کے وقت فلموں پر سینسر شپ بہت سخت تھا۔

حقیقت میں بیٹے کو لے کر ایک شاندار جلوس کی شکل میں روم میں داخل ہونے والے سین کے ذریعے سے فلم کاروں نے قلوپطرا کی عیش وعشرت دکھلانے کی کوشش کی تھی، روم میں داخل ہوتی قلوپطرا کی سواری کے آگے رقص کرتی سینکڑوں حسین رقاصاؤں کو دکھلایا گیا تھا جو مکمل طور سے عریاں تھیں؟

فلم کاروں نے جو دکھایا تھا وہ کوئی تخیل کی کوری پرواز نہیں تھی، اس میں تاریخی سچائی بھی تھی، قلوپطرا تاریخ کی ان خوبصورت اور عیش پسند عورتوں میں سے تھی جو اپنی زندگی میں ہی افواہ بن گئی، تاریخ دانوں نے جتنی ریسرچ قلوپطرا پر کی، اتنی شاید ہی تاریخ کی کسی دوسری عورت پر ہوئی ہوگی، شیکسپیئر سے لیکر، ایچ، رائیڈر ہیگرڈ تک کے تصورات وتخیلات کو قلوپطرا نے متاثر کیا۔

قلوپطرا پر بہت کچھ لکھا اور کہا گیا، اس سب کے باوجود وہ ہمیشہ ایک افواہ بنی رہی، اس کی شخصیت ایک اسرار ہی بنی رہی؟

قلوپطرا کے حسن اور ہوس کے بارے میں کئی افواہیں ہیں، کہا جاتا ہے کہ قلوپطرا اپنے ہر اس عاشق کو صبح سانپ سے ڈسوا کر مروا دیتی تھی جس کے ساتھ وہ رات گزارتی تھی، قلوپطرا کے بہت ہی شہوانی خواہشات رکھنے والی عورت کی بات کہی جاتی ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اپنے شباب اور حسن کو برقرار رکھنے کیلئے قلوپطرا علم جیوتش کے پروگرام کر کے کنواری لڑکیوں کے خون میں غسل کرتی تھی، تاریخ داں ریسرچ اسکالر ایسی باتوں سے پوری طرح انکار کرتے ہیں، ان کی نگاہ میں قلوپطرا ایک جذباتی اور نہایت عقل مند عورت تھی چاہے رومن اعظم جولیس سیزر ہو یا انٹونیس، دونوں کے معاملے میں ہی قلوپطرا ایک جذباتی عورت کے روپ میں ہی سامنے آتی ہے۔

قلوپطرا کی پیدائش مصر کے ٹولیمی نسل میں ہوئی تھی اور اس کا اصلی نام اولی ٹیز تھا، کہتے ہیں کہ قلوپطرا کی پیدائش کے وقت ہی نجومیوں نے پیش گوئی کردی تھی کہ وہ کئی ملکوں میں سیاسی اتھل پتھل کا سبب بنے گی، ایسا ہوا بھی تھا۔

قلوپطرا کی پیدائش ٹولیمی نسل کیلئے بھی مبارک ثابت نہیں ہوئی، مصر پر روم کے مسلسل حملوں کے سبب ٹولیمی خاندان نے آخر میں روم کی ماتحتی قبول کر لی تھی، مصر طاقتور رومن حکومت کا ایک حصہ بن گیا تھا۔

جب ٹولیمی گیارہویں کی موت ہوئی تھی، تب قلوپطرا نے زندگی کے سولہویں سال میں ہی قدم رکھا تھا، البتہ اس کا حسن اور شباب سورج مکھی کی مانند مکمل طور سے کھل اٹھا تھا۔

چھوٹی سی عمر میں ہی قلوپطرا کی خواہش پسندیاں آسمان کو چھوتی تھیں، وہ سیاست کے داؤ پیچ میں پوری طرح سے ماہر تھی، ٹولیمی گیارہویں کی موت کے بعد جب اس کے بھائی ڈی اونی سس نے شاہی گدی سنبھالی تو قلوپطرا سے اس کی ایک دن بھی نہیں بنی، آخر میں رنجشوں کی وجہ سے قلوپطرا نے بہت جلد ہی ڈی اونی سس کو مصر چھوڑ کر سیریا بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

ڈی اونی سس کے سیریا بھاگتے ہی قلوپطرا نے مصر کی شاہی گدی پر اپنا تسلط جمانا شروع کر دیا۔

دوسری طرف تاریخ کے ایک اہم واقعہ میں رومن شہنشاہ سیزر نے فوجی جدوجہد میں پومپے نامی ایک باغی فوجی جنرل کو شکست دیدی۔

سیزر کے ہاتھوں شکست کھاکر پومپے جب سیریا کی طرف بھاگا تو سیزر نے اس کا تعاقب کیا، دراصل سیزر پومپے کو گرفتار کر کے اسے سزا دینا چاہتا تھا۔

پومپے کا تعاقب کرتا ہوا سیزر جب مصر میں پہنچا تو وہاں ڈرامائی انداز میں اس کی ملاقات قلوپطرا سے ہوئی، ہوا یہ تھا کہ سیزر اسکندریہ کے محل میں بیٹھا عریاں رقاصاؤں کا ہیجان خیز رقص دیکھنے میں محو تھا کہ ایک سیاہ سوڈانی غلام نے اس کے سامنے پیش ہونے کی اجازت طلب کی، تفریح میں خلل پڑنے سے سیزر کچھ ناراض ہوا اور بعد میں اس نے سوڈانی غلام کو اپنے حضور میں پیش ہونے کی اجازت دیدی۔

آبنوسی جسم والا سوڈانی سیاہ غلام کاندھے پر ایک بھاری بھرکم قالین اٹھائے اندر داخل ہوا، سیزر کے اشارے پر رقاصاؤں کے تھرکتے قدم اور سازندوں کے ہاتھ سازوں پر رک گئے اور وہ سب سر جھکا کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

''تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟'' سیزر نے سوڈانی غلام سے پوچھا۔

''میں ایک ادنیٰ غلام ہوں اور ٹولیمی شاہی خاندان کی طرف سے آپ کیلئے ایک نایاب تحفہ لایا ہوں''۔ سوڈانی غلام نے جواب دیا۔

''کیسا تحفہ؟ کیا یہ قالین جسے تم اپنے کاندھے پر اٹھائے ہوئے ہو''؟ سیزر نے پوچھا۔

''ہاں شہنشاہ! لیکن اس قالین کے اندر بھی کچھ ہے''۔ سوڈانی غلام نے پُر اسرار انداز میں کہا۔

''تو دیر کس بات کی ہے، ہم دیکھنے کے خواہش مند ہیں کہ اس قالین کے اندر کیا ہے''؟

سوڈانی غلام نے کندھے سے قالین کو اتار کر فرش پر رکھا اور پھر اس کے دونوں کناروں کو پکڑ کر ایک جھٹکے سے اسے کھول دیا۔

سوڈانی غلام کا ایسا کرنا تھا کہ قالین میں لپٹی عورت کا جسم لڑھکتا ہوا کمرے کے دوسرے کنارے تک پہنچ گیا۔

قالین میں سے ایک بلوریں عورت کے جسم کو نکلتے دیکھ کر سیزر حیران سا رہ گیا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ بول پاتا، قالین سے نکلی عورت نے پلٹ کر بانکی چتون سے اسے دیکھا۔

سیزر کی تو آواز ہی بند ہوگئی اور وہ سکتے کے عالم میں اسے دیکھتا رہ گیا، ایسا حسن سیزر کی آنکھوں کے سامنے سے پہلے کبھی نہیں گزرا تھا۔

''کون ہوتم''؟ سیزر نے قالین سے نکلی حسن کی مورت سے پوچھا۔

''میں آپ کی بہادری اور مردانگی کی دیوانی مصر کی شہزادی اولی ٹیز ہوں عظیم سیزر''۔

''تمہاری خوبصورتی کو دیکھ کر سیزر دنگ ہے اور چاہتا ہے کہ تمہیں اس طرح قالین سے لپیٹنے والے گستاخ غلام کو سخت سزا دی جائے''

''اس کی ضرورت نہیں شہنشاہ اعظم! کیونکہ اس غلام نے تو صرف میرے حکم کی تعمیل کی ہے''۔

''کیا مطلب''؟

''آپ تک خاموشی سے پہنچنے کا کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا''۔

''تم نے ایسا کیوں کیا؟'' سیزر نے پوچھا۔

''کیونکہ میں تم سے پیار کرنے لگی ہوں''۔ انیس سالہ قلوپطرا نے اپنے سے دوگنی عمر سے بھی زائد عمر کے سیزر کو بے باک لہجے میں جواب دیا۔

قلوپطرا کا اتنا کہنا تھا کہ سیزر عظیم اس کی نیلی آنکھوں کے سمندر میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔

سیزر اور قلوپطرا کے درمیان ڈرامائی انداز سے ہوئی یہ ملاقات روم اور مصر کی تاریخ کو ایک نیا موڑ دینے والی ثابت ہوئی۔

پہلی ملاقات میں ہی سیزر اور قلوپطرا محبت کے جال میں پھنس گئے تھے۔ عمر کا فرق ان کے آڑے نہیں آیا۔ حقیقت میں قلوپطرا کیلئے عمر کوئی معنی نہیں رکھتی تھی، وہ ایک بے حد خواہش پسند عورت تھی اور سیزر جیسے طاقتور عاشق کو اپنی خواہش پسندیوں کی تکمیل کیلئے ایک سیڑھی کے طور پر بھی آزمانا چاہتی تھی۔

دوسری طرف سیزر کو بھی قلوپطرا کے روپ میں پہلی بار ایک مکمل عورت ملی تھی، اس جیسی حسین عورت سیزر کی زندگی میں پہلے نہیں آئی تھی، قلوپطرا کو پاکر تو سیزر مصر تک آنے کا اپنا اصلی مقصد ہی بھول گیا تھا۔

سیزر کے ساتھ اپنے عشقیہ تعلقات کے نتیجے میں قلوپطرا کو حمل ٹھہر گیا، اس سے وہ بے چین ہوگئی، اسے پریشان دیکھ کر سیزر نے کہا۔ ''میں تم سے عہد کرتا ہوں اگر تم نے بیٹے کو جنم دیا تو

وہی روم کا ہونے والا شہنشاہ ہوگا"۔

قلوپطرا نے سیزر کے عہد پر اعتماد کر کے اپنا اسقاط حمل کرانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

جب سیزر اور قلوپطرا پیار کی اپنی حسین دنیا میں کھوئے ہوئے تھے، مصر میں ان کے خلاف بے اطمینانی پنپنے لگی، ایسا اس لئے کہ مصر کے لوگوں کو قلوپطرا اور سیزر کے تعلقات اپنے قانون اور تہذیب کے خلاف لگتے تھے۔

مصری عوام کی بے اطمینانی نے جلد ہی مسلح فوجی بغاوت کا رخ اختیار کرلیا، مصری سپہ سالار الف آس نے بڑی تعداد میں فوجیوں کو ساتھ لے کر اسکندریہ میں سیزر کو گھیر لیا۔

اس وقت سیزر کے ساتھ کوئی بہت بڑی فوج نہیں تھی، اس لئے اس کو اپنی جان بچا کر فرار ہونا پڑا۔

اسکندریہ سے بھاگ کر سیزر نے دریائے نیل پار کیا اور روم سے کمک پہنچنے کا انتظار کرنے لگا، لیکن کمک پہنچنے سے قبل ہی مصری فوج میں پھوٹ پڑ گئی، کچھ باغی فوجیوں نے سپہ سالار الف آس کو موت کے گھاٹ اتار دیا، الف آس کے مرنے سے باغی مصری فوج کی طاقت بھی بکھر گئی۔

اس درمیان روم سے ایک بڑی تعداد میں کمک پہنچ گئی، اس کے بعد سیزر نے پوری طاقت سے باغی مصری فوجیوں پر حملہ کر دیا۔ بھیانک جنگ ہوئی اور آخر میں سیزر نے باغی مصری فوجیوں کو زبردست شکست دیدی۔

باغی فوجیوں کو مات دینے کے بعد سیزر نے ایک ملکہ کے روپ میں مصر کے تخت پر قلوپطرا کی تاج پوشی کی اور اسی کے چھوٹے بھائی سے اس کی شادی بھی کروادی، مصر کی شاہی روایات کے مطابق قلوپطرا کا شوہر ہی اب مصر کا "فراؤ" تھا۔

قلوپطرا کی تاج پوشی کے بعد سیزر واپس روم چلا گیا۔

آگے کے واقعات میں تاریخ دانوں میں کافی اختلاف ہے، کچھ تاریخ نویسوں کا خیال ہے کہ سیزر کے مصر میں ہوتے ہوئے ہی قلوپطرا نے اس کے بیٹے کو جنم دے دیا تھا جب کہ چند دوسروں کا بیان ہے کہ ایسا سیزر کے روم جانے کے بعد ہوا، جو بھی تھا قلوپطرا نے سیزر سے جنم لینے والے بیٹے کا نام سیزرون رکھا تھا۔

قلوپطرا کے بارے میں بھی تاریخ دانوں کی الگ الگ قسم کی رائے ہے، کوئی قلوپطرا کو

کامیاب، عقل منداور طاقتور حکمراں بتلاتا ہےتو کوئی بے حد عشق پسند اور چالاک عورت۔

قلوپطرا کی عشرت پسندی کے متعدد قصے ہیں، کہتے ہیں کہ سیزر کے روم واپس جاتے ہی طاقت اور اقتدار کے نشے میں چور قلوپطرا نے خود کو پوری طرح سے عیاشی میں ڈبو لیا تھا وہ اپنے اقتدار کی طاقت کا پورا لطف اٹھانا چاہتی تھی، رنگ رلیاں منانے کیلئے قلوپطرا نے ایک شاندار حرم کی تعمیر بھی کروائی تھی، کہتے ہیں کہ قلوپطرا کے حرم میں روز ایک نیا عاشق داخل ہوتا تھا، ایسا کوئی ٹھوس ثبوت تاریخ دانوں کے ہاتھ نہیں لگا جس سے ثابت ہوسکتا کہ قلوپطرا اپنے عاشق کو سانپ سے ڈسوا کر مروا دیتی تھی، سچ تو یہ ہے کہ قلوپطرا کی اپنی موت سانپ کے ڈسنے سے ہوئی تھی۔

اپنی عشق پرستی سے جب قلوپطرا باہر نکلی تو اسے سیزر کی یاد آئی۔

سیزر کا خیال آتے ہی قلوپطرا کی نس نس میں اضطراب بھر گیا، وہ سیزر سے پیدا ہوئے اپنے بیٹے کو لے کر روم جانے کی تیاری کرنے لگی۔

قلوپطرا سمندری راستے سے روم روانہ ہوئی، روانہ ہونے سے قبل قلوپطرا نے رومنوں پر اپنی عظمت اور شان وشوکت کا اثر ڈالنے کیلئے سارا بندوبست بھی کرلیا تھا۔اس نے نہ صرف جہاز کو بیش قیمتی موتیوں، پنوں، ہیروں اور سونے سے بھر لیا بلکہ روم کے باشندوں کی تفریح کیلئے مصر کی کئی خوبصورت عورتوں کو بھی جہاز میں سوار کروالیا، نٹ اور رقاصاؤں کو بھی روم پہنچانے کیلئے جہاز میں بٹھایا گیا، اتنا ہی نہیں، اپنے پیشے میں ماہر مصر کی کئی طوائفیں بھی قلوپطرا کے ساتھ روم جانے کیلئے تیار ہوگئیں اپنی شان وشوکت کے مظاہرے کیلئے قلوپطرا نے جہاز کیلئے خاص طور سے سونے کا نقاشی شدہ مستول بھی بنوایا تھا۔

جب جہاز نے روم میں لنگر ڈالا تو جیسے سارا روم ہی اسے دیکھنے کیلئے امڈ پڑا تھا۔

جہاز سے اترنے کے بعد اور سونے کی بنی بگھی میں بیٹھ کر جب قلوپطرا سیزر کے محل کی جانب رواں تھی تو اس کی شان دیکھ کر روم کے باشندے سحر زدہ ہوگئے تھے،قلوپطرا کی سواری کے آگے ایک طرف جہاں نٹ اپنے حیرت انگیز کرتب دکھلا رہے تھے وہیں دوسری طرف عریاں سینے والی مصری رقاصائیں رقص کر رہی تھیں......

جب قلوپطرا بیٹے کو ساتھ لے کر سیزر کے شاہی محل میں پہنچی تو اپنی محبوبہ کو تقریباً سات سال بعد دیکھ کر سیزر کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا، اس نے پاگلوں کی طرح قلوپطرا کو اپنی باہوں

میں بھرلیا۔

قلوپطرا سیزر کے پاس آ تو گئی، مگر اس کا روم آنا سیزر کیلئے منحوس ثابت ہوا مصریوں کی طرح روم والوں میں بھی قلوپطرا اور سیزر کے تعلقات کے سبب بغاوت پنپنے لگی، کچھ درباری بھی سیزر کے خلاف ہو گئے، ان درباریوں میں سیزر کا بے حد بااعتماد بروٹس بھی تھا، اسی بروٹس نے دیگر کچھ درباریوں کے ساتھ مل کر عیسیٰ قبل سن 40 میں سیزر کا قتل کر دیا۔

سیزر کے قتل سے غمزدہ قلوپطرا اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر واپس مصر چلی آئی اگر قلوپطرا روم میں رکتی تو شاید اس کا بھی قتل کر دیا جاتا۔

سیزر کے قتل کے بعد رومن حکومت پر قبضے کیلئے آکٹے ویس، انٹونیئس اور لیپی ڈس نامی رومن جنرلوں میں جنگ کی نوبت آ گئی، آخر میں ان تینوں کا آپس میں سمجھوتہ ہو گیا، اس سمجھوتے کے مطابق آکٹو ویس کو سسلی اور آسٹریلیا، لیپی ڈس کو اسپین اور انٹونیئس کو فرانس کی حکومت مل گئی۔

انٹونیئس کے دل میں شک برقرار تھا کہ سیزر کے قتل کی سازش میں قلوپطرا کا بھی ہاتھ ہو سکتا تھا، لہٰذا فرانس کا حکمراں بنتے ہی انٹونیئس نے سفیر بھیج کر قلوپطرا کو اپنے دربار میں طلب کر لیا۔

قلوپطرا، انٹونیئس کی دعوت پر اس کے پاس آ گئی، وہ اب تیس سال کی ہو چکی تھی مگر اس کے حسن کی دمک پر اس کی عمر کا کوئی اثر نہیں پڑا تھا، عمر میں پختگی آنے سے قلوپطرا اتنا ضرور سمجھ چکی تھی کہ ایک عورت اپنے حسن اور شباب کی طاقت سے مرد کے دل و دماغ پر کیسے حکومت کر سکتی ہے۔

قلوپطرا بے خوف انٹونیئس کے سامنے پہنچی، اسے یقین تھا کہ اس کے حسن کا جادو انٹونیئس پر بھی چل جائے گا......اور ایسا ہوا بھی، انٹونیئس نے قلوپطرا کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا، اپنے حسن کا جادو چلتا دیکھ کر قلوپطرا نے اپنے سپید گورے سینے سے کپڑے کو بھی ذرا سا ہٹا دیا اور یہ شباب خیز نظارہ دیکھ کر انٹونیئس جیسے پاگل سا ہو گیا، وہ بھول گیا کہ اس نے قلوپطرا کو اپنے پاس کیوں بلایا تھا وہ تو اب صرف قلوپطرا کو اپنی باہوں میں سمیٹ لینا چاہتا تھا۔

سیزر کی طرح انٹونیئس بھی قلوپطرا کو اپنا دل دے بیٹھا۔ اس کے ساتھ ہی قلوپطرا کی ایک نئی محبت کی کہانی کا آغاز ہو گیا۔

سیزر کے مقابلے میں انٹونیس، کہیں زیادہ عیش پسند طبیعت کا انسان تھا، قلوپطرا اس کی اس طبیعت کو بہت جلد ہی پہچان گئی، اس کے پاس شان وشوکت اور عیش وعشرت کی کوئی کمی نہیں تھی، انٹونیس کو متاثر کرنے کیلئے قلوپطرا نے اسے عیاشی کی رنگینیوں میں غرق کر دیا، جب قلو پطرا نے پہلی بار انٹونیس کو اپنے محل میں مدعو کیا تھا تو اس کے قدموں میں قالین کی جگہ نازک لڑکیوں کے جسم بچھائے گئے تھے۔

انٹونیس کے قلوپطرا کے ساتھ رنگینیوں میں ڈوب جانے سے اس کی فوجی قوت کمزور پڑ گئی اس کا فائدہ اس کے سخت بدترین دشمن آکٹوویس نے اٹھایا اور سمندری راستے سے اس پر حملہ کر دیا۔

انٹونیس نے آکٹوویس کے حملے کا مقابلہ کیا، اس جنگ میں خاص بات یہ تھی کہ اس میں قلوپطرا نے اپنے سمندری بیڑے کے ساتھ خود انٹونیس کی طرف سے جنگ میں حصہ لیا تھا، اس کے باوجود انٹونیس کو شکست ہوگئی، انٹونیس کی شکست ہوتے دیکھ کر قلوپطرا اپنے بیڑے کے ساتھ مصر بھاگ کھڑی ہوئی، اپنی جان بچانے کیلئے انٹونیس بھی اس کے پیچھے پیچھے مصر بھاگا۔

مصر پہنچ کر فوجی نقطۂ نگاہ سے خود کو مضبوط کرنے کے بجائے انٹونیس اور قلوپطرا دوبارہ اپنی عیاشیوں اور رنگینیوں میں ڈوب گئے۔

تعاقب کرتا ہوا آکٹوویس مصر تک پہنچ گیا تو دونوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی، قلوپطرا کی فوج آکٹوویس کی فوج کے سامنے ٹک نہیں سکی جس کے نتیجے میں مصر پر ایک طرح سے آکٹوویس کی فوج کا قبضہ ہو گیا۔

اپنی شکست سے غمزدہ قلوپطرا نے آکٹوویس کے ہاتھوں بے عزت ہونے کے بجائے اپنے آپ کو ختم کر لینے کا فیصلہ کیا اور خود کو اپنے محل میں بند کر لیا۔

خودکشی سے پہلے قلوپطرا نے خود کو ملکہ کے شاہی لباس اور تاج سے اچھی طرح سے سجایا اور اپنی پسند کے پکوان بھی کھائے، اس سب کے بعد قلوپطرا نے سونے کا بنا ہوا وہ برتن منگوایا جس میں ایک بے حد زہریلی نسل کا سانپ قید تھا، سانپ کو ڈسوانے کیلئے سونے کے برتن میں اپنا ہاتھ ڈالنے سے قبل قلوپطرا اپنی ہر کنیز سے گلے ملی تھی۔

جب سانپ نے قلوپطرا کے ہاتھ پر ڈسا تو اس کے ہونٹوں پر درد میں بھیگی عجیب سی

مسکراہٹ تھی، وہ بڑے سکون سے موت کے آغوش میں چلی گئی، جب آنٹونیس کوقلوپطرا کی موت کی خبر ملی تو اس نے بھی اپنے سینے میں خنجر گھونپ کر خودکشی کر لی۔

کلوپیٹرا کے محل کا دروازہ توڑ کر آکٹوئیس جب اندر داخل ہوا تو مردہ پڑی قلوپطرا کو دیکھ کر اسے ایسا لگا جیسے وہ گہری اور میٹھی نیند میں سو رہی ہو، قلوپطرا کی لاش کے پاس اس کی پیاری اور چہیتی کنیزوں کی لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں، کنیزوں نے بھی اپنی ملکہ کی موت کے غم میں زہر پی کر اجتماعی طور سے خودکشی کر لی تھی۔

راکھی

اُن دنوں کانپور سے تقریباً 24 کلومیٹر کے فاصلے پر شمال مغرب کی سمت گنگا کے کنارے پر آباد بٹھور نامی شہر میں انگریزوں کے ذریعے اپنے شاہی تخت وتاج سے معزول باجی راؤ پیشوا دوئم رہتے تھے، اُن کی گزر بسر ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے دی جارہی 8 لاکھ روپے کی سالانہ پنشن سے ہوتی تھی، ان کی چاروں سمتوں میں دور دور تک پھیلی شہرت، اور عزت وتکریم ہمیشہ کیلئے ختم ہوچکی تھی، 8 لاکھ روپے کی حقیر رقم سے ان سب کا گزارہ بڑی مشکل سے ہوتا تھا۔

راکھی کا تیوہار باجی راؤ پیشوا بڑے جوش اور شان وشوکت کے ساتھ منایا کرتے تھے۔ اُس دن بٹھور میں پوری دھوم دھام سے ان کی سواری نکلا کرتی تھی، ہاتھی پر ان کے ساتھ چمکیلے، بھڑکیلے لباس پہن کر ان کے بیٹے راؤ صاحب اور نانا صاحب پیشوا بیٹھا کرتے تھے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے تعینات انگریزی فوجی افسر میجر چارلس بوکر زین کے سفید گھوڑے پر سوار ہوکر سرکاری شان کے ساتھ پیشوا مہاراج کی رہنمائی کیا کرتا تھا۔

ہمیشہ کی مانند اس بار بھی تیوہار کی ابتدا شاہی پجاری مورو پنت دیکشت نے پوجا کی رسم سے کی۔ دربار پوری طرح سے لگ چکا تھا، مورو پنت کے بعد بہت سے لوگوں نے پیشوا کی کلائی میں راکھیاں باندھیں۔ کسی کو نیگ میں سونے کی مہریں تو کسی کو چاندی کے روپے ملے۔

اس کے بعد نانا صاحب پیشوا اور راؤ صاحب کی باری آئی۔ ان دونوں کی، کوئی بہن نہیں تھی۔ ویسے یہ دونوں مورو پنت دیکشت شاہی پجاری کی 12 سالہ بیٹی منو کو بہت پیار کرتے تھے اور سگی بہن سے بھی زیادہ چاہتے تھے۔ دُبلی پتلی چھریری نازک اور خوبصورت منو خود بھی کم شان و شوکت والی لڑکی نہ تھی۔ پیشوا باجی راؤ بھی اُسے بیٹی ہونے کے سبب اپنے بیٹوں کے مقابلے کچھ زیادہ ہی پیار کرتے تھے۔

منو نے باقاعدہ پہلے نانا صاحب پیشوا اور اس کے بعد راؤ صاحب کی کلائی میں راکھی

باندھی، دونوں نے منو سے تلک لگوا کر اُس کی تھالی میں دس دس اشرفیاں ڈال دیں تو منو کچھ ہچکچائی
پھر طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اپنے بھائیوں کی طرف دیکھ کر بولی...... "بس! اتنا ہی......؟"

باجی راؤ اپنے تخت پر بیٹھے یہ پورا تماشاہ بڑے شوق کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ منو کے ہونٹوں سے نکلا۔ "بس اتنا ہی......" سنتے ہی وہ قہقہہ مار کر زور سے ہنسے اور بڑی اپنائیت کے ساتھ بولے۔ "ارے میری پیاری بیٹی! آؤ...... میرے پاس آؤ۔"

منو پوجا کی تھالی لیئے باجی راؤ پیشوا کے سامنے جا کھڑی ہوئی، پیشوا نے پہلے کی طرح ہنستے ہوئے قیمتی موتیوں کا ہار اپنے گلے سے اتار کر منو کے گلے میں ڈال دیا اور بولے۔ "اب تو خوش! ہاں! ذرا ہنس کے تو دکھاؤ میری رانی بیٹی؟"

منو کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔ وہ بڑی اُمنگ کے ساتھ پوجا کی تھالی رکھے موتیوں کا ہار چمکاتی واپس اپنے باپ کے پاس لوٹنے لگی۔ تبھی نہ جانے کہاں سے ایک کھنکتی ہوئی گرجدار آواز آئی۔ "رکو منو! ابھی وہیں کھڑی رہو، میں بھی آرہا ہوں"؟

پورے دربار میں سناٹا چھا گیا۔

یکا یک ایک انگریز لڑکا زبردستی اپنے باپ کی گرفت سے اپنی کلائی چھڑا کر بھاگتا ہوا آکر منو کے سامنے کھڑا ہو گیا اور بولا

"منو! میری پیاری بہن! میری کلائی میں بھی وہ باندھو، جو تم نے نانا اور راؤ کی کلائیوں میں باندھا ہے؟"

اُدھر ادھیڑ عمر کا ایک انگریز جو اس لڑکے کا باپ تھا اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کھڑے کھڑے وہیں سے چلایا۔ "نہیں جون! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ میں کہتا ہوں واپس لوٹ آؤ، فوراً...... آؤ جلدی کرو"۔

لیکن لڑکے نے مچل کر کھڑے کھڑے وہیں سے چیخ کر کہا۔ "نہیں ڈیڈی! میں واپس نہیں آؤں گا۔ میں بھی راکھی بندھواؤں گا۔ مہربانی کر کے منو سے کہیے، وہ میری کلائی پر بھی راکھی باندھے...... میں کہتا ہوں۔ کہیے......"

پورے ماحول پر ایک عجیب سی بے چینی مسلط ہو گئی۔ جیسے سب کچھ جہاں کا تہاں رک گیا ہو؟ لیکن باجی راؤ کی آواز سے جلدی ہی سب کچھ معمول پر آگیا، وہ بولے...... "میجر بوکر، تمہارا بیٹا تو بے حد عقلمند ہے؟"

''پورے سولہا سال کا ہو گیا ہے۔'' میجر شرمندگی سے بولا۔ ''مگر ابھی تک شیطان بچوں کی طرح پورا احمق ہے۔ اس کی طرف سے میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں گزارش ہے کہ مجرے کا پروگرام شروع کیا جائے''۔

''ابھی نہیں میجر'' پیشوا نے اپنی گونجتی آواز میں جواب دیا۔ ''اپنے بیٹے کے برتاؤ کیلئے نہ تو تمہیں معافی مانگنے کی ضرورت ہے اور نہ شرمندہ ہونے کی'' اس کے بعد وہ منو کی جانب گھومے ''بیٹی! یہ بھی نانا اور راؤ کی طرح تمہارا بھائی ہے، بڑا بھائی، تم اسے بھی راکھی باندھو''۔

جون بوکر خوش ہو گیا۔ منو کا چہرا بھی خوشی میں چمکنے لگا، بولی۔ ''بھائی! کیا نام ہے تمہارا؟''

''تم مجھے نہیں جانتی ہو؟ روز ہی تو دیکھتی ہو مجھے، میں یہیں بٹھور میں رہتا ہوں۔ میرے والد میجر چارلس بوکر یہاں مہاراجہ پیشوا کے دربار میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے تعینات ہیں اور میرا نام جون بوکر ہے۔ اسی سال میں آرمی اسکول میں داخلہ لوں گا''۔

''اچھا'' منو حیرت سے جون کو دیکھتی رہی۔ ''تو تم مجھ سے راکھی بندھوانا چاہتے ہو؟ لیکن کیا تم راکھی بندھوانے کا مطلب بھی سمجھتے ہو؟''

جون نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔ ''میری بہت ہی پیاری بہن منو! راکھی کا مطلب سمجھتا ہوں۔ مگر تھوڑا تھوڑا، اب تم اسے مجھے پوری طرح سے سمجھا دو ٹھیک طرح سے، میری سمجھ میں سب کچھ آ جائے گا''۔

''اچھا تو سنو، اسے بہنیں اپنے بھائیوں کی کلائیوں میں باندھتی ہیں'' منو دھیرے سے ہنس کر بتانے لگی۔ ''اور عوض میں بھائی زندگی بھر اپنی بہن کو اُس کی حفاظت کا وچن دیتا ہے''۔

''اوہ! تو تمہارا مطلب ہے......؟''

''منو نے جلدی سے اُس کی بات کاٹی۔'' اب اتنی انگریزی تو میں جانتی نہیں۔ راکھی بندھوانے کے بعد تمہیں یہ دیکھنا ہوگا کہ کوئی مجھے نقصان نہ پہنچا پائے میری حفاظت کی پوری ذمہ داری تمہارے اوپر ہوگی، سمجھے......''

''اچھا! اچھا'' جون آنکھیں بند کیے چند ثانیے تک سوچتا رہا۔ پھر اپنی دونوں آنکھیں کھول کر ہونٹ دانتوں سے چباتا ہوا بولا۔ ''منو! میں وعدہ کرتا ہوں میں ایسا ہی کروں گا۔ کسی دن تم خود دیکھ لینا۔ یہ میرا عہد ہے''۔

منو نے ہنس کر بائیں ہاتھ میں پوجا کی تھالی تھام کر دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے اُس کو

تلک لگایا۔ پھر دائیں کلائی میں راکھی باندھی۔ اُس کے بعد اپنی ہتھیلی اُس کے سامنے پھیلا دی اور بولی۔ ''لاؤ، مجھے کچھ دو؟''

''کیا چاہئے؟''

''کچھ بھی، اشرفی، روپے وغیرہ''

''لیکن میں ابھی تمہیں وعدہ دے چکا ہوں''

''ہاں! ہاں! وچن تو دیا ہے۔ لیکن روپے بھی دو۔ آخر میں تمہاری چھوٹی بہن ہوں۔ کیا بغیر کچھ لئے میں مان جاؤں گی؟'' منو نے شرارت سے کہا۔

جون بوکر کشمکش میں مبتلا ہو گیا، اس وقت اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، وہ خالی ہاتھ تھا۔ اس لئے اب منو کو دے بھی تو کیا دے، کھڑا ہوا بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا، پھر بجلی جیسی تیزی سے جھپٹ کر اپنے والد کی پستول نکال لایا اور اُسے منو کو پیش کرتے ہوئے بولا

''اسے تم رکھ لو منو! اگر کبھی کوئی تم پر، تمہاری عزت پر حملہ کرے تو اسے شوٹ کر دینا، گولی کھانے والا فوراً مر جائے گا''۔

''منو کی آنکھیں بھیگ گئیں، جب تک کہ پیشوا اُسے پستول لینے سے منع کر پاتے۔ منو نے پستول لے کر اپنی پوجا کی تھالی میں رکھ لیا اور بولی۔ ''جون بھیا! پستول تم نے دیا اور ہم نے لیا۔ باقی رہی تمہاری بات، کسی دن تم دیکھ لینا۔ اسے میں جان دیکر نبھاؤں گی''۔

''بہت خوب، ہاں! اگر ضرورت پیش آجائے تو تم مجھے بھی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے شوٹ کر دینا، منو بہن! میں تمہیں پیار کرتا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود تم مجھے چھوڑنا بھی نہیں''۔

''کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے تم لوگ......'' پیشوا نے ہنس کر کہا۔ ''اب مجرا شروع کیا جائے''۔

اس واقعہ کو پانچ سال گزر گئے۔ میجر چارلس بوکر ترقی پا کر بٹھور سے چلا گیا۔ باپ کے ساتھ بیٹا جون بوکر بھی چلا گیا۔

لڑکیاں پرایا دھن ہوتی ہیں۔ شادی کے بعد اپنا گھر بار سنبھالنا پڑتا ہے۔ اس لئے منو کو بھی جانا پڑا۔ جھانسی کی رانی بن کر، جھانسی کے مہاراج گنگا دھر راؤ جن کے آباؤ اجداد کبھی پیشوا کے تابعدار ہوا کرتے تھے۔ تب ایک ریاست کے خود مختار حکمراں تھے۔ شان و شوکت، عزت و تکریم اور مرتبے میں ہر طرح سے پیشوا سے کہیں زیادہ تھے۔

منو بیٹی کو رخصت کرتے ہوئے باپ مورو پنت دیکشت تو روئے ہی، پیشوا باجی راؤ کا بھی حال برا تھا۔ ان کے آنسو رکنے کا نام نہیں لیتے تھے، رخصتی کے وقت وہ خود کو کسی طرح سنبھالتے ہوئے اور انگرکھے سے آنسو پونچھتے ہوئے بولے۔ ''ہماری منو بیٹی ایک رانی بن کر وداع ہو رہی ہے۔ مہاراجہ گنگادھر راؤ ہمارے داماد بڑے سچے اور کھرے مرد ہیں۔ وہاں کوئی بھی تکلیف نہیں ہوگی بیٹی! جھانسی کا راج محل دنیا کے نایاب عیش و آرام کی چیزوں سے بھرا ہوا ہے۔ بس! وہاں ایک وارث ایک ولی عہد کی ضرورت ہے۔ اس کمی کو ہماری بیٹی پورا کرے گی۔ دیکھ لینا، بہت جلد جھانسی کی ریاست شہزادے ولی عہد کی کلکاریوں سے گونجنے لگے گی، میرا آشیرواد ہمیشہ تمہارے ساتھ ہے''۔

رخصتی کے موقع پر منو نہ تو ہنسی اور نہ روئی۔ ایک عام سے شاہی پجاری کی بیٹی سے ایک دم ملکہ بن گئی۔ ایسے میں کون تھا جو خوش نہیں تھا...... مگر منو خوش نہیں ہوئی۔ شاید وہ اتنی چھوٹی سی عمر میں سکھ دکھ، غم و خوشی سے اوپر اٹھ چکی تھی۔ رخصت ہوتے وقت وہ اپنی خشک آنکھوں سے بٹھور کے محل، گلیوں پرسکون گنگا کے کنارے کو دیکھتی رہی اور پھر ایک سرد آہ بھری تھی اور شاہی رتھ پر سوار ہوگئی تھی۔

مورو پنت نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''بیٹی! جھانسی میں ایسا کچھ کرنا جس سے ہم سربلند ہوسکیں۔ فخر کرسکیں۔ تمہیں شہرت ملے، عزت اور عظمت نصیب ہو''۔

''بھگوان نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا۔ میں کچھ ایسا کروں گی جس سے آپ کا نام بھی روشن ہو، شریمنت پیشوا کا نام بھی سرخرو ہو اور تاریخ کے صفحات میں اپنے بٹھور کا نام ہمیشہ کیلئے سنہرے الفاظ میں لکھا جائے۔ میں کبھی ایسا کچھ نہیں کروں گی جس سے آپ کو، اس سرزمین کو شرمندہ ہونا پڑے۔'' منو نے سر جھکا کر جواب دیا۔

''بیٹی منو......''؟ بوڑھا پروہت رو پڑا

''ہاں! ایسا ہی ہوگا بالکل ایسا جو میں نے کہا ہے مگر......؟''

''مگر کیا بیٹی...... کہو......''؟

''آپ کوئی غلط مطلب نہ نکالئے باپو، مگر میں اپنی سبھی چیزیں، گڑیا، گڈے، اُن کے کپڑے، زیور گہنے، اپنے تیر کمان، تلواریں، کٹاریں اور بوکر بھیا کا وہ چھوٹا سا پستول...... راؤ اور نانا بھیا کے دیئے ہوئے روپے، اشرفیاں، سب اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں''۔

''ضرور بٹی......''

''ہاں باپو! وہاں جھانسی میں، میں ان کے ساتھ کھیلا کروں گی، ان کے ساتھ کھیلتے وقت ایسا لگے گا جیسے آپ سب میرے قریب ہیں......لیکن......؟'' منو پھر رک گئی اور ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

''لیکن......؟''

''میں سوچ رہی تھی......'' منو نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ''کاش اپنے بوکر بھیا کو دیکھ سکتی، راکھی بندھوانے کے بعد سونا چاندی نہ دے کر صرف سچا وچن دینے والا بھائی یہاں ہوتا تو میں اُسے دیکھ لیتی۔''

اُداس اور غمگین ماحول کا اثر کم کرنے کے ارادے سے مورو پنت دیکشت نے دھیرے سے ہنس کر کہا۔ ''روپیہ، پیسہ، ہتھیار، تیر تلوار...... یہ سب تجھے جھانسی میں خوب ملے گا۔ ہم تو سادھو ہیں...... مگر تیری سسرال، وہ تو ایک بہت بڑی ریاست ہے، وہاں تجھے کیا نہیں ملے گا''۔

''پھر منو جھانسی کی رانی بن کر رخصت ہوگئی۔ اس کے شوہر مہاراجہ گنگا دھر راؤ عمر میں اس سے دوگنے سے بھی زیادہ تھے۔ انھیں منو نام کچھ زیادہ پسند نہیں آیا، اس لئے انھوں نے اپنی نئی نویلی کا نام بدل کر لکشمی رکھ دیا۔ رانی لکشمی بائی۔

وقت گزرتا رہا، منو کی زندگی بدل گئی، اُس نے بہت کچھ کھویا، پہلا صدمہ باجی راؤ کی موت سے پہنچا، پھر اولاد سے، وہ ان صدمات سے ابھی نکلی بھی نہیں تھی کہ گنگا دھر راؤ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ رانی کے چاروں طرف ظلمات کا اندھیرا چھا گیا،...... گہری تاریکی کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔

اٹھارہ سو ستاون کی پہلی جنگ آزادی میں وہ غیر ملکی سامراج سے لڑی۔ فوجی اور کمانڈر انچیف دونوں حیثیت سے وہ غیر معمولی اور ناقابل تسخیر تھی۔ جھانسی کو فتح کرنے والے جنرل سرہیو روز نے کہا تھا...... ''وہ شیطانوں کی طرح...... نہیں نہیں شیطانوں سے زیادہ مضبوط عہد رکھنے والی نہایت بہادری کے ساتھ لڑی''

''آخر کار، ملک کے غداروں کی سازش اور انگریزوں کی کثیر فوج اور بھاری توپ خانے سے شکست کھا کر جھانسی کی رانی کو کالپی کی طرف بھاگنا پڑا۔ اُس کے فرار ہو جانے کی خبر سن کر جنرل سرہیو روز بہت مایوس ہوا۔ وہ اُسے ہر حالت میں زندہ یا مردہ پکڑنا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنی

فوج کے سب سے چست، بہادر اور فرض شناس فوجی افسر کو طلب کیا اور اُسے حکم دیتے ہوئے بولا۔ ''نوجوان! رانی کالپی کی طرف بھاگ نکلی ہے۔ تم اُس کا تعاقب کرو۔ زندہ یا مردہ، کسی بھی حالت میں رانی ہمیں ملنی چاہئے۔ اگر اس کام کو تم نے ٹھیک طرح سے انجام دیا تو تمہاری ترقی پکی۔ یوں سمجھو کہ تم لیفٹیننٹ سے کیپٹن ہو جاؤ گے''۔

''لیکن سر......؟''

''لیکن ویکن چھوڑو...... جاؤ اور اُس کا تعاقب کرو، اُسے گرفتار کر کے لاؤ، اگر وہ فرار ہوگئی تو ہمارے لئے بڑی مصیبتیں کھڑی کر دے گی۔''

نوجوان لیفٹیننٹ اپنے گھوڑ سواروں کو لے کر اُس مہم کیلئے روانہ ہوگیا۔ راستے میں وہ اپنے ماتحت فوجیوں سے بولا۔ ''دوستو! کوئی گولی نہیں چلائے گا۔ ہمیں رانی لکشمی بائی کو زندہ گرفتار کرنا ہے اور اُسے زندہ گرفتار کرنے کا فرض بھی کوئی ادا نہیں کرے گا۔ یہ کام بھی میں خود انجام دوں گا۔''

''یس سر......'' سب نے ادب سے سر جھکا دیئے۔

جھانسی کی رانی لکشمی بائی تقریباً پچاس فٹ بلند قلعے کے عقبی دروازے سے اپنے پیارے گھوڑے کی پشت پر چھلانگ لگا کر سوار ہو کر بھاگنے کیلئے کود پڑی تھی، گھوڑا ابھی اپنی مالکن کو بہت پیار کرتا تھا۔ خود جان دے دی مگر اپنی رانی کے جسم پر ایک خراش تک نہیں آنے دی۔ نئے گھوڑے پر جس پر رانی سوار ہو کر بھاگی تھی پرانے گھوڑے جیسی بات نہیں تھی۔ چلتے چلتے وہ یکا یک چونک پڑتا تھا۔

انگریز لیفٹیننٹ اور اُس کے ساتھی پوری ہوشیاری کے ساتھ تعاقب کر رہے تھے۔ راستے میں ایک ایٹ نامی مقام سے دو کلو میٹر پیچھے دھول اُڑتی سی دکھائی دی۔ سبھی نے ایک ساتھ نعرہ لگایا۔ ''سر، وہ دیکھئے، رانی بھاگ رہی ہے۔ گھوڑوں کی دھول اُڑاتی ہوئی؟''

لیکن دھول دیکھ کر اُن کا افسر زیادہ خوش نہیں ہوا۔ اُس نے کوئی حیرت اور خوشی بھی ظاہر نہیں کی اور بے تاثر انداز سے اپنا گھوڑا دوڑاتا رہا۔ یہ چوری چھپے کا کھیل چلتا رہا۔ نوجوان فوجی افسر ہر بار رانی کے قریب پہنچ کر پھر جدا ہو جاتا تھا، ایک جونیئر افسر نے لیفٹیننٹ کو للکارا۔ ''سر، گولی چلائیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ گرفتار نہیں کی جا سکتی۔ اُسے گولی ماریئے...... گولی......''

''نہیں......'' لیفٹیننٹ چلایا۔ ''اُسے زندہ ہی پکڑنا ہے؟''

تعاقب کرنے والوں کی بندوقیں جھک گئیں۔ چوہے بلی کا یہ کھیل پھر شروع ہوگیا۔ جلد ہی لیفٹیننٹ رانی کے قریب پہنچ گیا۔ رانی کی سہیلی مُندر نے اس پر تلوار کا وار کیا۔ لیکن اس نے بڑی مہارت سے اس کا وہ وار خالی دیا...... دونوں کے درمیان فاصلہ پھر بڑھ گیا۔

اچانک بدحواسی میں لیفٹیننٹ چیخا...... ''منو! میری پیاری بہن! تم نے مجھے پہچانا؟ میں بوکر ہوں۔ تمہارا بھائی، تم نے مجھے راکھی باندھی تھی''۔

''ہاں! میں نے تمہیں پہچان لیا ہے''۔

''میں نے تمہیں ایک پستول بھی دیا تھا؟''

''بے شک دیا تھا'' رانی بولی۔ ''وہ اس وقت بھی میرے پاس موجود ہے''۔

''پھر کیا سوچ رہی ہو منو؟ میں نے تم سے کچھ کہا بھی تھا''؟

''فوراً رانی نے گولی چلائی جو شعلہ بن کر بوکر کی جانگھ میں پیوست ہوگئی اور وہ اُچھل کر گھوڑے سے زمین پر گر پڑا اور دھیرے سے بڑبڑایا۔ ''تم نے بہت اچھا کیا منو! تمہیں یہی کرنا چاہئے تھا میری بہن! یہی کرنے کیلئے تو میں نے تم سے کہا تھا...... تمہیں یاد دلایا تھا''۔ اور پھر وہ بے ہوش ہوگیا۔

تعاقب کرنے والوں کو رک جانا پڑا؟

بوکر کی زندگی تو بچ گئی۔ طویل معالجے کے بعد وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا۔ انقلاب ناکام ہوگیا۔ رانی بھی گوالیار میں اپنے خون کی آخری بوند تک لڑتی ہوئی شہید ہو کر زندہ جاوید ہوگئی۔

لیکن بوکر ترقی نہ پا سکا۔ اُس کا کیپٹن کے عہدے پر ترقی کا پروانہ جاری ہوگیا تھا۔ لیکن وہ اس سے پہلے ہی فوج سے استعفیٰ دے کر انگلینڈ اپنی ماں کے پاس جا چکا تھا کبھی نہ آنے کیلئے......!

گنگا کا عشق

۱۲۵ ویں نیپئرس رائفل کا پہلا بگل بجتے ہی کرنل بینسلے اپنے کمرے سے نکل پڑا تھا۔ شروع نومبر کے اس کہر آلود موسم میں مالوہ کے آخری سرے تک پھیلی ہوئی پہاڑیوں کے پیچھے قرمزی، اُودے اور گلابی رنگ کے عکس جھلملا رہے تھے، سرد ہوا میں رچی بسی مٹی کی خوشبو کرنل بینسلے کے جسم میں بجلیاں سی بھر رہی تھی۔

اچانک ہلکی سی آہٹ ہوئی، بینسلے چپ چاپ، دبے پاؤں پیڑوں کے پاس چلا آیا۔ کالی لکڑی کے باڑے سے ایک خرگوش باہر جھانک رہا تھا۔ دوسرا خرگوش سائیس مشتاق علی کی گود میں تھا۔ مشتاق علی اُسے سہلا رہا تھا۔ جیسے اُون کے گولے پر ہاتھ پھیر رہا ہو۔

کرنل کو اپنی طرف آتا دیکھ کر مشتاق علی گھبرا گیا۔ کیونکہ کرنل بے حد رعب و دبدبے والا آدمی تھا۔ اسی گھبراہٹ کے عالم میں مشتاق علی نے سیلوٹ کیا۔

''گھوڑا تیار ہے مشتاق علی؟'' کرنل نے پوچھا۔

''ہاں حضور تیار ہے۔'' کہتے ہوئے بڑے ادب سے مشتاق علی نے عربی گھوڑے صفدر کی لگام کرنل کے ہاتھ میں تھما دی۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ''میں بھی چلوں حضور؟''

''نہیں!'' کرنل بینسلے نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہم اکیلے ہی جائیں گے۔ خانساماں سے بول دینا ہمارا ناشتہ آج کیپٹن ملوتی کے یہاں ہوگا؟''

صفدر سم ٹیک رہا تھا۔ بینسلے نے اُس کے پٹھے پر ہاتھ رکھا اور بیٹھ گیا۔ صفدر کی لگام تک کھینچنے کی بینسلے کو ضرورت نہیں پڑی۔ آناً فاناً وہ احاطے سے باہر نکل گیا اور چھاؤنی کی سڑک پر سرپٹ دوڑنے لگا۔

یہ شروع 19 ویں صدی کی کہانی ہے۔ اس وقت ہندوستان کے چپے چپے پر قاتل پنڈاریوں کا صفایا کرنے کیلئے کمپنی بہادر کی ایک سو 25 ویں نیپئرس رائفل کے دستے نے ہوشنگ

آباد میں نرمدا ندی کے کنارے اپنا ڈیرہ ڈال رکھا تھا۔ پیشوا دفتر کی فائیلوں میں بند اپنی رپورٹ میں لیفٹیننٹ ویلنٹائن بلیکر نے لکھا تھا ''موت کے ان سوداگروں کی کوئی شناخت نہیں ہے، لیکن ان کے چہروں پر لکھی ہوئی عبارت بخوبی پڑھی جاسکتی ہے۔ سارا ملک جیسے لوٹ کھسوٹ اور خونریزی کے جنون میں مبتلا ہے۔''

مغلیہ سلطنت کا زوال تھا۔ سینکڑوں، ہزاروں تنازعات کی وجہ سے ملک بکھر رہا تھا۔ اس ٹوٹتے ہوئے ملک میں سینکڑوں راجہ و نواب تھے۔ لیکن سب کی گدی ریت کی دیوار پر ٹکی ہوئی تھی، سبھی آپس میں لڑجھگڑ رہے تھے، کسی نے زمین کی خاطر، کسی نے مذہب کی خاطر تو کسی نے اور لالچ کے تحت ہتھیار اٹھا رکھے تھے۔ اس وقت سب سے زیادہ خونخوار پنڈاری تھے۔

آخر ان خونخوار لٹیروں کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے کاٹ کر پھینک دیا۔ پھر بھی آخری پنڈاری چتو باقی بچا رہ گیا تھا جس کے صفائے کیلئے کرنل بینسلے کو تعینات کیا گیا تھا۔ کرنل بینسلے نہ صرف اپنے رسالے کا سالار تھا بلکہ اُسے ہوشنگ آباد کا ڈپٹی کمشنر ہونے کا اعزاز بھی حاصل تھا۔

کرنل بینسلے کی سخت مزاجی کا دور دور تک شہرہ تھا۔ دبدبے اور رعب کے ساتھ ساتھ اُس کے بشرے سے ایک پروقار احساس برتری کا اظہار ہوتا تھا۔ یہ 30 سالہ بااصول انگریز افسر پنڈاریوں کے دماغ درست کرنے کے علاوہ ان کے خیر خواہوں کی خبر لیتا رہتا تھا۔ اس کی کچہری اتوار اور دیگر مخصوص چھٹیوں کو چھوڑ کر روزانہ ٹھیک دس بجے شروع ہو جاتی تھی۔ بیچ میں ایک گھنٹے کا وقفہ رہتا تھا۔ پھر بلاناغہ شام پانچ بجے تک اجلاس چلتا رہتا تھا۔ حاکم کی کرسی پر بینسلے پوری مستعدی سے بیٹھا اور ہاتھ میں دبے ہوئے کوڑے کو لہراتا رہتا مجرموں کو سزا سنانے کے بعد وہ خود ہی کوڑے سے ان کی خبر لیتا اور پھر جیل بھجوا دیتا۔ بینسلے کی اس سختی اور دہشت سے پورا ہوشنگ آباد تھرایا ہوا تھا۔

اُس دن صبح 4 بجے کے قریب معمول کے مطابق بینسلے اپنے سفید گھوڑے صفدر کی پشت پر سوار کمر سے ریوالور لٹکائے دیہاتوں کی طرف گشت لگا رہا تھا۔ ہوشنگ آباد کافی پیچھے چھوٹ گیا تھا۔ تقریباً 12-10 میل بعد بدھنی کی پہاڑیاں شروع ہوگئی تھیں...... چاروں طرف گہرا سناٹا تھا اور ویسا ہی گہرا سکوت، جنگلی پھولوں کی مہک چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

اس وقت بینسلے کے ذہن میں آخری پنڈاری چتو کے بارے میں خیال گردش کر رہا تھا۔

گورنر جنرل ہیسٹنگس سے دو دو ہاتھ کرنے کی حسرت چنتو کے دل میں بھی باقی تھی۔ صرف اسے موقع کا انتظار تھا۔ وہ سون پکھ سے لے کر شاہجہانپور تک سڑکوں کو صاحبوں کا قبرستان بنا دینا چاہتا تھا، ہیسٹنگس، مالکم، آکڑلونی، اسمتھ، ہیتھ اور بینسلے سبھی کو چنتو دفن کر دینا چاہتا تھا۔ تبھی بینسلے کے خیالات، منتشر ہو گئے، کوئی زور سے چیخا تھا......؟

آواز کسی عورت کی تھی اور مدد کی دہائی دے رہی تھی۔ ''بچاؤ۔ بچاؤ۔''

بینسلے نے صفدر کی لگام کھینچ لی۔ گھوڑا روک کر بینسلے نے چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ پاس ہی سڑک سے تھوڑا ہٹ کر جھاڑیوں کے پیچھے، ہلچل سی ہو رہی تھی۔ اب عورت کے حلق سے نکلنے والی تیز آواز بھنچی بھنچی صورت اختیار کر گئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کچھ ہاتھ مل کر اُس کا منہ دبانے کی کوشش کر رہے ہوں۔

''کون ہے ان جھاڑیوں میں، سامنے آؤ'' بینسلے نے للکارا۔

اس للکار کا اثر فوری ہوا۔ جھاڑیوں کے پیچھے سے نکل کر 12-10 آدمی سامنے آگئے۔ ان کے ساتھ ایک کمسن حسینہ بھی تھی، وہ سہاگ کے سرخ جوڑے میں تھی۔ عمر یہی کوئی 17-16 سال رہی ہوگی۔ بڑی بڑی مخمور آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ پیشانی پر جھولتا سونے کا جھومر ترچھا ہو گیا تھا۔ مانگ میں بھرا سیندور بکھر سا گیا تھا۔ کپڑے بے ترتیب تھے۔ لال لال پیر دھول سے اٹے ہوئے تھے؟

بینسلے کو دیکھ کر وہ گڑگڑائی۔ ''ہمیں بچالو صاحب! ہماری حفاظت کرو؟''

''بینسلے کو حیرت ہوئی۔ میلوں دور تک پھیلے ہوئے بیابان جنگل میں گہنوں سے لدی پھندی اکیلی دلہن اور اس کے پیچھے پڑے ہوئے یہ لوگ جو اُس کی بے چارگی کا فائدہ اٹھانا چاہ رہے تھے۔

بینسلے نے اپنے ہاتھ کا کوڑا ہوا میں لہرایا اور پھر کڑک کر بولا۔ ''ایک ایک کی کھال ادھیڑ دوں گا۔ اکیلی عورت کو لوٹنے چلے تھے...... جیل بھجوا دوں گا۔''

''ہم لٹیرے نہیں ہیں صاحب!'' ان میں سے ایک شخص آگے بڑھ کر بولا اس کے کپڑے بھی دھول میں اٹے ہوئے تھے۔ 55-50 سال کی عمر رہی ہوگی۔ اس شخص کے سر پر پگڑی اور ماتھے پر تلک تھا۔ ایک لمحہ ٹھہر کر وہ بولا۔ ''یہ میری بیٹی گنگا ہے حضور! لگن منڈپ سے بھاگ کر آئی ہے۔ دولہا سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔''

''شادی نہیں کرنا چاہتی، کیوں؟ ماجرہ کیا ہے؟'' کرنل نے حیرت سے پوچھا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ وہ پاس ہی کے گاؤں پیپریا کلاں کا رہنے والا بوڑھا کاشتکار ماتادین تھا۔ اُس کی اکلوتی بیٹی گنگا کی شادی پچھلی رات ہونے والی تھی۔ لیکن اس کا ہونے والا دولہا آنکھ سے بھینگا تھا اور لنگ کر کے چلتا تھا۔ عمر بھی زیادہ تھی۔ 45-40 کے لپیٹے میں تھا۔ رات لگن منڈپ میں پھیرے پڑنے سے پہلے گنگا نے گھونگھٹ کی اوٹ سے اپنے ہونے والے دولہا کو دیکھا تو کانپ اٹھی تھی، یہ تو اُسے معلوم ہوگیا تھا کہ یہ اُس کی تیسری شادی تھی اور اُس کی جوان جوان اولادیں موجود تھیں۔ لیکن اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اتنا بوڑھا، بھینگا اور لنگڑا بھی ہے۔ جب کہ گنگا اپنے گاؤں کی سب سے خوب صورت لڑکی تھی۔ اُسے اپنی جوانی اور خوب صورتی کا بھی احساس تھا۔ پل پل سسک سسک کر زندگی گزارنے کے مقابلے میں گنگا نے نرمدا میں ڈوب کر جان دے دینا کہیں زیادہ بہتر سمجھا تھا اور اسی لیے شادی کے منڈپ سے بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ لیکن اسے اس کے بڑوں نے پکڑ لیا اور واپس گاؤں لے جانے لگے۔ گنگا واپس جانے کیلئے راضی نہیں ہورہی تھی اسی لیے جب اُس سے زور زبردستی کی گئی تو وہ مدد کیلئے چیخ پکار کرنے لگی تھی اور پھر کسی مسیحا کی طرح بینسلے اُس صبح اُس کی مدد کیلئے وہاں پہنچ گیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ وہ خود بخود اتنی دور نکل آیا تھا۔

درد بھری آواز میں گڑگڑاتے ہوئے گنگا نے بینسلے کے پیر پکڑ لئے۔ ''ہمیں بچالو صاحب! ہماری حفاظت کرو۔ نہیں تو یہ قصائی ہمیں مار ڈالیں گے۔''

بینسلے گھوڑے سے اتر پڑا اور بولا۔ ''تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ بے فکر رہو۔ پھر گاؤں والوں کی طرف مخاطب ہوکر اُس نے کہا۔'' یہ لڑکی تم لوگوں کے ساتھ واپس نہیں جانا چاہتی، اگر تم لوگوں نے زبردستی کی تو ایک ایک کی کھال اُدھیڑ دوں گا۔'' جب گاؤں والوں نے خاموش احتجاج کرنا چاہا تو گنگا پھر رونے لگی۔'' آپ حاکم ہو، یہیں ہمارے ٹکڑے کردو۔ ہمیں منظور ہے لیکن ہمیں گھر مت بھیجو صاحب۔''

بینسلے تذبذب میں پڑ گیا۔ بے شک وہ بے مثال حسینہ تھی۔ گاؤں واپس نہیں جانا چاہتی تھی، لیکن بینسلے اُسے مجبور نہیں کرسکتا تھا کہ وہ اپنے خاندان والوں کے ساتھ رہ سکے۔ یہ طے تھا کہ اگر وہ گاؤں والوں کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرتی تو وہ اُسے زندہ نہ چھوڑتے دوسری طرف گنگا کو بھی معلوم تھا کہ اُسے شادی کے منڈپ سے بھاگنے کی کیا سزا ملے گی۔

اسی دوران دو گھوڑوں والی ایک سفید بگھی وہاں سے گزری۔ ہوشنگ آباد کے سول سرجن ڈاکٹر برنارڈ، بن کھیڑی سے واپس آرہے تھے۔ سارا ماجرہ سنکر وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچے کہ جب گنگا اپنے گھر نہیں جانا چاہتی تو سرکاری ملازم ہونے کے ناطے بینسلے ہی اُسے اپنے تحفظ میں لے لیں۔

ڈاکٹر برناڈ کی بگھی میں بیٹھ کر گنگا ہوشنگ آباد چھاؤنی میں آگئی۔ ایک ہندو لڑکی کے اس طرح فرنگی کے گھر میں بیٹھ جانے کا بڑا عجیب و غریب ردعمل ہوا۔ مذہبی ہندوؤں نے اس معاملے کی شکایت کمشنر سنکلیئر صاحب سے کی اور کہا۔ ''بینسلے صاحب ہمارے دھرم میں مداخلت کرر ہے ہیں۔ ہم ہندو اسے برداشت نہیں کر سکتے۔''

معاملہ سچ مچ سنگین تھا۔ کمشنر سنکلیئر نے اس معاملے کو سنجیدگی سے لیا۔ کرنل کو طلب کیا گیا۔ لیکن کمشنر کے یہاں وہ اکیلا نہیں آیا۔ زری دار پالکی میں بیٹھ کر گنگا بھی سنکلیئر صاحب کے یہاں بینسلے کے ساتھ گئی۔ دیگر حکام اور وہاں موجود اعلیٰ حکام کے سامنے اس سلسلے میں جب بینسلے کی پیشی ہوئی تو گنگا اس کے ساتھ تھی۔ تب گنگا نے بے دھڑک کہا۔ ''ہم اپنی مرضی سے بینسلے صاحب کے یہاں رہ رہے ہیں۔ صاحب نے ہمارے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کی۔ زبردستی تو ہمارے ساتھ ہمارے گھر والے کرر ہے تھے۔ وہ ہماری مرضی کے خلاف ایک بھونڈے بوڑھے سے ہماری شادی کرر ہے تھے۔''

معاملہ صاف تھا۔ زبردستی گنگا کو نہیں روکا گیا تھا وہ اپنی مرضی سے بینسلے کی پناہ میں آئی تھی اور واپس جانا نہیں چاہتی تھی۔ کمشنر سنکلیئر صاحب نے ہندوؤں کا شکایت نامہ خارج کر دیا۔

ہوشنگ آباد واپس لوٹ کر بینسلے نے ایک پرتگالی پادری کو بلایا اور بائبل کو گواہ مان کر گنگا کے ساتھ شادی کر لی۔ شادی کے بعد بھی گنگا کا دھرم اور نام نہیں بدلا گیا۔ وہ برہمن تھی۔ نرمدا کے کنارے ڈپٹی کمشنر کا بنگلہ بنا تھا۔ اُس کے احاطے میں گنگا نے اپنی پوجا کیلئے ایک مندر بنوایا۔ تیوہاروں کے موقعوں پر پانی کا استعمال کرنے کیلئے ایک کنواں بھی کھدوایا۔ بینسلے نے گنگا کی عقیدت کا پورا احترام رکھا تھا۔ جب کبھی پوجا پاٹھ کے سلسلے میں کوئی پروگرام ہوتا یا پنڈت وغیرہ بلائے جاتے تو بینسلے اپنی جیب سے دان دکشنا دیتا۔

گنگا ہزار جان سے اپنے صاحب پر فدا تھی۔ بینسلے نے نہ صرف اُس کی حفاظت کی تھی بلکہ اسے اپنی بیوی کا درجہ بھی دیا تھا۔ وہ چاہتا تو بطور رکھیل بھی گنگا کو اپنے پاس رکھ سکتا

تھا۔ کون تھا انگلی اٹھانے والا؟ گنگا نے خود ہی تو اپنی مرضی سے اس کے ساتھ رہنا قبول کیا تھا لیکن گنگا کی عصمت کو بینسلے نے داغدار نہیں کیا اور اُسے باعزت اور پروقار درجہ دیا۔ وہ اُسے جی جان سے چاہنے لگا تھا۔ بینسلے کے مزاج کی تختی بھی گنگا سے شادی کے بعد کافی حد تک کم ہوگئی تھی۔ اُس نے اپنے ہاتھ کا کوڑا پھینک دیا تھا۔ زبان کی کڑواہٹ پر شیرینی غالب آگئی تھی۔

ہوشنگ آباد والے کہنے لگے تھے کہ گنگا بائی نے اپنی محبت سے صاحب کو پتھر سے موم دل بنا دیا تھا۔

تبھی 23/فروری 1919ء کو آخری پنڈاری چتو نے ہوشنگ آباد پر حملہ کیا۔

125 ویں نیپئرس رائفل کا پورا دستہ چتو کے مقابلے کیلئے تیار تھا۔ جس روز بینسلے لڑائی کے میدان کی طرف روانہ ہو رہا تھا گنگا نے اس کے ماتھے پر ہلدی کا ٹیکہ لگایا۔ اس کی آرتی اُتاری اور کہا۔ ''آپ فتح یاب ہو کر لوٹیں۔ بھگوان آپ کی حفاظت کرے۔''

کانا پور کے جنگلوں میں سچ مچ ہی دو دو ہاتھ ہوئے، لیکن فرنگی توپوں کے سامنے چتو کے سپاہی ٹک نہیں پائے، ان کے پیر اکھڑ گئے اور چتو مارا گیا۔ باگلی سے کانا پور جاتے ہوئے اُس کے خالی گھوڑے کو فرنگی سپاہیوں نے پکڑ لیا۔ گھوڑے کی کاٹھی سے سونے کی 3 انگوٹھیاں اور ڈھائی سو روپے برآمد ہوئے۔ خون سے لت پت ایک اونی کوٹ اور چتو کی تلوار بھی ملی۔ اس تمام سامان کی شناخت چتو کے بھائی نے کی جو گرفتار کر لیا گیا تھا۔

اقتدار کی اس جنگ میں فرنگیوں کی فتح کا سہرا کرنل بینسلے کے سر رہا، اس کی شجاعت اور جنگی حکمت عملی پر اُسے امپیریل سروس ٹروپ کا جنرل بنا دیا گیا جس کا صدر مقام انگلینڈ میں تھا، جہاں اُسے جلد ہی پہنچنے کا حکم دیا گیا۔

وطن واپس لوٹنے کے اس فرمان سے کرنل بینسلے کو خوشی ہوئی۔ لیکن اس بات کا رنج بھی ہوا کہ گنگا اپنا وطن چھوڑنا نہیں چاہتی تھی، اُس نے انگلینڈ جانے سے انکار کرتے ہوئے کہا۔

''ہندوستان ہمارا ملک ہے صاحب! ہم یہاں پیدا ہوئے ہیں، یہیں ہماری چتا بھی جلے گی۔''

بینسلے نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن گنگا اپنے ارادے سے ٹس مس نہیں ہوئی۔ بینسلے نے کہا۔ ''ہم اگر تمہیں یونہی چھوڑ کر چلے گئے تو تمہارا یہاں کون ہے۔ ہمارے بعد ہندو تمہیں چین سے جینے نہیں دیں گے۔ ہمیں یہ دکھ ستاتا رہے گا۔ ہم اتنے سنگدل نہیں

ہیں کہ تمہیں اپنے پیار کی خاطر وطن چھوڑنے پر مجبور کریں۔ مگر بعد میں تمہاری پریشانیوں کا تصور کر کے ہم ابھی سے فکرمند ہیں، اب تمہیں تمہارے لوگ ادھرم سمجھتے ہیں تمہیں ہندو ماننے کو تیار نہیں۔''

بینسلے کی ہمدردی اور پیار کے جذبے نے گنگا کو تڑپا دیا۔ وہ روتے ہوئے بولی۔ ''کوئی راستہ آپ ہی نکالو صاحب! ہمارے یہاں رہنے کا آپ ہی کوئی بندوبست کرو۔ آپ بہت عظیم ہو۔ بڑے دل والے ہو۔''

بینسلے کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

دوسرے روز بینسلے نے اپنے سائیس مشتاق علی کو اپنے سامنے طلب کیا اور کہا۔ ''ہمارا وہ کوڑا تلاش کرو جو ہم نے عرصہ پہلے اپنے ہاتھ سے پھینک دیا تھا اور لچک دار بنانے کیلئے اُسے خوب تیل پلاؤ، تا کہ اس کی چوٹ آسانی سے کھال اُدھیڑ سکے۔''

مشتاق علی اپنے صاحب کا یہ حکم سن کر گھبرا گیا۔ صاحب کے سنگین تیور دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ یقیناً کوئی انہونی ہوئی ہے۔

''اور سنو۔'' بینسلے کی آواز نے مشتاق علی کو جھنجوڑا۔ ''علاقے کے سارے برہمنوں کو ہماری طرف سے دعوت ہے، ہمارے بنگلے پر دو وقت کا کھانا ہوگا۔ اگر کسی نے ہماری دعوت قبول نہیں کی تو اُسے سزا دی جائے گی۔''

پھر برہمنوں میں اس حکم سے کھلبلی مچ گئی۔ سب پر ایک قسم کی دہشت طاری تھی۔ بینسلے کا حکم ماننے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ دعوت میں شریک نہ ہونے کی صورت میں اُن پر جو عتاب نازل ہوتا۔ وہ اس عتاب سے بخوبی واقف تھے؟

بینسلے نے اپنے بنگلے اور اس کے پاس برہمنوں کے بیٹھنے کا معقول انتظام کیا۔ بھٹیاں تیار کی گئیں، باورچی لگا دیئے گئے۔ گرم پوریاں، دہی کا رائتہ، دال، سبزی اور اس کے ساتھ ہی میٹھے میں موتی چور کے لڈو بنوائے گئے۔ بینسلے نے جی کھول کر ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ کھوج کھوج کر ایک ایک برہمن لایا گیا اور اسے عزت سے بٹھایا گیا۔ سارا انتظام اور دیکھ بھال سپاہیوں کے سپرد تھی اور خود بینسلے اپنے ہاتھ میں تیل پلایا سیاہ کوڑا تھامے مہمانوں کی قطاروں کے درمیان گشت کر رہا تھا۔ اُس کی تیز نظروں میں ایک ایک برہمن کا چہرا تھا۔ اس نے اس بات کا پہلے ہی سخت انتظام کر رکھا تھا کہ کوئی برہمن اس کی نظر بچا کر وہاں سے کھسکنے میں کامیاب نہ

ہو سکے؟

سہاگنوں کے لباس میں جب گنگا اپنے ہاتھ میں پوریوں کی ٹوکری لے کر مہمانوں کے درمیان نمودار ہوئی اور اُس نے اپنے مہندی رچے ہاتھوں سے کھانا پروسنا شروع کیا تو برہمن مہمانوں نے جن میں بھی اُس کے اپنے تھے۔ اپنی برادری کے تھے۔ اپنے ہاتھ سمیٹ لئے۔ بھلا وہ ایک ادھرم، بے دین عورت کے ہاتھ کا کھانا کیسے کھا سکتے تھے، ان کا دھرم جو بھرشٹ ہو جاتا۔ کسی نے ایک نوالہ بھی نہیں توڑا......

کھانے کی ایسی بے حرمتی دیکھ کر کرنل بینسلے بھڑک اٹھا۔ اس نے اپنا کوڑا ہوا میں لہرایا اور چلایا۔ ''کھاؤ۔ گنگا کے ہاتھ کا پروسا کھانا کھاؤ، ورنہ کسی کو زندہ نہیں جانے دوں گا۔''

خون کا سا گھونٹ پی کر برہمنوں نے فرنگی کی ہندو بیوی کے ہاتھ سے اتارا گیا کھانا اپنے حلق سے نیچے اتارنا شروع کیا، مارے بے عزتی کے ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے مگر رونے کی آواز نہیں نکل رہی تھی، کیونکہ انھیں اس کا ڈر بھی تھا کہ ذرا آواز نکلی اور صاحب کا کوڑا چمکا......

اس کے بعد صاحب نے حکم دیا۔ ''گنگا! اپنے ہاتھوں سے اپنے کنویں کا پانی مہمانوں کو پلاؤ۔''

مٹی کے کلہڑوں میں بھر بھر کر گنگا نے برہمنوں کو پانی دیا۔ مجبوراً انھیں وہ بھی پینا پڑا۔ کھانا ختم ہونے کے بعد بینسلے نے مہمان برہمنوں کو مخاطب کیا۔ ''گنگا ہماری بیاہتا بیوی ہے۔ یہ جان لو تم لوگ، اس کے ہاتھ کا پروسا کھانا اور اس کے ہاتھ کا چھوا پانی تم لوگوں نے کھا پی لیا ہے۔ لہٰذا آج سے تم سب گنگا کی برادری میں شامل ہو۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اب گنگا تمہارے لیے اچھوت نہیں ہے، اب وہ پھر تمہاری اپنی ہے۔ تمہارے گاؤں کی بیٹی ہے، اس کے باوجود اگر کسی نے بھی گنگا کو پریشان کیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ یہ مت سمجھنا کہ اب بینسلے صاحب یہاں نہیں ہیں۔ یہ مت خیال کرنا کہ گنگا اکیلی ہے۔ اگر تم نے ایسا سمجھا اور مجھے شکایت ملی تو پھر تمہاری خیر نہیں، میں ولایت میں بیٹھ کر بھی یہاں تم سب کے سروں پر مسلط رہوں گا اور میرا ہلکا سا اشارہ تمہارے لیے عذاب بن جائے گا۔ سمجھ گئے تم سب۔''

اتنا کہہ کر کرنل بینسلے گنگا کی طرف مڑا۔ ''تم اس ساری جائیداد کی وارث ہوگی۔ یہاں

میرا سب کچھ تمہارا ہے۔ سارے ضروری کاغذات تیار ہیں۔ جو تمہیں مل جائیں گے۔"

اپنی محبوب بیوی کو دوبارہ اُس کی برادری سے جوڑ کر بیٹسلے انگلینڈ چلا گیا جہاں 1843ء میں گولی لگنے سے اُس کی موت ہوگئی لیکن گنگا 1857ء کے غدر کے بعد بھی کئی سال زندہ رہی، مدتوں سہاگ کے جوڑے میں ملبوس، سولہا سنگھار کیے۔ ہاتھوں میں مہندی رچائے گنگا اپنے صاحب کے بنگلے کے احاطے میں کنوئیں کی مینڈھ پر بیٹھی دکھائی دیتی رہی۔

ہوشنگ آباد کے کلکٹر کے بنگلے میں گنگا کا صدیوں پرانا وہ کنواں آج بھی موجود ہے جو اس تاریخی کردار کی یاد دلا دیتا ہے جس کی بے لوث محبت کی داستان کہیں ماضی کے غبار میں کھوگئی ہے۔

جانِ عالم

۱۸۵۶ء میں بنگال کی چھاؤنی بیرک پور میں جہاں بنگال نیٹو انفریٹری کا جم گھٹا تھا۔
ایک دن چھٹی سے لوٹے سپاہی دیوی دین پاٹھک نے صوبے دار رام منگل تیواری سے کہا...... ''کانوں سنی نہیں، آنکھوں دیکھی کہہ رہا ہوں سردار صاحب! اودھ کے نواب واجد علی شاہ کو فرنگیوں نے گدی اُتارا ہی نہیں بلکہ لکھنؤ بدر بھی کر دیا ہے، ہائے کیا منحوس دن تھا وہ جب ہمارے نواب صاحب لکھنؤ چھوڑتے وقت اپنی ہی بنائی ہوئی ٹھمری گاتے جا رہے تھے اور روتے بھی جا رہے تھے...... بابل مورا نیہر چھوٹو جائے۔''

صوبے دار رام منگل تیواری سن کر سناٹے میں رہ گئے، بولے...... ''بیرک پور کی پلٹنوں کے سپاہی زیادہ تر اودھ سے آئے ہیں اور تعجب ہے ہمارے اودھ کے نواب کو ہی فرنگیوں نے گدی سے اُتار دیا، نواب صاحب کی فوج کے سپاہی بھی برخاست کر دیئے گئے ہوں گے۔ اُن کے پیٹ پر بھی لات ماری فرنگیوں نے، نہیں، نہیں اودھ کی پرجا یہ برداشت نہیں کرے گی۔ جلدی ہی زلزلہ آئے گا لکھنؤ میں بھیانک زلزلہ......''

صوبے دار رام منگل کی پیش گوئی سچ ثابت ہوئی۔

اودھ کی فوج کے برخاست شدہ سپاہی بیروزگار ہو کر بلبلا اٹھے۔ ظلم کی بھی حد تھی کوئی اور پھر سب طرف سے جیسے یہ آواز بلند ہوئی۔

ظلم کب تک سہا کرے کوئی
مر نہ جائے تو کیا کرے کوئی

اور پھر ایک دن لکھنؤ میں واقعی زلزلہ آ گیا۔ ہزاروں سپاہیوں کا مجمع اور ہوا میں لہرتی ننگی تلواریں، جدھر دیکھو ادھر چمکتی شمشیریں اس حالت کو دیکھ کر انگریز فوج کا سربراہ سر ہینری لارینس چونکا، فوراً ہی اُس نے لکھنؤ فیض آباد روڈ پر واقع چنہٹ گاؤں میں

مورچہ سنبھال لیا، لیکن مشتعل سپاہیوں کے ایک ہی ریلے نے اُس کے پاؤں اکھاڑ دیے، اُس کے بعد لارنس نے سب انگریزوں کو لکھنؤ ریذیڈنسی میں طلب کرلیا اور پھاٹک بند کرادیے۔

اُدھر فاتح سپاہی دستہ لکھنؤ میں دھوم دھڑاکے سے داخل ہوا، انھوں نے سب سے پہلے نواب واجد علی شاہ کی بیگموں کے آگے نعرہ بلند کیا...... "آپ ہمارے سر پر ہاتھ رکھیں اور ہماری کمانڈر بن جائیں، دیکھیے گا، ہم فرنگیوں کو اودھ سے نکال پھینکیں گے۔"

ٹھمری، دادروں سے واقف نازک مزاج بیگمات جنگ کی باریکیاں کیا جانیں۔ سبھی نے مجبوری ظاہر کر کے سر جھکا لیے، سپاہی دستہ مایوس ہوگیا۔ تبھی مجمع میں سے کوئی چلایا......"سنو بھائیو! صرف ایک بیگم ایسی ہیں جو ہماری دُرگا بن سکتی ہیں۔"

سب نے پُرجوش اور متجسس ہوکر اُس کی طرف دیکھا۔ "کون ہے وہ، نام بتاؤ اُن کا؟"

وہ شخص باہر نکل کر بولا......"بیگم حضرت محل۔"

بیگم حضرت محل ایک شریف زادی تھیں۔ رگوں میں خون کی گرمی تھی۔ نواب واجد علی شاہ نے اُن کی حسین صورت ہی نہیں بلکہ نیک سیرت کا بھی اندازہ لگایا تھا، تبھی تو انھیں "محل پری" کا خطاب دیا تھا۔ پھر آگے چل کر وہ اُن کی خاص الخاص چہیتی بیگم بن گئی تھیں۔

واجد علی شاہ اور حضرت محل کا جب بیٹا پیدا ہوا تھا تو اُس کا نام بھی چھانٹ کر رکھا گیا تھا...... برجیس قدر...... ایک بار ہنسی ہنسی میں واجد علی شاہ نے حضرت محل سے کہا تھا......

"اللہ نہ کرے، کل ہمارے اوپر کوئی بدنصیبی کا پہاڑ ٹوٹے تو کیا پھر بھی آپ ہمارا ساتھ دیں گی۔"

"آپ کی محبت کی قسم جانِ عالم......" حضرت محل بولی تھیں......"اُس بدنصیبی کے خلاف میں شمشیر اٹھالوں گی اور جب تک جسم میں جان ہوگی، آپ کیلئے لڑوں گی۔"

اور آج وہ گھڑی آگئی تھی۔

سپاہیوں کا جوش وخروش دیکھ کر بیگم حضرت محل تلوار لے کر اُن کے ساتھ آ ڈٹیں، یہی نہیں انھوں نے برجیس قدر کو اودھ کا نواب بھی مقرر کر کے اس کا اعلان کردیا۔

بیگم حضرت محل نے منتخب شدہ ماہر لوگوں کو اپنا مشیر اور صلاح کار بنایا اور دس ماہ تک لکھنؤ میں دھاک جما کر لکھنؤ ریذیڈنسی میں محصور انگریزوں کو ساڑھے بارہ ہفتے تک خوفزدہ رکھا، جیسے

چوہوں کو بل میں بند کر دیا گیا ہو، اتنا سب کرنے پر بھی سپاہیوں کے اس اتھاہ سمندر کو وہ باندھ نہیں سکیں۔ سپاہیوں کو جنگی مہارت کا بہت تھوڑا سا علم تھا۔ جنگی ماہرین تو اُن کے انگریز افسر تھے جو چال چلتے اور سپاہی اُن کے ہدایات کے مطابق بڑھتے تھے، کاش اُس وقت جنگی ماہر ہوتے تو اُس وقت بیگم حضرت محل نے انگریزوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا ہوتا۔

ویسے حضرت محل نے کانپور کے نانا صاحب فیض آباد کے مولوی احمد اللہ شاہ اور شہزادہ فیروز سے رابطے و امداد کا سلسلہ بھی قائم کر رکھا تھا۔ مگر حقیقت تو یہ تھی کہ انگریز جنگی چالوں اور سیاسی سازشوں میں ہندوستانیوں سے کہیں آگے تھے۔ جس کے نتیجے میں ایک دن انگریز کمانڈر سر کالن کیمبل انگریزی فوج لے کر لکھنؤ میں داخل ہو گیا۔ ہندوستانی سپاہی جی جان سے لڑے، مگر جنگ کی شطرنجی چالوں کے باریک نکتوں سے وہ ناواقف تھے، لہٰذا کیمبل عالم باغ سے گھس کر دلکشا کی جانب بڑھنے لگا۔ دلکشا کے بعد تو پھر لا مارٹینیر، بیگم کوٹھی، سکندر باغ، ایک کے بعد ایک مقام اُس کی جھولی میں گرنے لگے، موتی محل پر حملہ ہونے سے قبل بیگم حضرت محل خود ہاتھی پر سوار ہو کر جنگی مورچے پر آ کر لڑیں، انھیں دیکھ کر سپاہیوں کا حوصلہ بڑھا اور وہ آر پار کی جنگ لڑنے لگے، چار دنوں تک موت نے وہاں رقص کیا۔

انگریزوں کے تقریباً پانچ سو گورے افسر و جنگجو مارے گئے۔ کالن کیمبل بھی زخمی ہوا، اتنا سب کچھ ہونے پر بھی بیگم کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ سولہ ہزار سپاہیوں اور توپ خانے سمیت بیگم حضرت محل نے لکھنؤ سے بھاگ کر گھاگھرا ندی پار کر کے بہرائچ میں واقع بونڈی کے قلعے میں پناہ لی۔

اسی درمیان ایسٹ انڈیا کمپنی کے کاروبار کو ملکہ وکٹوریہ نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ اُس کے بعد وکٹوریہ نے اعلان کروایا...... ''جو معافی طلب کرے گا، اُسے معاف کر دیا جائے گا۔''

اسی کے تحت بیگم حضرت محل کے پاس بھی پیغام آیا...... ''جو ہوا سو ہوا، واپس آ جاؤ، تمہیں معافی ملے گی اور اس کے ساتھ معقول پنشن بھی۔''

لیکن خود دار بیگم نے یہ پیش کش ٹھکرا دی۔ اپنے اس قدم کا انجام بھی وہ جانتی تھی۔ اس لیے دسمبر ۱۸۵۸ء میں وہ اپنی بچی کھچی فوج کو لے کر بونڈی کے قلعے سے ہمالیہ کی ترائی کے گھنے جنگلوں میں پناہ لینے چلی گئیں۔

بیگم نے چند ماہ ترائی میں کاٹے، انگریزی فوج اُن کا مسلسل تعاقب کررہی تھی۔لہٰذا بیگم حضرت محل نے انگریزوں کے ہی دوست رانا جنگ بہادر کے ملک نیپال میں داخل ہونے کا فیصلہ کرلیا۔انگریزوں نے رانا جنگ بہادر کو خبردار بھی کیا ہوا تھا کہ کہیں بھاگی ہوئی بیگم نیپال میں پناہ لے۔رانا جنگ بہادر تذبذب میں مبتلا ہوگئے۔انھوں نے اپنی رانی کو یہ سب کچھ بتایا تو وہ بولی......''وہ مسلمان عورت بلاشبہ بہادر سپاہی ہے۔مانا کہ وہ جنگ ہارگئی ہے۔ مگر حوصلہ نہیں ہاری ہے۔میرے خیال سے وہ تعظیم کی مستحق ہے،اس لیے جتنی ممکن ہو،اُن کی مدد کیجئے۔''

رانا کو اپنی رانی کی بات پسند آگئی۔انگریزوں کی تنبیہ کی پروانہ کرتے ہوئے بھی رانا نے بیگم حضرت محل کا استقبال کیا اور انھیں مالی مدد بھی دی۔

کاٹھ مانڈو میں ایک معمولی سے مکان میں بیگم رہنے لگیں۔رانا نے شہزادہ برجیس قدر کی جیب خرچ کیلئے پانچ روپیہ ماہوار مقرر کردیا،بیگم نے جب یہ دیکھا تو آسمان کی جانب تکتے ہوئے اپنی بادامی آنکھوں سے دو موتی ٹپکاتے ہوئے کہا......''ہمیں یہ دن بھی دیکھنا تھے۔''

پھر ۱۸۶۹ء میں بیگم حضرت محل نے برجیس قدر کی شادی دہلی کے شہزادے مرزا داؤد کی بیٹی مختیارن سے کردی،سسرال میں بہو کا نام ماہتاب آرا رکھا گیا۔

مارچ ۱۸۵۶ء میں نواب واجد علی شاہ لکھنؤ کو چھوڑتے وقت رو پڑے تھے۔روتے ہوئے انھوں نے اپنی ہی بنائی ہوئی ٹھمری گائی تھی۔''بابل مورا نیہر چھوٹو جائے۔''لکھنؤ سے کانپور،بنارس ہوتے ہوئے وہ کلکتہ آپہنچے۔کلکتہ میں انھوں نے مٹیا برج،موچی کھولے میں مہاراجہ بردوان کی کوٹھی دو ہزار روپے ماہوار کرائے پر حاصل کرلی۔اس کے بعد گورنر جنرل نے مٹیا برج میں ہی چار سرکاری کوٹھیاں انھیں اور دیدیں،ان کوٹھیوں کے اردگرد چھ سات میل کے دائرے میں خالی میدان تھا۔

کچھ عرصے بعد نواب واجد علی شاہ نے مہاراجہ بردوان کی کوٹھی خالی کردی اور الاٹ کوٹھیوں میں منتقل ہوگئے۔اپنی رہائش کیلئے انھوں نے اُن میں سے ایک بڑی کوٹھی کا انتخاب کیا، جس کا نام''سلطانہ خانہ''رکھا،باقی کوٹھیوں کے نام''اسد منزل''''شاہ منزل''اور''مرصع منزل'' رکھے گئے۔

کچھ ہی عرصے میں مٹیا برج میں ایک دوسرا لکھنؤ آباد ہوگیا۔شکل وصورت،وہی رنگ

ڈھنگ، وہی رہن سہن راگ رنگ، بول چال اور وہی تہذیب وتمدن......

واجد علی شاہ کے کلکتہ آنے پر شہر بھر میں اُن کی خوشبو پھیل گئی تھی۔ شام کو وہ چار گھوڑوں کی بگھی میں سوار ہوکر نکلتے بنگال کے نئے نئے بنے رئیس اور راجہ اُن سے میل جول بڑھانے کی تاک میں رہنے لگے۔ ایسے ہی کسی بڑی محفل میں واجد علی شاہ کی ایک نئے راجہ صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ جنھوں نے انھیں اپنے ماربل پیلس نامی عجائب گھر پر مدعو کیا۔ راجہ نے نواب صاحب سے درخواست کی...... ''جانِ عالم! میرے یہاں چھپن قسم کے سنگ مرمر ہیں۔ ولائتی مصوروں کی اصلی پینٹنگس ہیں۔ نایاب مجسمے اور عجیب وغریب جانور بھی ہیں، مثلاً سفید کوا وغیرہ......''

نواب واجد علی شاہ متاثر ہوئے۔ انھوں نے حال ہی میں طرح طرح کے جانوروں کا ایک ''زو'' بنایا تھا۔ مصاحبوں نے اپنی مٹھیاں گرم کرنے کے چکر میں اناپ شناپ جانور و پرندے خرید دیئے تھے۔ ایک فن کار نے انھیں گدھ کا ایک جوڑا پچاس ہزار روپے میں فروخت کیا تھا۔ جب قریب قریب سبھی جانور نواب صاحب کے باغ نما ''زو'' میں آگئے تو ایک مصاحب باادب ہوکر بولا...... ''حضور، سبھی جانور آپ کے اس عجائب باغ میں موجود ہیں مگر گدھا کہیں نظر نہیں آتا۔

واجد علی شاہ نے یہ سن کر گدھے کا بھی ایک جوڑا باغ میں چھڑوا دیا۔ نواب صاحب کے اسی شوق کی بھنک پاکر ہی ماربل پیلس والے راجہ صاحب نے اُن سے جان پہچان بڑھائی اور اپنے یہاں مدعو کیا۔ واجد علی شاہ اُن کے گھر گئے اور اُن کی چیزوں کی تعریف بھی کی۔ اس کے بعد آنا جانا شروع ہوگیا۔ ایک دن بنگالی راجہ بولے...... ''حضور، کل ایک سرخاب ہاتھ لگا ہے، واہ! کیا پرندہ ہے۔ بیان نہیں کرسکتا۔''

واجد علی شاہ نے بھی سرخاب کو دیکھا اور اس کی کافی تعریف کی۔ جب واجد علی شاہ واپس جانے کیلئے اپنی بگھی میں سوار ہونے لگے تو بنگالی راجہ نے وہ سرخاب معہ پیتل کے پنجرے کے انھیں پیش کردیا۔ بولے...... ''آپ کو یہ پسند آیا ہے، اس لیے آپ کی نذر کررہا ہوں۔''

واجد علی شاہ بہت خوش ہوئے اور سرخاب کو لے کر چلے گئے۔

دوسرے دن راجہ کا ایک کارندہ واجد علی شاہ کی کوٹھی میں آیا۔ اُس نے راجہ صاحب کا تحریر کردہ ایک رقعہ اندر بھجوایا جس میں درج تھا ''سرخاب کی قیمت دس ہزار روپے ہے۔''

واجد علی شاہ نے سنجیدہ ہو کر کچھ سوچا، پھر منشی کو بلا کر کہا...... ''اس شخص کو دس ہزار روپے دے کر رسید لے لو۔''

کارندے کو دس ہزار روپے دیدئے گئے۔

اُس دن کے بعد واجد علی شاہ بنگالی راجہ کے یہاں کبھی نہیں گئے۔ جب کافی دن گزر گئے تو بنگالی راجہ صاحب ایک دن خود اُن کی کوٹھی میں حاضر ہوئے۔ خادموں نے انھیں مہمان خانے میں بٹھا کر واجد علی شاہ کو خبر دی...... ''حضور، بنگالی راجہ صاحب آئے ہیں۔''

واجد علی شاہ مہمان خانے کے دروازے پر آکر اپنے ملازم سے بلند آواز میں بولے......

''اُن سے کہہ دیجئے، ہم چڑی ماروں سے نہیں ملا کرتے۔''

بنگالی راجہ صاحب منہ لٹکا کر چلے گئے۔ کسی نے سچ کہا ہے، مرا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔

واجد علی شاہ نے اپنی ناک پر کبھی مکھی نہیں بیٹھنے دی، ایسے ہی ایک دن اُن کے یہاں جے پور سے ایک عطر فروش آیا اور انھیں طرح طرح کے عطر دکھانے دسنگھانے لگا، تبھی اندر سے پانچ چھ سال کا ایک شہزادہ وہاں آگیا اور عطر کی چھوٹی چھوٹی شیشیوں سے کھیلنے لگا، عطر فروش یہ دیکھ کر بولا...... ''یہ عطر بہت قیمتی ہے۔''

''یہ عطر کتنے کا ہے؟''

''حضور یہ شاہ خوشبو ہے......'' عطر فروش بولا...... ''اسے نیل کمل کی روح کھینچ کر بنایا گیا ہے۔''

''کیا قیمت ہوگی اس عطر کی۔''

''ہزار روپیہ تولہ ہے بندہ پرور......'' عطر فروش بولا۔

''اور میاں! تمہارے ان سب عطریات کی کیا قیمت ہوگی جو تمہارے اس پٹارے میں ہیں۔''

''یہی کوئی بیس ہزار روپے کا مال ہوگا۔''

واجد علی شاہ فوراً اپنی ایک باندی سے مخاطب ہوئے...... ''ہماری مہترانیوں کو بلاؤ۔''

عطر فروش حیران ہو کر دیکھتا رہا، چند منٹوں میں تقریباً دس پندرہ مہترانیاں قطار میں کھڑی ہوگئیں۔

واجد علی شاہ اپنے بیٹے سے مخاطب ہوئے...... ''عطروں کی شیشیاں مہترانیوں میں تقسیم کردو۔ اسے لگا کر کل سے یہ اپنا کام کریں گی۔'' پھر منشی کو حکم دیا...... ''منشی جی! عطرفروش کو بیس ہزار روپے دیدو اور اس کے کان پکڑ کر باہر نکال دو۔''

ایسے تیور تھے نواب واجد علی شاہ کے، یاروں کے یار تھے۔ قدر شناسوں کے قدر شناس تھے۔ اچھی طبیعت والے شخص پر مہربان ہوجاتے اور لچے کو بے پروا کر دیتے۔ اُن کے بسائے ہوئے لکھنؤ میں پھر سے محفلیں مہک اٹھیں۔ کتھکوں کی تکرار، ستار کی جھنکار اور ٹھمریوں کی مٹھاس، دادرے کی آواز سے چاروں طرف رنگ رلیوں کی بہار تھی۔

لکھنؤ چھوڑنے کا غم وہ اپنے سینے میں دبائے رہتے تھے۔ مگر ظاہرا طور سے کبھی اپنے اس کرب کو انھوں نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔

محفل ہر شام کو بجتی تھی۔ گلوکاروں، گویّوں، سازندوں اور رقاصاؤں سے اُن کی شامیں ڈوبی رہتیں جب کبھی موڈ میں آتے تو خود بھی کوئی مشکل سے ٹھمری گانے لگتے اور کبھی رقص کی ادائیں دکھاتے جو انھوں نے بنداوین مہاراج سے سیکھی تھیں۔ ماحول کا تقاضہ دیکھ کر ہی اُن کی طبیعت نے بھی وہیں رنگ اختیار کر لیا جو لکھنؤ میں تھا۔ دل پھینک تو تھے ہی، اس لیے پہلے تو انھوں نے ابرنسا نامی عورت سے متعا کیا۔ اُس کے بعد مزاج نے اور پرواز کی تو مصطفیٰ بیگم نامی ایک اور عورت سے متعا کر لیا۔ ذات پات کا کوئی فرق نہیں۔ طبیعت مچل گئی تو مچل گئی۔ کبھی کبھی خود کہہ اٹھتے تھے...... ''دل کی آواز دماغ کے فیصلے کو نہیں مانتی ہے۔ اپنا تو یہ عقیدہ ہے کہ عشق نشیب وفراز کیا جانے۔''

ویسے تو نواب صاحب کے حرم میں ان گنت چندر مکھیاں تھیں۔ مگر چڑھتی عمر میں انھوں نے ایک کمسن ممتاز محل سے شادی کر لی تھی۔ جن سے ایک بیٹا بھی ہوا۔ شہزادہ افسر الملوک اکرام حسین، شہزادہ بڑھاپے کی اولاد تھا۔ لہٰذا واجد علی شاہ اپنی محبت اُس پر کچھ زیادہ ہی نچھاور کرتے تھے۔

اور پھر ۲۱ ستمبر ۱۸۸۷ء کو خُلد سے واجد علی شاہ کا بلاوا آ گیا۔ وہ اپنے سینے میں موم کا دل رکھتے تھے۔ لہٰذا موت سے پہلے انھوں نے اپنی سب سے چھوٹی بیگم ممتاز سے کہا...... ''رخصت ہونے سے پہلے ہم آپ سے ایک وعدہ چاہتے ہیں۔''

''حکم فرمائیں حضور۔''

موت کے دہانے پر کھڑے واجد علی شاہ رک رک کر بولے...... ''تم ابھی کمسن ہو۔ پھول کی خوشبو کو قید کرنا گناہ ہوتا ہے، تمہاری زندگی تو اب مہکنا شروع ہوئی ہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اخلاص الدولہ عبدالحق سے دوسری شادی کر لینا اس کی ہم بخوشی اجازت دیتے ہیں۔ ہماری خواہش پوری کرنے میں تمہارے سر کوئی گناہ بھی عائد نہیں ہوگا۔ ویسے بھی اخلاص الدولہ تمہارے پہلے منگیتر تھے، اگر تم لکھنؤ سے کلکتہ نہ آتیں تو تمہارا نکاح اُنہی کے ساتھ ہوتا، ہماری اس آخری خواہش کو تم ضرور پورا کرو گی یہ ہمیں اُمید ہے۔ اس سے ہماری روح کو یقیناً بڑا سکون حاصل ہوگا اور۔''

اتنا کہتے ہی واجد علی شاہ کا سر ایک طرف لڑھک گیا، سارے ماحول پر ماتم چھا گیا اور لکھنؤ کا ایک پر روشن چراغ کلکتہ میں چپ چاپ سے بجھ گیا۔

اُدھر کاٹھ مانڈو میں ۱۸۷۴ء میں بیگم حضرت محل کا انتقال ہو چکا تھا۔ شہزادہ برجیس قدر وہیں رہ رہے تھے اُن کے آٹھ اولادیں ہوئیں۔ آغا جانی، مہتاب آرا، حسن آرا، بدر قدر، جمال آرا، خورشید قدر، سطوت آرا اور مہر قدر۔

ادھر کلکتہ میں واجد علی شاہ کی موت کے بعد اُن کے بیگموں اور اولادوں کو کیا کیا وظائف ملیں، اس پر شطرنجی چالیں ہونے لگیں، آخر کار اس بات کا فیصلہ انگریزوں پر ہی چھوڑ دیا گیا، ڈبلیو. ایف. پریڈاکس کی صدارت میں تیزی سے ایک کمیٹی بنائی گئی۔

شام کو وہسکی کے گلاس ہاتھوں میں تھامے کمیٹی کے ممبر گول کمرے میں بیٹھے، مشورہ کرنے لگے۔ وہسکی کو گلاس میں ہلاتا ہوا میجر مارٹن بولا...... ''میں نے سنا ہے کہ غدر کے دوران کچھ بیگمات نے انگریزوں کو پناہ دے کر اُن کی جان بچائی تھی۔''

کلفرڈ بولا...... ''یہ سچ ہے، میری ایک فائل کے مطابق شہزادہ قمر قدر کی ماں بیگم نواب فخر محل نے ہماری بہت مدد کی تھی۔ اس بات کی تصدیق جنرل آؤٹرم نے بھی کی ہے۔''

''ویسے شہزادوں میں حق تین کا بنتا ہے......'' کیپٹن برگ بولا۔ ''شہزادہ فریدوں قدر، شہزادہ برجیس قدر اور شہزادہ قمر قدر، شہزادے فریدوں قدر کو واجد علی شاہ نے اپنی زندگی میں ہی چھوڑ دیا، رہا برجیس قدر سوائے اُس کی ماں حضرت محل نے نواب ہی قرار نہیں دیا تھا، بلکہ اُس نے ہم لوگوں سے ڈٹ کر لوہا بھی لیا تھا۔''

''تو پھر بات صاف ہے۔'' پریڈاکس بولا...... ''ہمیں بیگم فخر محل اور اُس کے بیٹے قمر قدر کا

نام ہی رکمنڈ کرنا چاہیے۔"

اور پھر اس کمیٹی نے فیصلہ کر ڈالا۔ بیگم فخر کو ڈیڑھ سو روپے ماہانہ پنشن اور اُن کے بیٹے قمر قدر مرزا عابد علی کو واجد علی کا جانشین قرار دیتے ہوئے تین ہزار روپے سالانہ پنشن۔"

واجد علی شاہ کی بیگمات کی تعداد تقریباً ڈھائی سو تھی جنھیں کمیٹی نے آٹھ درجات میں تقسیم کیا اور اُن کیلئے ڈیڑھ سو روپے ماہوار سے لے کر پندرہ روپے ماہوار تک کی پنشن تجویز کی۔

برجیس قدر کو کاٹھ مانڈو میں یہ اطلاع ملی تو وہ ہوشیار ہو گئے، انھوں نے نیپال کے رانا کو ثالث مقرر کر کے انگریزوں سے درخواست کی کہ وہ ہندوستان واپس آنا چاہتے ہیں۔

انگریزوں نے اجازت دیدی۔

شہزادہ برجیس قدر اپنے کنبے کے ساتھ کلکتہ آگئے۔ انگریزوں نے انھیں صدر اسٹریٹ والے مہمان خانے میں رکھا برجیس قدر نے ایک انگریز بیرسٹر کو اپنا حق سمجھایا اور بیگم فخر محل اور اُن کے بیٹے قمر قدر مرزا عابد علی کے دعوے کو غلط قرار دیا، اس کے ساتھ برجیس قدر نے طے کر لیا کہ وہ انگلینڈ جا کر اپنا معاملہ وہاں پیش کریں گے اور وارث کے حق کیلئے لڑیں گے۔

اس خبر کو سن کر بیگم فخر محل پریشان ہو گئیں۔ انھوں نے برجیس قدر کے عم زاد بھائی مرزا جہاں قدر کو اپنی طرف ملایا اور ایک سازش تیار کر ڈالی۔

۱۳ راگست ۱۸۹۲ء کو مرزا جہاں قدر نے برجیس قدر کو دعوت پر بلایا۔ برجیس قدر کو خواب میں بھی یہ اُمید نہیں تھی کہ بیگم فخر محل نے اُن کے پورے کنبے کو ایک ہی جھٹکے میں صاف کرنے کی سازش تیار کر رکھی ہے۔ مگر کسی نے سچ کہا ہے۔ جا کو راکھے سائیاں مار سکو نہ کوئے، نہ جانے کیا ہوا کہ برجیس قدر کی دو بیٹیاں ماہتاب آرا اور حسن آرا دعوت میں نہیں گئیں۔ جب باقی سب مہمان مرزا جہاں قدر کی کوٹھی جو انسا باغ مٹیا محل میں تھی۔ وہاں گئے تو ماہتاب آرا اور حسن آرا کو نہ دیکھ کر مرزا جہاں قدر تھوڑا پریشان ہوئے اور انھوں نے اُن دونوں کیلئے کھانا فوراً ہی اُن کے گھر بھجوا دیا۔

قسمت کے تو کھیل ہی نرالے ہیں۔ حسن آرا اور ماہتاب آرا نے وہ کھانا نہیں کھایا، اُدھر برجیس قدر اور اُن کے باقی کے کنبے نے بیگم فخر محل کے ذریعے زہر آلودہ کھانا بڑے شوق سے کھایا۔ نتیجتاً وہ سب گھر واپس آتے ہی مر گئے۔

بیگم فخر محل نے سکون کی سانس لی۔ برجیس قدر کے بیٹے بدر قدر، خورشید قدر اور آغا جانی بھی زہر آلودہ کھانا کھا کر اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ اس وجہ سے اب برجیس قدر کا کوئی ایسا دعوے

دار نہیں بچا تھا جو بیگم فخر محل کے بیٹے قمر قدر کو چیلنج کر سکتا۔
برجیس قدر کی بیٹی ماہتاب آرا محل سے تھی اُس نے ۲۷ر دسمبر ۱۸۹۳ء کو زاہد علی مرزا مہر قدر کو جنم دیا جس سے آج بھی برجیس قدر کی نسل چل رہی ہے۔
مہر قدر کی بہن حسن آرا کی موت ۱۹۴۹ء میں ہوئی تھی۔ مہر قدر زندہ رہے مگر لقوہ میں مبتلا رہے۔ اُن کے چار بیٹے ہیں، انجم قدر، روشن علی مرزا، کوکب قدر سجاد علی مرزا اور واصف علی مرزا، واجد علی شاہ کی نسل لاکھ مٹائے جانے پر بھی نہیں مٹ سکی!

بیگم حضرت محل

اس کا نام تو افتخار النساء تھا، حسن و جمال ایسا کہ چودھویں کا چاند بھی شرمائے، بالکل حور کی مانند، گورا سرخ مائل رنگ، سدا بہار پتلے گلابی ہونٹ، بڑی بڑی جھیل سی آنکھیں، صندل سی باہیں اور کسی سنگ تراش کا تراشا ہوا سڈول بدن، بالکل سانچے میں ڈھلا ہوا، شرافت و شرم و حیا سے لبریز پرکشش شخصیت، نواب واجد علی شاہ نے اسے مہک پری کا خطاب دیا تھا اور اپنے "پری خانہ" میں سب سے شاندار کمرے میں رکھا تھا، جب اس کے پاؤں بھاری ہوئے تو روایات کے مطابق مہک پری کو پری خانہ سے نکال کر شاہی حرم سرا میں پہنچا دیا گیا اور نئے خطاب سے نوازا گیا۔ "نواب حضرت محل مابعد"

محب وطن مجاہدہ آزادی جناب عالیہ بیگم حضرت محل کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ذرا تواریخ کے صفحات پلٹئے تو سب سامنے آجاتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے زمانے سے یہ نام اودھ کے مطلع پر چاند سورج بن کر چمکا تو اس نے پوری ایک تاریخ بھی لکھ ڈالی، محترمہ عالیہ کو دفن ہوئے برسا برس گزر گئے ہیں مگر اس کا آفتاب آج بھی ہندوستان کی سرزمین پر کرنیں بکھیرے ہوئے ہے۔

غدر کے زمانے میں بیگم حضرت محل کا بیٹا برجس قدر یہی کوئی ۸۔۱۰ سال کا تھا۔ نواب واجد علی شاہ ریزیڈینٹ سلیمن کے اودھ کے دورے کے بعد مصیبت میں تھے، اس نے سلطان پر بدانتظامی کا الزام عائد کرتے ہوئے انہیں نااہل اور ناکارہ قرار دے دیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ سلطان کی حکومت کے برتاؤ اور سلوک سے رعایا خوش تھی۔ عام آدمی، زمیندار، تعلقیدار اور علاقے دار کوئی بھی نہیں چاہتا تھا کہ بادشاہ سلامت کی حکومت ختم ہو جائے اور سات سمندر پار کے فرنگی حکومت کریں۔

مگر انگریز تو حکومت کیلئے گھن بنے ہوئے تھے۔ ریزیڈینٹ سلیمن بادشاہ سلامت کے

خلاف کارروائی رپورٹ تیار کر کے چلا گیا، نواب واجد علی نے اپنی جانب سے تمام صفائی پیش کی مگر ان کی ایک نہ سنی گئی۔

اسی دوران فرنگی فوجیں کانپور میں جمع ہوتی رہیں۔ خبر لکھنؤ بھی آئی مگر سلطان واجد علی شاہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکے۔

آخر نیا ریزیڈینٹ جنرل آؤٹرم لارڈ ڈلہوزی کا پیغام لے آیا۔ یہ پیغام نواب واجد علی شاہ کے نام تھا اور خون کی سیاہی سے لکھا ہوا تھا۔ بادشاہ سلامت نے پڑھا" کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کا فیصلہ ہے کہ آپ کا نظام ٹھیک نہیں ہے، اودھ سلطنت میں چاروں طرف بدانتظامی ہے عام آدمی محرومی کی زندگی گزار رہا ہے۔ آپ کو دو سال کا وقت دیا گیا تھا مگر آپ کچھ نہیں کر سکے، کوئی سدھار انتظام اور انتظامیہ میں نہیں ہوا۔ بس آپ محفلیں سجانے اور راگ ورنگ میں مست رہے۔ دکھ درد کا سیلاب جب حد سے بڑھا تو سرکار نے اودھ علاقوں کو کمپنی سرکار میں ملانے کا آخری فیصلہ کیا ہے۔ آپ کو خود گدی چھوڑ دینی چاہئے گزارے کے طور پر کمپنی نے ۱۲ لاکھ روپئے سالانہ آپ کیلئے منظور کیا ہے۔ شاہی خاندان کے دوسرے لوگوں کے گزارے کا بندوبست کمپنی سرکار الگ سے کرے گی، آپ کی عزت ووقار میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ لیکن اودھ کی حکومت سے اب آپ کا کوئی واسطہ نہیں رہے گا۔"

اوٹرم چلا گیا مگر بادشاہ سلامت سمیت سبھی لوگوں کے ہوش اڑا گیا۔ چاروں طرف ہاہاکار مچ گیا۔ یہ منحوس خبر آندھی طوفان بن کر لکھنؤ اور سارے اودھ علاقے میں پھیل گئی۔

آخر تین دن بعد فرنگیوں نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ بادشاہ واجد علی شاہ کی بادشاہت چلی گئی، اس کے بعد وہ اپنی فریاد گورنر جنرل کے پاس لے کر کلکتہ گئے، یہ بھی طے تھا کہ اگر کلکتہ میں سنوائی نہیں ہوگی تو وہ ولایت جا کر وکٹوریہ کو اپنی بے گناہی کا ثبوت دیں گے۔

بادشاہ سلامت کلکتہ پہنچے تو سفر کے سبب ان کی صحت خراب ہوگئی۔ گورنر جنرل ڈلہوزی ولایت کیلئے روانہ ہو گیا تو نواب پریشان ہو گئے، آخر اب کسی سے اپنی بے گناہی کی فریاد کریں۔ نصیب کھوٹا تھا، صحت بد سے بدتر ہوگئی، ایک ہی راستہ تھا، ولایت جا کر ملکہ وکٹوریہ سے حکومت کی واپسی کیلئے فریاد کرنے کا مگر بادشاہ بہت علیل تھے، آخر کار بادشاہ نے اپنی جگہ والدہ محترمہ ملکہ کشور، چھوٹے بھائی مرزا اسکندر حشمت اور ولی احمد کو ولایت بھیجا۔

لکھنؤ میں افراتفری مچی تھی، نئی فرنگی سرکار من مانی کرنے پر آمادہ تھی اور کر رہی تھی، یوں

اس کے خلاف بغاوت چاروں طرف پھیل رہی تھی مگر کوئی کارگر کارروائی نہیں ہو رہی تھی، لیکن بغاوت کی آگ دھیرے دھیرے اپنی وسعت پھیلا رہی تھی۔

بادشاہ سلامت کی معزولی کے بعد فرنگیوں کی جو نئی سرکار قائم ہوئی تھی اب اس کے چیف کمشنر عہدے پر ہیزی لارینس کو لایا گیا تھا جو فرنگی حکومت اور طاقت کو مضبوط کرنے میں مصروف تھا۔ یہاں کلکتہ میں اب باگ ڈور لارڈ کیننگ کے ہاتھ میں تھی، لکھنؤ کی خبروں سے وہ باخبر تھا اور ملک گیر انقلاب سے پریشان، اس نے بغاوت کا سبب نواب واجد علی شاہ کو سمجھا۔ لکھنؤ سے برابر لوگ کلکتہ جا کر ان سے ملتے جلتے تھے۔ خطرہ محسوس کر کے لارڈ کیننگ نے نواب کو موچی خالہ کی کوٹھی سے نکال کر قلعہ میں نظر بند کر دیا۔

بات لکھنؤ میں پوشیدہ نہ رہ سکی، خبر بیگم حضرت محل کو لگی تو ان کا دل تڑپ اٹھا مگر وہ کر بھی کیا سکتی تھیں انہیں اب پورا یقین ہو چکا تھا کہ فرنگی اودھ سلطنت کی حکومت سے جونک کی مانند چپکے رہیں گے۔ حکومت تو گئی ہی بادشاہ سلامت کو نظر بند کر کے بدذات فرنگی اور جانے کیا گل کھلانا چاہتے ہیں۔

وقت کا پرندہ بے آواز اڑتا رہا۔ بیگم حضرت محل بادشاہ سلامت کیلئے متفکر اور پریشان تھیں، ان کی اب تو کوئی خبر بھی نہیں آ رہی تھی۔ حضرت محل بہت پریشان تھیں۔

اور انہی دنوں فرنگیوں نے ایک اور ستم ڈھایا، ان کے خیال میں بادشاہ سلامت نے شاہی خزانہ قیصر باغ میں چھپا دیا تھا جب وہ کلکتہ گئے تھے، یہ حقیقت تو تھی ہی، بادشاہ لکھنؤ میں اپنے خوابوں کی جنت یعنی اپنا قیصر باغ، دولت اور بیگموں کی چھوڑ گئے تھے اور وہاں کلکتہ میں ذلت سے جی رہے تھے، فرنگیوں نے اپنے خیالات کے مطابق غدر کے اس زمانے میں ایک دوپہر کو قیصر باغ میں آ کر بادشاہ سلامت کے شاہی خزانے کو اپنے قبضے میں کر لیا، اس کام کیلئے برٹش چیف کمشنر فوجی افسروں و توپوں کا جلال لیے آیا تھا۔

محل سرا میں حفاظت کی ذمہ داری بادشاہ سلامت نے اپنے خاص بااعتماد حسام الدولہ کو سونپی ہوئی تھی، انھوں نے قیصر باغ میں انگریزوں کا دھاوا دیکھا تو چونکنے ہوگئے، چیف کمشنر نے انہیں خبردار کیا" تمہیں شاید ہماری طاقت کا اندازہ نہیں ہے میاں صاحب! تمہاری بھلائی اس میں ہے کہ میرے کسی کام میں روڑے مت اٹکاؤ، ہماری فوجیں فیض آباد سے تو سب آ گئی ہیں۔"

"مگر یہ تو سراسر ظلم ہے، ہمارے بادشاہ سلامت [illegible] اور ملکہ وکٹوریہ سے

بات کرنے گئے ہیں، جب تک کوئی فیصلہ نہیں ہو جاتا، آپ قیصر باغ اور محل میں سرا میں نہیں گھس سکتے، اودھ سلطنت پر حکومت کیجئے، اس کا شاہی خاندان سے فی الحال کوئی تعلق نہیں ہے۔" حسام الدولہ نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

مگر فرنگی کمشنر نے ایک نہیں سنی، وہ من مانی کرنے لگا، بیگم محلات اس ستم پر جی بھر کر چیخیں چلائیں "توبہ۔ توبہ یہ تو سراسر ناانصافی ہے، بادشاہ سلامت کی غیر موجودگی میں وہ لوٹ کھسوٹ اور ظلم ہی تو ہے، زنان خانے و محل سرا میں فرنگیوں کا جبراً گھسنا بادشاہ کی خاصی توہین ہے۔"

سارا کچھ اپنے قبضے میں کرنے کے بعد چیف کمشنر نے کہا۔ "آج کل لکھنؤ میں باغی انقلابی اپنا سر اٹھا رہے ہیں، اس خیال سے میں یہ سارا مال و اسباب اپنی نگرانی میں لے رہا ہوں، کیونکہ کوئی دوسرا اس کی حفاظت نہیں کر سکتا ہے۔"

کسی نے کچھ کہنے سننے کی ہمت نہیں کی اور فرنگی من مانی کر کے چلے گئے۔

بیگم حضرت محل فرنگیوں کے خلاف ہو رہی بغاوت کے بارے میں روز سن ہی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ یہ باغی انقلابی جب تک کسی ایک پرچم اور ایک حکمراں کے حکم سے مورچہ نہیں سنبھالیں گے تب تک کچھ نہیں ہوگا، وہ خود اس کیلئے کوشاں ہوئیں اور فرنگی سرکار کے خلاف اودھ سلطنت پر اپنی حکومت پھر سے جمانے کا خیال کرنے لگیں، اس کیلئے انھوں نے اپنے بااعتماد ممو خاں سے صلاح و مشورہ کیا پھر سبھی محلات کو بلایا تا کہ سب کے مشورے سے ایسا قدم اٹھایا جائے۔

آخر کار قیصر باغ سے سبھی محلات آئیں، بیگم حضرت محل کی طرف سے ان کا استقبال ہوا اور پھر بات چیت کا آغاز ہوا۔ بادشاہ سلامت کی حالت سے بات فرنگیوں کے ظلم و ستم پر آ ٹھہری پھر غدر کی صورت حال پر۔ ایک بیگم نے کہا۔ "آخر کیا ہو رہا ہے، اس طرح بدذات فرنگی تو جانے سے رہے انہیں تو مار کر بھگا دینا چاہئے، پھر حکومت قائم کی جائے۔"

"یہ تبھی ممکن ہے جب حکومت قائم کی جائے اور ایک پرچم تلے سب فرنگیوں سے لوہا لیں، ورنہ انہیں بھگانا ممکن نہیں۔" حضرت محل نے کہا۔

خورد محل نے دخل اندازی کی۔ "بیگم حضرت محل! بتایئے آپ نے ہم سب لوگوں کو کیوں یاد فرمایا ہے۔"

"لکھنؤ میں اپنی نئی حکومت قائم کرنے کے رائے مشورے کیلئے" بیگم حضرت محل نے کہا پھر بولیں۔ "دراصل بات یہ ہے کہ جو باغی فوجیں یہاں لکھنؤ میں آ کر جمع ہوئی ہیں وہ فرنگیوں

سے اس کو آزاد کرانا چاہتی ہیں۔ چنہٹ میں باغیوں نے فرنگیوں کے دانت کھٹے کر کے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ صورت حال آپ سب کو معلوم ہی ہوگی۔ اب بیلی گارڈ سے انگریزوں کو نکالا جانا ہے۔ مگر یہ آسان کام نہیں ہے اسے منصوبہ بند طریقے سے کرنا ہوگا۔"

"پھر؟"

"پھر باغی فوجی اور انقلابی چاہتے ہیں کہ بیلی گارڈ پر حملے سے پہلے یہاں ایک نئی حکومت قائم کر لینی چاہئے۔ یہاں کے شاہی تخت پر حضرت سلطان عالم کے کسی شہزادے کو بٹھا کر اپنا بادشاہ مان لینا چاہئے اور اس کے حکم سے ہی بیلی گارڈ پر گھیرا ڈالنا چاہئے۔"

"تو پھر ہم لوگوں سے کیا چاہتی ہو؟"

"بس اتنا کہ برجیس قدر میرا صرف پیٹ جایا بیٹا ہے مگر شہزادہ تو وہ آپ سب کا ہے۔ اگر آپ سب اس کی بادشاہت کو قبول کریں تو کاغذ پر دستخط مہر کر دیں۔"

"اس بارے میں بھلا ہم سب کو کیا اختیار ہے، نئی حکومت اور نئی بادشاہت کو منظوری تو سلطان عالم ہی دے سکتے ہیں۔"

"چتر محل! عقل کے ناخن لو، بادشاہ سلامت کلکتہ میں نظر بند ہیں وہ یہ سب کیسے کر سکتے ہیں۔" حضرت محل نے کہا۔

"تب آپ کی مرضی! ہم دستخط مہر نہیں کر سکتیں، شہزادہ آپ کا ہے، آپ جیسا چاہیں کریں۔" چتر محل نے دوٹوک کہا۔

سلطان جہاں محل نے بات کو سنبھالا "برجیس قدر ابھی نابالغ ہے، اس کا حکم کون مانے گا؟"

"بادشاہ تو بننے دیجئے پھر دیکھئے گا آگے ہوتا ہے کیا۔" حضرت محل بولیں۔

خورد محل نے اندیشہ ظاہر کیا۔ "اگر ہم سب آپ کی بات مان لیں تو ایک مشکل یہ ہے کہ نئے بادشاہ کے تخت نشین ہونے پر وہاں کلکتہ میں یہ فرنگی بادشاہ سلامت پر ظلم نہ توڑیں، یہ سوچ کر میں ڈرتی ہوں۔"

"یہ تو صحیح فرمایا، ہم نئی حکومت قائم کر کے بادشاہ سلامت کی مصیبت نہیں بڑھا سکتیں۔" کئی محلات ایک ساتھ بولیں۔

حضرت محل نے [illegible] بولیں بیگم چونکھی محل سے

اٹھ کر قیصر باغ چلی گئیں۔

لیکن نئی حکومت قائم کرنے کا جو عہد حضرت محل نے لیا تھا اسے وہ پورا کر کے ہی رہیں، راجہ جے پال سنگھ، درگا سنگھ، صوبے دار دلپت سنگھ حسام الدولہ، یوسف علی خاں، فتح الدولہ محمود علی خاں، شرف الدولہ محمد ابراہیم خاں، غلام رضا، خان شیخ احمد حسین، قاسم علی، ممو خاں وغیرہ اور نواب واجد علی شاہ کے تمام شاہی کارکن اہلکاروں کی موجودگی میں مرزا برجیس قدر کو تخت نشین کر کے نئی حکومت قائم کی گئی۔ بیگم حضرت محل بادشاہ کی سرپرست ہوئیں۔

یہ خبر جب فرنگی سرکار اور اس کے سرپرستوں کو معلوم ہوئی تو وہ سب بل کھا کر رہ گئے۔ انہیں یہ حرکت پسند نہیں آئی فوراً فرنگی حکمراں نے کارروائی کی، نئی حکومت نے جنگ کی کمان سنبھال لی تھی۔

دوسرے دن علی الصبح منادی ہوئی برجیس قدر سرکار نے ہر ایک کو باخبر کیا "عوام کیلئے حکومت کا اعلان ہے کہ کسی طرح بدحواس اور پریشان نہ ہوں، حکومت لوگوں کے امن وچین کا بندوبست تو کرے گی ہی، فرنگیوں سے سلطنت کو محفوظ کرے گی، فرنگی مارے جارہے ہیں اور جو باقی ہیں وہ بھی تمام ہوئے جاتے ہیں آپ سب اپنے حوصلہ بلند رکھیں۔"

شہر میں ایک طرح سے افراتفری مچی تھی، کسی نے کسی بات پر دھیان نہیں دیا، اگلے دن سچ مچ باغی فوج نے گوگھاٹ پر جمع ہو کر کہا۔ "آج قیصر باغ فتح کریں گے اور فرنگیوں کو وہاں سے نکال کر جو باہر نہیں کر دیا تو کسی کو منہ نہیں دکھائیں گے۔"

سچ مچ باغی فوج نے دھاوا بول دیا، چونکہ محل میں باغی فوج کے کارنامے اور جنگ کی صورت حال جناب عالیہ کو معلوم ہوئی فوج نے حملہ کر کے گومتی پار کر کے بادشاہ باغ فتح کر لیا۔ اس دھاوے میں بہادر جانبازوں نے چار فرنگی توپیں چھین لیں اور انہیں بھگا دیا، اب فوج قیصر باغ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

مگر جو دوسری خبر حضرت محل کو تاخیر سے معلوم ہوئی وہ ہرگز بھی خوش گوار نہیں تھی باغی فوجیوں کے پیر فرنگیوں نے اکھاڑ دیئے، وہ بڑے امام باڑے کی چھت پر چڑھ گئے، کنگوروں پر لگی لونگیں ٹوٹ رہی ہیں اور جامع مسجد کے گل دستوں سے سنسناتی گولیاں برسائی جارہی ہیں، فرنگی حسین آباد کی طرف بڑھ رہے ہیں، باغی تتر بتر جنگ کر رہے ہیں مگر اصلی مورچے پر پیر اکھڑ گئے ہیں۔

اس دوران مولوی احمد اللہ شاہ نے باغیوں اور دوسرے جواں مردوں کو جمع کر کے فیروز شاہ کو حکم دیا۔ تم لوگ پتھریلی سے دھاوا بولو، میں عیش باغ سے حملہ کرتا ہوں، اللہ نے چاہا تو فتح کا سہرا ہمارے سر ضرور بندھے گا۔"

ایسا ہی ہوا، اس دھاوے میں جم کر تلواریں چلیں، دھرتی لہولہان ہوگئی مگر فرنگیوں کی مدد میں بیلی گارڈ سے بھاری کمک میدان جنگ میں پہنچی تو باغی تتر بتر ہو گئے شام تک فرنگی مچھلی والی بارہ دری سے لے کر اکبری دروازے کی گھنی آبادیوں تک جا پہنچے جنگ جاری رہی، ساری رات گولوں کی آواز کان میں پڑتی رہی اور گولیاں چلتی رہی، انگریز لوٹ کھسوٹ کر رہے تھے، لکھنؤ میں بدحواسی ہر کسی پر طاری تھی۔

برجیسی حکومت کی فوج گوروں کی فوج کے سامنے گھٹنے ٹیک گئی، قیصر باغ پر فرنگیوں کا قبضہ ہوگیا۔ بیگمات اودھ جان بچا کر بھاگ کھڑی ہوئیں، سکندر باغ کی زمین انسانی لہو سے سرخ ہو چکی تھی اور بیگم کوٹھی لاشوں سے پٹ چکی تھی۔

گوری پلٹن لوٹ میں مشغول تھی اس کا فائدہ اٹھا کر محترمہ عالیہ بیگم حضرت محل اپنے کلیجے کے ٹکڑے شہزادہ بادشاہ برجیس قدر کو لے کر چولکھی محل سے نکل بھاگیں اگر وہ ذرا بھی چوک جاتیں تو گرفتار ہو جاتیں۔ بیگم نے مارچ کی پہلی تاریخ کو لکھنؤ چھوڑا تھا اور ۸/ مارچ کو فرنگیوں نے لکھنؤ پر پوری طرح قبضہ کرلیا۔ حضرت محل چولکھی کوٹھی سے ٹیلہ شاہ پیر جلیل گئیں، وہاں دعا مانگنے کے بعد وہ جواہر خاں کے گھر مولوی گنج پھر وہاں سے غلام رضا کی کوٹھی پر۔ اگلا پڑاؤ بیگم نے شرف الدولہ کی حویلی پر ڈالا، وہاں سے رخصت ہوئیں تو امام باڑہ حسین آباد گئیں پھر رات انھوں نے مرزا منڈی میں شاہ جی کی ڈیوڑھی میں گزاری۔

دوسرے دن وہ عالم باغ کے راستے آگے بڑھیں، ان کے ساتھ ممو خاں، میر مہندی، حکیم حسن رضا، احمد حسین اور کچھ فوجی اور نوکر چاکر تھے، بیگم خاصی پریشان تھیں، خیر۔ وہ اگلے پڑاؤ میں بھراون پہنچیں، راجہ مردن سنگھ نے انہیں چوپال میں ٹھہرایا مگر کوئی خاص توجہ نہیں دی نہ آئے، سفر سے بھی تھکے تھے، بھوکے تھے مگر ڈیوڑھی سے یہی کہا گیا کہ کھانا تیار ہوگا تو بھیجا جائے گا۔ حضرت خون کے آنسو پی کر رہ گئیں، اتنا برا وقت آئے گا انھوں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ برجیس قدر بھوک کے مارے دوہرا ہو رہا تھا مگر وہ ہونٹ کاٹ کر رہ گئیں۔ جناب عالیہ نے وہاں سے کوچ کیا اور گومتی پار کر کے مڑیانو چھاؤنی کے فرنگی مورچے سے بمشکل تمام ۱۴ کلومیٹر دور کٹھوارہ

گاؤں میں ٹھہریں۔ وہاں ایک پٹھان سردار نے خوب استقبال اور تعظیم کی۔ بیگم تو وہاں سے آگے بڑھ گئیں مگر بے چارے پٹھان کو بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ فرنگیوں نے نہ صرف صدر خاں بہادر کو علاقے سے معطل کر دیا بلکہ انہیں قید بھی کر لیا۔ بیگم کو سفر کے دوران اس بات کا پتہ چلا تو سخت افسوس ہوا وہ سمجھ گئیں ایسا صرف اس لیے کیا گیا ہے تاکہ کوئی دوسرا وفادار انھیں پناہ نہ دے۔

بیگم نے سفر جاری رکھا اور وہ خیر آباد پہنچیں۔ مولوی محمد ناظم نے بسواں واڑی میں حضرت محل کے تشریف لانے کی خبر سن کر ان کا توپوں کی سلامی سے استقبال کیا اور پوری تعظیم کے ساتھ انہیں پناہ دی، وہاں سے بیگم محمودہ آباد کی طرف بڑھیں، راجہ نواب علی خاں کے قلعہ میں ٹھہریں، اس کے بعد وہ مٹھولی گئیں اور راجہ منوا کی گڑھی میں رہیں، یہیں سے بوڑی کے مہاراج ہروت سنگھ سوائی انہیں اپنے ساتھ لے گئے، خاصا استقبال ہوا۔

حضرت محل نے باونڈی میں کافی عرصے تک پڑاؤ ڈالا تو لکھنؤ سے بھاگے ہوئے تمام لوگ بونڈی آ گئے، تاریخ داں کہتے ہیں کہ ایک طرح سے کچھ عرصہ کیلئے وہاں لکھنؤ کا چوک ہی آباد ہو گیا تھا۔ وہیں تمام باغی انقلابی بیگم سے آ کر ملے تو ان کا حوصلہ بلند ہوا، اور حضرت محل کے دل میں انگریزوں کے خلاف شعلہ ایک بار پھر دہک اٹھا، انھوں نے فرنگیوں سے لوہا لینے کا فیصلہ کیا۔

غدر کا جو طوفان تھوڑا ٹھہر گیا تھا حضرت محل کی کوششوں سے ایک بار پھر بھڑک اٹھا۔ راجہ ہروت سنگھ راجہ نرپت سنگھ (تلسی پور) فیروز شاہ نانا صاحب پیشوا اور بیسوارے کا راجہ بینی مادھو سنگھ نے بیگم حضرت محل سے مل کر جنگ کی نئی اسکیم تیار کی اور فرنگیوں سے جنگ شروع ہو گئی۔

فرنگی اس نئے مورچے سے پریشان تھے کہ ملکہ وکٹوریہ کا پیغام اودھ کے عوام کے نام آیا کہ وہ کسی کے بہکاوے میں نہ آئیں اور امن وسکون برقرار رکھیں۔ انگریزی حکومت کا ساتھ دیں۔

حضرت محل نے ملکہ وکٹوریہ کے حکم نامے کے جواب میں ایسا پیغام عوام تک پہنچایا کہ کچھ مت پوچھئے۔ ان دنوں بیگم حضرت محل اور برجیس قدر بہرائچ میں رہ رہے تھے، چیف کمشنر میجر بیری سے خط اور ایلچیوں کے ذریعہ بات ہو رہی تھی مگر مہک پری کو اب انگریز حکمرانوں کی کسی بات پر اعتبار نہیں تھا، یوں بھی ان کی ایمانداری پہلے ہی کھوکھلی ثابت ہو چکی تھی۔

جنگ کے میدان میں اس بار جناب عالیہ نے اپنی ساری طاقت جھونک دی تھی۔ اب وہ پردے سے [illegible] سارا جائزہ لے رہی تھیں، راجہ بینی مادھو سنگھ نان پارہ کے پاس فرنگی سے

مورچہ سنبھالے ہوئے تھے، فرنگی کمک وہاں پہنچی تا کہ رانا پر دباؤ بڑھایا جاسکے۔ بیگم نے فوراً چہلاری کے ٹھاکر بلبھدر سنگھ کو تلک کر کے بھیجا، بھیانک جنگ ہوئی مگر بدقسمتی سے شمع وطن کا وہ جانباز شہید ہوا۔

لارڈ کلائیوان حالات سے بے خبر تھا، اس نے جب محسوس کیا کہ فرنگی فوجیں باغیوں کے دباؤ میں آرہی ہیں تو خود بڑی کمک لے کر بہرائچ کی طرف بڑھا، اس وقت رانا بینی مادھواور نانا صاحب پیشوا راپتی کے کنارے بانکی میں مورچہ سنبھالے ہوئے تھے، کلائیو کی کمک بونڈی آدھمکی بھیانک جنگ ہوئی اور بیگم حضرت محل کو شکست کی وجہ سے بونڈی سے تلسی پور کی طرف کوچ کرنا پڑا۔ وہ تلسی پور میں ٹھہریں، انگریزوں نے وہاں کے راجہ کو قید کرلیا۔

بیگم حضرت محل گونڈہ کے راجہ دیوی بخش سنگھ سے ملیں، راجہ فرنگیوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ بیگم ترائی کے اس علاقے میں اندر ہی اندر ٹوٹتی ہوئی بھٹکتی رہیں، انھوں نے پہلے دیوی پاٹن، سکھا مرگ اور پھر دیوا پہاڑ وسونار پربت کے نشیب وفراز پار کر کے نیا کوٹ میں جا کر پناہ لی۔ نیا کوٹ سے وہ نیپال چلی گئیں، کیونکہ فرنگی فوجوں نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

کچھ تاریخ داں بتاتے ہیں کہ بیگم حضرت محل ۱۸۵۹ء کی جنوری میں بریلی بھی گئی تھی اور انھوں نے روہیلے نواب خان بہادر کے یہاں قیام کیا تھا۔ وہاں سے وہ نیا کوٹ گئیں پھر نیپال۔ نواب خان بہادر کو بعد میں انگریز حکمرانوں نے نیپال کے راجہ کے ذریعہ قید کروا کر مارچ ۱۸۶۰ء میں پھانسی دے دی تھی۔ یہ کارنامہ بریلی کی پرانی کوتوالی کے چوراہے پر انجام دیا گیا تھا۔ ستم کی حد یہ تھی کہ نواب کے ۲۵۷ سپاہیوں کو برگد کے پیڑ سے الٹا لٹکا کر مارا گیا۔

بیگم حضرت محل نواب آصف الدولہ والی بارہ دری میں پہنچیں۔ ۲۷رفروری ۱۸۵۹ء کو نیپال کی فوجوں کا کپتان نرنجن مانجھی اپنے رانا جنگ بہادر کا خط لے کر آیا، رانا نے بیگم حضرت محل کو تحریر کیا تھا۔ ''آپ فرنگیوں سے صلح وسمجھوتہ کرلیں، اسی میں آپ کی بھلائی ہے، ان سے بیکار میں ٹکرانا ٹھیک نہیں ہے۔''

نواب علی محمد خاں عرف ممو خاں نے بیگم حضرت محل کی طرف سے رانا کو جواب بھیجا۔ ''جناب! نہ ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے اور نہ ہم اب فرنگیوں سے صلح کریں گے۔'' اور اس صاف گوئی وسخت بیانی نے ممو خاں کو تباہ کیا۔ فرنگیوں نے دھوکے سے ممو خاں کو بیگم کے حصار سے الگ کیا پھر مقدمہ چلا کر سزا دی، انھیں کالے پانی کی سزا سنائی گئی تھی، ممو خاں کو انڈمان کی

جیل میں رکھا گیا، بیگم حضرت محل ایک دم ٹوٹ گئیں، انگریزوں نے انھیں واپس لے آنے کی بے حد کوشش کی مگر وہ نہیں مانیں، برجیس قدر بھی ان کے ساتھ تھے، دوسرے سارے لوگ سرحد پر ادھر اُدھر ہو گئے یا پھر شہید ہو گئے۔

مسلسل شکست اور ایک ایک ساتھی کے شہید ہونے سے حضرت محل ٹوٹتی رہیں، انگریزوں نے انہیں برجیس قدر کے ساتھ واپس لکھنؤ آنے کی بار بار دعوت دی، درخواست کی مگر وہ راضی نہیں ہوئیں، ان کا کہنا تھا کہ انگریزوں کی غلامی سے بہتر در در بھٹکنا اور مفلسی میں زندگی گزارنا، اچھا ہے، ان کے سبھی وفادار راجہ بنی مادھو، جوگ راج سنگھ، جنگ بہادر، راجہ دیوی بخش سنگھ، ہر پرساد، ہروت سنگھ، عظیم اللہ خاں اور گلاب سنگھ میدان جنگ میں شہید ہوئے، مجبوراً پوری طرح ٹوٹ کر بیگم حضرت محل نے نیپال میں پناہ لینے کا فیصلہ کر کے سرحد پار کر کے ادھر بڑھیں، انھوں نے راجہ نیپال کو تمام ہیرے جواہرات نذر کیے۔

بیگم لاچار، بیزار کاٹھ مانڈو پہنچیں، وہاں انھوں نے اپنے رہنے کا بندوبست کیا، کچھ عرصہ کے وقفہ کے بعد بیگم نے کاٹھ مانڈو سے دور ''برف باغ'' نام سے ایک محل بنوایا۔ ایک مسجد اور امام باڑے کی بھی تعمیر ہوئی، نیپال کے راجہ نے بیگم حضرت محل اور ان کے بیٹے برجیس قدر کیلئے گزارے الاؤنس کے طور پر پانچ سو روپے ماہوار مقرر کر دیے۔ اس طرح بڑی مصیبت میں بیگم حضرت محل کے دن کٹے۔ آخر کار یہ عظیم محبّ وطن، مجاہدہ آزادی ۱۸۷۹ء میں اپریل ماہ میں ابدی نیند سو گئیں، مگر تاریخ گواہ ہے کہ انھوں نے انگریزوں کو سجدے نہیں کیے اور اپنی آخری سانسوں تک ان کی حکومت کی مخالفت کرتی رہیں۔

عزیزن بائی

بے حد تاریک رات تھی، جیسے کاجل برس رہا ہو، ڈیوڑھی کے پھاٹک پر رکھے دو دیے ٹمٹما رہے تھے، کوئی ڈھائی بجے ہوں گے تبھی ایک گھوڑا گاڑی اور اس کے ساتھ دو سوار اترے، ڈیوڑھی کے اونگھتے ہوئے چوکیدار کی کچی نیند اچاٹ ہوگئی۔ ''کون ہے۔'' اس نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

ایک سوار قریب آ کر بولا۔ ''عظیم اللہ خاں صاحب آئے ہیں۔؟''

نام سن کر چوکیدار نے سلام کیا اور پھر ڈیوڑھی کے پھاٹک کا لٹکتا ہوا گول کنڈا چار بار کھنکھٹایا اندر سے آواز آئی۔ ''کون بیر سنگھ؟ جا بخت کون آمرا بھیا!؟''

بیر سنگھ بولا۔ ''ارے خاموش! عظیم اللہ صاحب آگئے ہیں۔''

اندر والے چوکیدار نے بغیر کسی چوں چرا اس کے پھاٹک کھول دیا، گھوڑا گاڑی اور دونوں سوار اندر داخل ہوگئے، رات میں گھوڑوں کی ٹاپوں نے سناٹے کو توڑ ڈالا، پیلی کوٹھی پر جا کر گاڑی رک گئی۔

''سامان اتار دو۔'' بھاری آواز میں عظیم اللہ خاں بولے۔ ''زیادہ شور مت مچانا ورنہ شریمت کی نیند خراب ہوجائے گی، صبح باتیں ہوں گی۔''

ملازموں نے ہوشیاری سے سامان اتارا اور پھر تھوڑی بہت ہوئی جگار پھر سناٹے میں ڈوب گئی۔

پیلی کوٹھی کے سامنے والے درخت پر سینکڑوں پرندے بسیرا کرتے تھے، صبح کاذب نمودار ہوتے ہی پرندوں کی چہچہاہٹ شروع ہوجاتی عظیم اللہ خاں اس منظر کو 'صبح کا عالم' کہتے تھے اور تبھی وہ اٹھ بیٹھتے تھے، ویسے ان کی نیند پوری نہیں ہو پائی تھی پھر بھی وہ اٹھ بیٹھے۔

صبح کے سات بجے تک خاص محل میں خبر پہنچ گئی تھی۔ ''عظیم اللہ خاں صاحب ولایت

سے لوٹ آئے ہیں۔"

جب نوعمر کنیز نے بٹھور کے نانا صاحب عرف دھن پنت کو خبر دی تو وہ طویل سانس لے کر بولے۔"رات کو ہم نے خواب میں دیکھا تھا کہ گنگا میں باڑھ آئی ہے چاروں طرف سے پانی، بٹھور کے محل کو گھیر رہا ہے، اب دیکھو عظیم اللہ کیا خبر لائے ہیں۔؟"

صبح ۹ بجے عظیم اللہ خاں نے نانا صاحب کو سلام کیا، تانت بجتے ہی راگ سمجھ میں آ گیا تھا، لندن میں نہ تو سامراجی کے صلاح کاروں نے اور نہ ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں نے سنوائی کی، ان کا رویہ وہی تھا، پنچوں کا حکم سر آنکھوں پر مگر پرنالہ وہیں بہے گا۔ ویسے وہاں عظیم اللہ خاں صاحب نے اپنی شخصیت کا جادو چلا دیا تھا، وہ غیر معمولی طور پر خوبصورت تھے دل لبھانے والا زیتون کے جیسا رنگ، سانچے میں ڈھلی تانبے کی مورتی جیسی آنکھوں سے محبت ظاہر ہوتی تھی تبھی تو انگلینڈ کے مہذب سماج کی شادی شدہ اور کنواری لڑکیاں ان پر فدا ہوگئی تھیں، شرم وحیا چھوڑ کر انھوں نے اپنی دل نثاری کی دعوت اپنے محبت ناموں کے ذریعے عظیم اللہ خاں کو بھیجی تھی۔

جس کلب میں وہ جاتے، فراٹے دار انگلش اور فرنچ میں گفتگو جسے سن کر انگریز مرد رشک سے جل اٹھتے، مگر عورتیں ان پر ٹوٹ پڑتیں عظیم اللہ خاں نے زیادہ دیر وہاں ٹکنے میں کوئی مطلب نہ دیکھ کر پہلا پانی جہاز پکڑ لیا۔

مالٹا آ کر ان کے کانوں میں بھنک پڑی کہ انگریز اور فرانسیسی افواج کو روسی فوج نے چھٹی کا دودھ یاد دلایا ہے، یہ سن کر ہی وہ قسطنطنیہ مڑ گئے اور پھر انھوں نے اپنے آنکھوں سے کریمیا کی جنگ کے منظر دیکھے جہاں روس نے انگریزوں کی مٹی پلید کی تھی۔

تفصیل سے یہ باتیں عظیم اللہ خاں نے نانا صاحب کو بتائی تھیں، سن کر نانا صاحب نے "ہوں" کی، پھر تھوڑی دیر بعد بولے۔"ماحول میں عجیب سی خاموشی چھائی ہے، لگتا ہے خوفناک طوفان آنے والا ہے۔؟" عظیم اللہ خاں بولے۔"مجھے معلوم ہے شریمنت! میرے جاسوسوں نے سب طرف کی خبریں مجھے دی ہیں، حال ہی میں درگاہ حضرت نظام الدین دہلی میں ایک خفیہ میٹنگ ہوئی ہے جس میں ایران کے نمائندے میر حلیم، بادشاہ ظفر کے نمائندے سدی قنبر، لکھنؤ کے مرزا سلیمان شکوہ اور مرزا حیدر شکوہ ملے تھے، بادشاہ ظفر اپنے خاص خادم سدی قنبر کو حج کے بہانے ایران بھیج رہے ہیں، مشورہ ہے کہ اگر کسی طرح سے روس سے ہمیں امداد مل جائے تو انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا مشکل نہیں ہوگا۔"

ناناصاحب بولے۔ ''اچھا! یہ تو خوش خبری ہے ویسے بھی ان فرنگیوں نے تنگ کر دیا ہے، جھانسی سے چھیڑ چھاڑ، لکھنؤ کے نواب واجد علی شاہ کے خلاف سازش ہمارے ساتھ انصافی، آخر زیادتیوں کی بھی حد ہوتی ہے خان صاحب۔''

''آپ نے بجا فرمایا۔'' عظیم اللہ خاں بولے۔ ''بس اب تو یہی کہا جا سکتا ہے۔''

دبی چنگاریاں۔ بے تاب ہیں بیدار ہونے کو دبی چنگاریوں سے دہک اٹھتا ہے دھواں کب تک یہ کہہ کر وہ خاموش ہوئے ہی تھے کہ اناجی نے آ کر اطلاع دی۔ ''شریمت! جرنیل وہیلر کے دفتر میں تعینات ہمارا جاسوس گردھاری آیا ہے۔''

ناناصاحب نے کہا۔ ''اسے فوراً بھیجو۔''

''لگتا ہے فرنگیوں کے جاسوس نانک چند نے انہیں میرے واپس آنے کی خبر پہنچا دی ہے۔'' عظیم اللہ خاں نے کہا۔

ہوا بھی وہی، گردھاری نے اطلاع دی۔ ''وہیلر صاحب کو پتہ لگ گیا ہے کہ خان صاحب ولایت سے لوٹ آئے ہیں۔''

ناناصاحب مسکرائے اور بولے۔ ''اگلے بدھ کو ایک جشن منایا جائے گا، جنرل وہیلر، مجسٹریٹ ہل سرڈن، کچھ اہم افسروں اور ان کی میموں کو دعوت نامے بھیج دیے جائیں اور ہاں! اس بار محفل میں عزیزن کو بلایا جائے، عزیزن ہماری خیر خواہ اور طرف دار ہے۔''

عظیم اللہ خاں مسکرا کر بولے۔ ''آمین''

کانپور کا ملیٹری علاقہ، ٦ توپیں، ٦١ توپچی، تین ہندوستانی رجمنٹ، تقریباً تین ہزار کا جمگھٹا، اس کا کمانڈر میجر جنرل سر ہیو وہیلر اناؤ سے گنگا پار پہلے او بڑ کھابڑ میدان تھا لیکن ملیٹری اہمیت کا مرکز تھا، لکھنؤ سے چالیس میل دور، الہ آباد سے سو میل دور گرانٹ ٹرنک روڈ اور اودھ کے راستے کے عین درمیان واقع تبھی تو ١٨٠١ء میں یہاں انگریزوں نے اپنا ملیٹری کیمپ پورے ''کمپو'' کہنے لگے، کمپو سے پھر کیچلی بدل کر کانپور بن گیا شاید۔

ناناصاحب کا بٹھور کچھ ہی میل پر واقع تھا اور یہاں سے اس پر نظر رکھی جا سکتی تھی۔

دوپہر کو افسر میس میں جنرل وہیلر اپنے کرنل کو بتا رہا تھا۔ ''عظیم اللہ خاں خالی ہاتھ لوٹ آیا ہے، مگر ہے شرارتی لوٹتے وقت وہ کریمیا کے جنگ میں ہوئی ہماری درگت کا چشم دید گواہ بن کر لوٹا ہے۔''

''مگر یہ سمجھ میں نہیں آیا سر۔'' کرنل ایورٹ بولا۔''کہ بٹھور کا نانا آج کس خوشی میں دعوت دے رہا ہے۔''

''اپنی جھینپ مٹانے کیلئے۔'' وہیلر بولا۔''یاد رکھو زخمی شیر زیادہ خطرناک ہوتا ہے آج کل کا ماحول بھی کچھ ٹھہرا ٹھہرا سا لگ رہا ہے سب طرف سنسنی ہے، لگتا ہے کچھ ہوگا، اس لیے ہمیں بھی ہوشیار رہنا ہوگا، نانا کو بھی پھسلا کر رکھنا ہوگا۔''

''یس سر۔'' کرنل ایورٹ بولا۔

دو گلاس سائڈر پینے کے بعد وہ اٹھ لیے، آج رات کو بٹھور میں پارٹی تھی، بٹھور کے محل میں رنگ برنگے کینڈل جل رہے تھے، عرق گلاب چھڑکا جا چکا تھا، محل کے ہال میں چاروں طرف کرسیاں لگائی گئی تھیں، بیچ میں دودھیا چاندنی بچھی ہوئی تھی جس پر عزیزن کا رقص اور گانا ہونا تھا۔

شام ہوتے ہی انگریز مہمان آگئے۔ جنرل وہیلر، مجسٹریٹ ڈکلکٹر ہل سرڈن، کرنل ایورٹ، کیپٹن ہیلڈے کچھ دیگر افسر اور لیڈیز، کیپٹن ہیلڈے دل پھینک ہونے کے علاوہ مانا ہوا شرابی تھا، جب اس پر شراب غالب ہونے لگتی تو اکثر شباب سے چھیڑ چھاڑ کر بیٹھتا، اس دن بھی یہی ہوا؟

چوتھے پیگ کے بعد وہ بدمست ہونے لگا عزیزن کے مجرے کے بعد کچھ انٹرول سا ہوا اور عزیزن ہال پار کر کے برآمدے میں جا کر اندر کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ تعاقب کرتا ہوا کیپٹن ہیلڈے آگیا، اس نے عزیزن کی کلائی پکڑ لی اور اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے بولا۔''ہم کو تڑپتا چھوڑ کر جارہی ہو سوئٹ ہارٹ۔''

عزیزن گھبرا گئی، وہ جسم کا کاروبار کرنے والی طوائف نہیں تھی وہ صرف رئیسوں، راجاؤں مہاراجاؤں کے یہاں مجرا کرنے جاتی تھی، اس کی مالی حالت بھی اس وقت دو تین لاکھ کی تھی، نوکر چاکر، حویلی سواری اسے سب آرائش ساز و سامان مہیا تھے۔

کیپٹن ہیلڈے کا ارادہ شاید اسے آغوش میں بھر کر بوسہ لینے کا تھا، تبھی عزیزن چلائی۔

''بچاؤ''

ہال کے شور میں عزیزن کی آواز شاید ہی سنائی دیتی، وہ تو قسمت سے اسی وقت عظیم اللہ خاں ادھر سے گزرے اور انہیں عزیزن کی فریاد سنائی دے گئی، وہ فوراً ہی گھومے اور وہاں پہنچے اس لمحے کیپٹن ہیلڈے چھیڑ چھاڑ پر اترنے والا تھا کہ عظیم اللہ خاں نے اس کی کنپٹی پر ایک بھرپور طمانچہ

رسید کیا جس سے کیپٹن کا نشہ اور عشق دونوں ہی ہرن ہو گئے، عظیم اللہ خاں نے اس کا گریبان پکڑ کر اسے الگ گھسیٹ لیا اور انگریزی میں کہا "اگر ہاتھ پاؤں پھینکنے کی آپ کی تمنا ہو تو آیئے باہر، یہ تفریح بھی ہو جائے۔"

عظیم اللہ خاں کے تیور دیکھ کر کیپٹن ہیلڈ سے کانپ گیا اور اور معافی مانگ کر مڑ گیا، عزیزن غصے اور خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی، آنکھوں میں آنسوؤں کے موتی ٹھہرے ہوئے تھے کانپتی آواز میں بولی۔ "یا اللہ! جس ناپاک ہاتھ نے میری کلائی پکڑی ہے، مجھے وہ ہاتھ چاہیے؟" تقریباً پاگلوں کی مانند وہ عظیم اللہ خاں سے بولی۔ "کیا آپ اس جاہل کا ہاتھ کاٹ کر مجھے نذر کر سکیں گے، بولیے میری یہ خواہش پوری کر سکیں گے؟"

عظیم اللہ خاں نے حیران ہو کر عزیزن کی طرف دیکھا اور پھر سنجیدہ ہو کر کہا۔ "جی ہاں محترمہ! مگر وقت آنے پر اور وہ انشاء اللہ جلد آئے گا۔"

عزیزن نے گہری سانس لی پھر دفعتاً وہ سنبھلی اور معمول پر آ گئی تبھی اس نے اپنی بادامی آنکھوں سے اپنی غلافی پلکوں کو اٹھا کر عظیم اللہ خاں کو دو پل بغیر پلک جھپکائے دیکھا جیسے وہ انہیں پی رہی ہو پھر مسکرا کر بولی۔ "آپ کا بہت بہت شکریہ آپ کا یہ احسان میرے اوپر ہمیشہ چھایا رہے گا۔"

چلتے وقت وہ مسکرائی، عظیم اللہ خاں کو لگا جیسے عزیزن نے ان کے دل کے دروازے پر دھیمے سے دستک دے دی ہو...... شاید تبھی سے عظیم اللہ خاں کے دل میں کوئی رہنے آ گیا تھا وہ مسکرائے اور بدبدائے۔

سلامت رہے دل میں گھر کرنے والے
اس اجڑے مکان میں بسر کرنے والے

۱۸۵۷ء مئی کا مہینہ تھا، دوپہر میں لُو چلنے لگی تھی باہر نکلنا تکلیف دہ تھا اسی لیے شام ڈھلتے ہی عزیزن نے اپنی گاڑی جتوائی اور ساتھ میں بدری پہلوان اور رحمانی کو لے کر بٹھور کی طرف چل پڑی۔

اس وقت نانا صاحب کی بیٹھک میں عظیم اللہ خاں، جوالا پرساد اور محمد علی بیٹھے صلاح و مشورہ کر رہے تھے کہ انہیں مسکھوا نے آ کر خبر دی "حضور عزیزن بائی آئی ہیں۔"

فوراً عزیزن کو اندر بلوا لیا گیا، عزیزن نے تعظیم کی، عظیم اللہ کو مسکرا کر سلام کیا نانا صاحب

ہنس کر بولے۔ ''ہمارے یہاں منگلا مکھی کا بغیر خبر کیے آنا مبارک مانا جاتا ہے، عزیزن بائی! آپ ضرور کوئی مبارک خبر ہی لائی ہوں گی؟''

عزیزن نے مسکرا کر کہا۔ ''جی ہاں شریمنت! آج ہی میرٹھ سے میرے سارنگئے رادھے شیام کا بھائی آیا ہے، آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ میرٹھ اور دہلی میں فرنگیوں کا صفایا ہوگیا ہے ہندوستانی تلنگے بادشاہ کے جھنڈے کے نیچے آگئے ہیں۔''

خبر سن کر سبھی چونک پڑے۔ عظیم اللہ خاں سانس لے کر بولے۔ ''عزیزن جی! یہ خبر تو بدشگونی ہے، ۳۱ مئی کو جوالا مکھی ایک ساتھ پھٹنا تھا، سپاہیوں کی اس جلد بازی سے فرنگی چونکنے ہوجائیں گے۔''

کچھ دیر تک یہی باتیں ہوتی رہیں، پھر شام گہری ہوتے ہی گردھاری آیا اور اس نے خبر دی کہ ''جنرل وہیلر ہوشیار ہوگیا ہے اور ایک منزلہ بیرک کے پاس خندق کھود کر قلعہ بندی کرلی ہے، تینوں ہندوستانی پلٹنیں ابھی بھی ان کی خیر خواہ ہیں جنہیں کیپٹن ہیلڈے سمجھا بجھا کر قابو میں رکھے ہوئے ہے۔''

کیپٹن ہیلڈے کا نام سنتے ہی عزیزن کا چہرہ سرخ ہوگیا اور وہ غصے میں بولی۔ ''یہ فرنگی تو میرا شکار ہے شریمنت سرکار، رہی بات ہندوستانی پلٹنوں کی وفاداری کی تو اس کا انتظام میں خود کروں گی انشاء اللہ آپ کو جلدی ہی خوش خبری ملے گی، اچھا اب میں اجازت چاہوں گی۔''

عزیزن کو باہر چھوڑنے خود عظیم اللہ خاں آئے چلتے وقت عزیزن نے کہا۔ ''غالباً میری اس خواہش کی یاد تو ہوگی؟''

''خوب یاد ہے جی! فرنگی کا ہاتھ سونپ کر ہی شاید مجھے آپ کی ہمدردی نصیب ہو پائے گی۔'' عظیم اللہ خاں بولے۔

عزیزن شرما گئی اور کہا۔ ''بے شک! آخر خواہش کا بھی تو اپنا حسن ہوتا ہے نا۔''

''اور حسینوں کی فرمائش یا خواہش پوری کرنے کا لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے۔''

عزیزن نے رخصت ہوتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ''خدا کرے آپ کو یہ لطف نصیب ہو، اچھا شب بخیر۔''

دوسرے دن ہی عزیزن نے اپنی خوبصورت باندی شبو کے ہاتھ دو خط بھجوائے، ایک صوبہ دار ٹیکا سنگھ کے نام اور دوسر صوبے دار شمس الدین خاں کو، دونوں ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج

میں افسر تھے، یہ دونوں خط ان افسروں کی بیویوں کو شبو دے کر آئی تھی، عزیزن نے انہیں میرٹھ اور دہلی کے بارے میں لکھا تھا اور آخر میں لکھا تھا" مجھے یقین ہے کہ آپ وطن کے ساتھ وفا کریں گے اور آبرو پر آنچ نہ آنے دیں گے، کسی نے کہا بھی ہے کہ" آبرو کیا ہے، تمنائے وفا میں مرجانا۔"

عزیزن کا جادو کام کر گیا، دونوں ہی صوبے دار اپنی پلٹنوں کے ساتھ فرنگیوں کو چھوڑ کر باغی بن گئے۔

ناناصاحب نے اب کمان کی باگ دوڑ سنبھال لی کمپنی کے فوج کے صوبے دار ٹیکا سنگھ کو جنرل بنایا گیا اور صوبے دار دل بھجن سنگھ اور گنگادین کو کرنل، نانا کی فوج کا بریگیڈئر جوالا پرساد ہوا اور انتظامیہ کا سربراہ نانا کے بھائی بھٹے کو بنایا گیا۔

بغاوت کی لپٹیں دن بہ دن تیز ہونے لگیں، فوجوں کی پرورش کیلئے نانا نے اپنے تھیلوں کے منہ کھول دیئے، روز گولہ باری اور مارکاٹ کی خبریں سنائی دینے لگیں۔

عزیزن کو بس ایک ہی تلاش تھی...... کیپٹن ہیلڈے کی، شاید عزیزن کی ضد پوری کرنا عظیم اللہ خاں کی قسمت میں ہی لکھا تھا۔

اس دن گردھاری نے خبر دی کہ کیپٹن ہیلڈے کو ہینگ فروخت کرنے والے پٹھان کے بہروپ میں لکھنؤ روانہ کر دیا گیا ہے اور وہ مکرواره میں چھپا ہوا آگے بڑھنے کی تاک میں ہے، یہ سنتے ہی عظیم اللہ خاں نے تیس گھوڑسوار اور گردھاری کو ساتھ لیا مکرواره پہنچ گئے، وہاں پر گردھاری نے ہی بنجاروں کی جھونپڑیوں کے پیچھے کیپٹن ہیلڈے کو زندہ گرفتار کروایا تھا۔

پھر کیپٹن ہیلڈے کو عظیم اللہ خاں نے عزیزن کے سامنے پیش کیا تھا، عزیزن نے ناگن جیسی پھنکار ماری تھی اور تلوار سے کیپٹن ہیلڈے کا ہاتھ خود کاٹا تھا، اس کے بعد سپاہیوں نے کیپٹن ہیلڈے کو وہیں ختم کر دیا۔

عزیزن نے پھر عظیم اللہ خاں کے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دیتے ہوئے کہا تھا۔" میری ضد بھی پوری کیجئے گا، میرے اس ہاتھ کو آپ تھام لیجئے۔"

عظیم اللہ خاں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔" عزیزن! میرے تمہارے راستے الگ ہیں، تم بہار کی نرم گود میں پلا ایک گلاب ہو، میں خزاں کا شکار ایک ٹوٹا ہوا پتہ ہوں، میرے ساتھ رہ کر تمہیں دکھ ہی دکھ ملے گا۔"

عزیزن نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔" مجھے آپ کے دکھ قبول ہیں، آج

سے آپ کی منزل میری منزل ہوگی۔'' عظیم اللہ خاں نے عزیزن کو اپنی باہنوں میں سمیٹتے ہوئے کہا۔'' آج میں بہت خوش ہوں، مجھے آج اپنا ہم سفر مل گیا ہے۔''

''غلط! ہم سفر نہیں، شریکِ حیات۔'' عزیزن نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح کانپور میں پھیل گئی کہ مشہور طوائف عزیزن نے اپنے سارے زیور اور جائداد بیچ کر جدو جہد آزادی کیلئے نانا صاحب کی نذر کردی ہے، اپنے پاؤں سے گھنگھرو کھول کر انہیں عزیزن نے اپنی گھوڑی بندیا کے پاؤں میں باندھ دیئے۔ مردانہ بھیس اپنا کر اور تلوار کمر میں باندھ کر عزیزن لڑتے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھاتی، انہیں دودھ اور شربت پلاتی اور کھانا تقسیم کرتی، جدھر بھی وہ جاتی ادھر سپاہیوں اور عوام کو گھوڑوں کی ٹاپوں کے ساتھ گھنگھروؤں کی جھنکار دور سے ہی سنائی دے جاتی۔

عزیزن نے ایک کام اور بھی کیا، اس نے محلوں کی گلیوں میں جا کر عورتوں کو باہر نکالا اور اس کے جادو بھرے بولوں نے ان عورتوں کو سپاہیوں کی مدد کرنے کیلئے متحرک کیا، لوک گیت گاتی ہوئی کانپور کی عورتیں گولہ بارود اٹھا اٹھا کر توپچیوں کو دیتیں، سپاہیوں کو کھانا اور پانی دیتیں کانپور کی عورتیں خوف آمیز ادب سے عزیزن کو دیکھتیں اور پیٹھ پیچھے کہتیں۔'' یہ تو کانپور کی مجسم چنڈی بھوانی ہے بہنا۔''

دن بھر کی تھکی ماندی عزیزن شام کو عظیم اللہ خاں کی باہنوں میں نڈھال ہو کر گر پڑتی۔

تاریخ کے صفحات میں یہ حقیقت آج بھی پناہ پا رہی ہے کہ سن اٹھارہ سو ستاون کی جدو جہد آزادی میں عزیزن ہی وہ واحد طوائف ہے جس نے گلابوں کی ڈگر چھوڑ کر وطن کی کانٹوں بھری زمین کو مسکرا کر اپنانا قبول کیا اور لڑتے ہوئے سپاہیوں کیلئے تحریک کا وسیلہ بنی تھی۔

ملکہ کی سازش

۱۸۵۶ء کی ڈگمگاتی دہلی، شاہ جہاں کے لال قلعہ کے اندر مغلوں کے سینکڑوں چراغ ٹمٹماتے رہے تھے کچھ جائز کچھ ناجائز باقاعدہ نکاح کی بیگموں کے بچوں کے نام کے آگے مرزا لگا ہوتا مگر سینکڑوں رکھیلوں کے سینکڑوں بچوں کو صرف ماہوار رقم ملتی، دو روپے سے پچاس روپے مہینے تک، رکھیلوں اور ان کے دوغلے مغل بچوں کو قلع کے ایک گوشے میں بسا دیا گیا تھا، ایک اچھی خاصی بستی بن گئی تھی۔ جسے ''سلاطین'' کہا جاتا تھا، انہیں قلع کے باہر دہلی کی بستیوں میں آباد ہونے کی اجازت نہیں تھی۔

یہ دوغلے بچے اکثر شہزادوں کے ساتھ مصاحب بن کر للو چپو کرتے رہتے، ہر کوئی ولی عہد کا دم چھلا بننا چاہتا تھا۔ ولی عہد کے رتبے کیلئے بیگموں میں سازشیں پنپتیں، رنجشیں بڑھتیں جال بنے جاتے، بہادر شاہ ظفر کے بعد کون گدی پر بیٹھے گا، کون ولی عہد قرار دیا جائے گا یہی اٹکلیں لگتی رہتیں، مگر اس کام کا ذمہ دار ہوتا تھا انگریز ریزیڈنٹ جو کلکتہ میں واقع گورنر جنرل کے دفتر سے حکم پا کر ہی اعلان کرتا تھا۔

ویسے ان دنوں بہادر شاہ ظفر کے سب سے بڑے بیٹے دارا بخت کے مرنے کے بعد ان کے دوسرے بیٹے مرزا فخر الدین عرف فخرو کا پلڑا ایکا یک بھاری ہو گیا تھا اس لیے انگریز ریزیڈنٹ ہوشیار ہو گیا تھا اور اس نے گورنر جنرل کو سب باتیں لکھ کر بھیج دیں۔

گورنر جنرل نے فوراً ہی ایک کمیٹی بنا ڈالی جس میں تین ممبر مقرر کر دیئے، سر ہیزی ایلٹ، مسٹر ٹامسن اور دہلی کا ریزیڈنٹ سر ٹامس مٹکاف، کمیٹی کو ہدایت دی گئی کہ بہادر شاہ ظفر کے بعد شہزادوں میں سے مرزا فخرو ہی سب سے بڑا ہے اور اسے اگر ٹھیک طریقے سے ہڈی پھینکی جائے تو وہ نئی شرائط کو بغیر مین میخ نکالے مان جائے گا اور ہوا بھی وہی، مرزا فخرو کے خسر مرزا الٰہی بخش کے کانوں میں جب وہ بھنک پڑی تو وہ فوراً ہی ریزیڈنٹ کی کوٹھی جا دھمکا اور ریزیڈنٹ سے

بولا۔ ''صاحب بہادر! میں اپنے داماد کو سمجھا بجھا کر تیار کرلوں گا۔''

ریزیڈنٹ مٹکاف بولا۔ ''میں شرطوں کے بارے میں آپ کو بتاتا ہوں، بہادر شاہ ظفر کے بعد بادشاہ کا لقب ختم کر دیا جائے گا اور آئندہ صرف شہزادہ کہا جائے گا، لال قلعہ خالی کرنا ہوگا شہزادہ مہرولی کے محل میں رہے گا۔'' مرزا الٰہی بخش نے پہلے کچھ سوچا پھر بولا۔ ''ٹھیک ہے، صاحب بہادر مرزا فخرو کو میں منالوں گا۔''

مرزا الٰہی بخش نے حالات کو تولا، قسمت کے بادل چھانے لگے تھے جن سے سونے چاندی کی بارش ہونے والی تھی، نہ سہی ''بادشاہ'' کا خطاب مگر مغلوں کا شاہی وارث تو کہلائے گا اس کا داماد، پھر مرزا الٰہی بخش یہ بھی تو نہیں بھولا تھا کہ اورنگزیب کے بعد کس طرح سے تخت کیلئے خون خرابہ ہوتا چلا آیا ہے، یہی سوچتا ہوا الٰہی بخش گھر پہنچا، اس نے بیٹی اور داماد کو پاس بٹھایا۔

الٰہی بخش سمجھاتا ہوا بولا۔ ''بھاگتے ہوئے بھوت کی لنگوٹی ہی سہی مگر کچھ تو ہاتھ آئے گا ویسے بھی بادشاہ کے خطاب کو کیا شہد لگا کر چاٹو گے اور دیکھا جائے تو مغلوں کا آخری بادشاہ ''محمد شاہ رنگیلا'' ہوا اسے نادر شاہ بھنگی بنا کر چلا گیا، ارے پوری دہلی گواہ ہے کہ بادشاہ کہلانے والا شاہ عالم صرف ایک پینشن یافتہ کٹھ پتلی بن گیا تھا، پہلے مراٹھوں سے پینشن پاتا تھا اور پھر فرنگیوں سے پینشن پانے لگا اس کا بیٹا اکبر شاہ پینشن کے اضافے کیلئے فرنگیوں سے زندگی بھر گڑگڑاتا رہا، یہ بادشاہ بہادر شاہ ظفر سو یہ اتنا تنگ دست ہے کہ دہلی کے مالدار بنیوں سے قرض لیتا رہتا ہے۔''

اس کی دلیل سن کر مرزا فوراً ہی مان گیا بولا۔ ''ابا جان! آپ ریزیڈنٹ سے کہئے کہ مجھے اُن کی سب شرطیں منظور ہیں۔'' مرزا الٰہی بخش بولا۔ ''شاباش بیٹے! جو وقت کے اشارے کی عزت نہیں کرتا ہے وہ پچھتاتا ہے میں کل ہی جا کر ریزیڈنٹ سے کہوں گا کہ تمہیں ولی عہد قرار دیا جائے۔''

ریزیڈنٹ ٹامس تھیوفلس مٹکاف اپنے اسسٹنٹ منیجر ٹکر سے بولا۔ ''آج تم فائل نمبر تین کو پڑھ ڈالو، تمہیں بہادر شاہ ظفر کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہوگا۔''

''یس سر'' منیجر ٹکر بولا۔ اور فائل اٹھا کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

فائل میں بہادر شاہ ظفر کا کچا چٹھا موجود تھا، منیجر ٹکر پڑھنے میں مصروف ہو گیا جیسے فائل بول کر اسے بتا رہی ہو۔

ظفر کی سات بیویاں تھیں، موتی بائی، قیوم بائی، شرافت محل، دولت قدم افضل النساء

زینت محل اور راجن خواص، کئی رکھلیں بھی تھیں، ان کے چودہ بیٹے تھے۔ مرزا قویش، ابوالحسن، مرزا ظہیرالدین عرف مرزا مغل سہراب ہند، ابونصر، الغ تہور خضر سلطان مرزا جواں بخت، بختاور شاہ کوچک سلطان، شاہ عباس مرزا اور محمد شیر شاہ......

باسٹھ سال کی عمر میں ظفر نے لال بازار کی سولہ سال کی حسین زینت محل سے شادی کی تھی، بڑھاپے میں جوان لڑکی سے شادی اکثر تکلیف دہ ہوتی ہے، لہٰذا زینت محل نے شاہ ظفر کی لگام اپنے ہاتھ میں تھام لی، وہ کسی بھی قیمت پر اپنے بیٹے جواں بخت کو ولی عہد بنانے کی فکر میں تھی۔ حالانکہ جواں بخت کا کوئی بھی دعویٰ درست نہیں بیٹھتا تھا، جیسے بے سُری طوائف کے ساتھ سارنگی بھی بے سُری سنگت کرتی ہے ویسے ہی ظفر بھی جواں بخت کیلئے زینت محل کے ساتھ بے وقت کی راگنی الاپنے لگے تھے، یہ بات انگریزوں کو منظور نہیں تھی، انہیں ایسا ولی عہد چاہئے تھا جو قلعہ خالی کردے اور مہرولی کے ایک کونے میں خاموشی سے پینشن پاتا ہوا مرکھپ جائے۔

اسسٹنٹ ریزیڈنٹ نے فائل سے تانتیں بجتے ہی راگ پہچان لیا تھا، لب لعاب یہ مغل بادشاہت کا خاتمہ اور لال قلعہ پر مکمل طور پر قبضہ جو کہ مغل شہنشاہیت کی گونگی علامت تھا۔ اس نے فائل بند کی ہی تھی کہ اردلی نے بتایا کہ مرزا الٰہی بخش تشریف لے آئے ہیں الٰہی بخش کو باعزت بٹھایا گیا اور پھر مٹکاف نے آکران کا فیصلہ بھی سن لیا کہ مرزا فخر و کو اگر ولی عہد بنادیا گیا تو ظفر کے بعد وہ صرف ''شہزادہ'' کہلائے گا اور لال قلعہ چھوڑ کر مہرولی چلا جائے گا۔

مٹکاف نے اطمینان کی سانس لی اور بولا۔ ''میں کل ہی کلکتہ رپورٹ بھجوائے دیتا ہوں اور جلدی ہی ولی عہد کے اعلان کے بارے میں سوچا جائے جائے گا۔''

صاحب بہادر کی چائے پی کر اور ان سے ہاتھ ملا کر الٰہی بخش چلا گیا۔

بیگم زینت محل سرمہ لگا کر فارغ ہوئی ہی تھی کہ بشیر لونڈی نے خبر دی۔ ''ملکہ زمانی! ننھن میاں تشریف لائے ہیں۔''

''انہیں باہر والے کمرے میں بٹھادے، میں ابھی آئی۔'' زینت محل بولی، وہ جان گئی تھی کہ ننھن میاں کوئی نہ کوئی معرکے کے خبر ہی لائے ہوں گے، زینت محل نے ہی ننھن میاں کو ریزیڈنٹ کی کوٹھی میں خانساماں کی نوکری دلادی تھی تاکہ وہاں کی رتی رتی خبر ان کے پاس پہنچ سکے، زینت محل بلا کی ذہین اور ضدی بھی تھی ننھن میاں نے انھیں بتادیا تھا کہ لاٹ صاحب نے تین فرنگی افسروں کی کمیٹی بنادی ہے جو ولی عہد کا اعلان کرے گی، یہ بھی بتلایا تھا کہ ریزیڈنٹ مرزا

الٰہی بخش کے ساتھ جوڑ توڑ کر رہا ہے اور مرزا دارا بخت کی موت کے بعد تو فخرو کا پلڑا کھلے خزانے بھاری پڑ گیا ہے، اسی لیے مرزا الٰہی بخش اپنے داماد مرزا فخرو کی حمایت کر رہے ہیں۔

زینت محل کے چلمن کے پیچھے آتے ہی بنن میاں نے کورنش بجائی اور بولے۔ ''ملکہ زمانی! کل مرزا الٰہی پھر ریزیڈنسی آئے تھے، لگتا ہے جلدی مرزا فخرو کے حق میں فیصلہ ہونے والا ہے کیونکہ کل ریزینٹ نے مرزا الٰہی بخش کو چائے پلوائی اور رخصت ہوتے وقت ان سے ہاتھ بھی ملایا تھا۔''

زینت محل گہری سانس لے کر بولی۔ ''مرزا فخرو کے پلڑے کو جھکنا پڑے گا بنن میاں! تم اپنے کان اور آنکھیں کھلی رکھنا اور خبر دیتے رہنا۔''

چلتے وقت بنن میاں کو چاندی کے پانچ روپے دیے گئے جنھیں لے کر انھوں نے تین بار کورنش بجائی اور چل دیے، تبھی بھری ہوئی زینت محل بادشاہ ظفر پر پھٹ پڑیں۔ ''اس طرح شترمرغ کی طرح گردن جھکائے کچھ نہیں بنے گا ظلِ سبحانی! اب وقت کا تقاضہ ہے کھل کر میدان میں اتر پڑیے۔''

جیسا زینت محل نے بھراویا ہی ظفر نے ایک خط ریزیڈینٹ کو لکھ کر بھیجا مرزا فخرو ان کا جائز بیٹا نہیں بلکہ ان کی ہندو داشتہ موتی بائی کا بیٹا ہے اور یہ شادی نجیب الطرفین کے مطابق نہیں ہوئی تھی، ریزیڈنٹ نے کلکتہ نوٹ بھیجا کہ بہادر شاہ ظفر کا یہ دعویٰ نہیں مانا جا سکتا کیونکہ وہ خود بھی ہندو ماں لال بائی کے بیٹے ہیں۔

کچھ دنوں بعد انگریزوں نے ڈنکے کی چوٹ پر یہ اعلان کر ہی دیا کہ مرزا فخرو کو ہی ولی عہد مانا جائے گا بادشاہ کو جھک مار کر یہ اعلان تسلیم کرنا پڑا، مگر زینت محل نے ناگن کی مانند پھنکار کر کہا۔ ''میں اس فیصلے کو تسلیم نہیں کرتی، جواں بخت ولی عہد ہوگا۔''

اسی شام کو قلعے میں ایک گھریلو دعوت بھی ہوئی دسترخوان پر طرح طرح کے لذیز کھانے لگائے گئے ظاہری خوشی کا اظہار کرتے ہوئے زینت محل نے بھی فخرو کو مبارک باد دی، مرزا فخرو دعوت کے بعد اپنی خواب گاہ میں پہنچے بھی نہ تھے کہ یکایک طبیعت خراب ہوگئی اور تے ہونے لگی جب تب کہ حکیم صاحب آئے وہ نیلے پڑ کر ٹھنڈے ہوگئے دکھاوے کا سوگ بھی منا مگر انہیں فوراً ہی دفنا دیا گیا، صرف مرزا فخرو کی بیگم دہاڑیں مار کر روئی اور مرزا الٰہی بخش پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔

جب ریزیڈنٹ کو پتہ لگا تو اس کے کان کھڑے ہوئے مگر موت قلعہ کی چہار دیواریوں کے اندر ہوئی تھی لہٰذا اس کا کوئی حق قانونی دخل اندازی کا نہیں بنتا تھا۔

دوسرے دن عبدل باورچی زینت محل کے پاس جھٹ پٹے کے وقت حاضر ہوا تھا، پچاس روپے اور ایک شال نذر کی گئی تھی۔

بیگم زینت محل تب دل ہی دل میں بولی تھی۔ ''واقعی جے پور سے آیا یہ زہر پر اثر ہے اس کے دیئے جانے کے بعد سب آثار ہیضے جیسے نظر آئے۔''

زینت محل نے فرنگیوں کے قرار دیئے ولی عہد کو آخر ہٹا ہی دیا۔

• ٹوٹا ہوا مرزا الٰہی بخش ریزیڈینسی کے طرف بڑھتا جا رہا تھا اپنی بیٹی کے آنسو اور بکھرا ہوا سنہرا خواب چور چور ہوتا وہ بھولا نہیں تھا، مٹکاف کے سامنے وہ اپنے آنسوؤں کو روکتا ہوا بولا۔ ''میرے داماد مرزا فخرو کو زہر دے کر مارا گیا ہے صاحب بہادر مجھے لال قلعے کی اگلی سازش کے بارے میں بھی معلوم ہے۔''

''کیا معلوم ہے؟'' متجسس ہو کر مٹکاف نے پوچھا۔ ''صاحب بہادر بہادر شاہ ظفر اور زینت محل نے ایک رقعہ تیار کیا ہے کہ جواں بخت کو ہی اب ولی عہد بنایا جائے، جب میں نے سنا کہ وہ باقی کے شہزادوں سے رقعہ پر یہ دستخط کرا رہے ہیں کہ انہیں جواں بخت کے ولی عہد بننے پر کوئی اعتراض نہیں ہے، تبھی میں اپنے داماد کے سگے چھوٹے بھائی مرزا قویش کے پاس گیا تھا۔''

''پھر کیا ہوا۔؟'' مٹکاف نے سنجیدہ ہو کر پوچھا۔ ''میں نے مرزا قویش کو پھوڑ لیا ہے، وہ اس رقعہ پر دستخط نہیں کرے گا بلکہ ولی عہد کیلئے آپ کو اپنا دعویٰ پیش کرے گا۔''

''ویلڈن مرزا۔'' مٹکاف بولا۔ ''مرزا قویش کی عرضی آنے دو، پھر میں دیکھوں گا کہ جواں بخت کیسے ولی عہد بنتا ہے۔''

''مجھے آپ سے یہی امید تھی صاحب بہادر۔'' مرزا الٰہی بخش بولا۔ ''میں آپ کو قلعے میں پک رہی ہر ایک کھچڑی کے بارے میں خبر کرتا رہوں گا۔''

مٹکاف خوش ہوا اسے گھر بیٹھے ایک اہم مخبر مل رہا تھا مرزا الٰہی بخش سے ہاتھ ملاتے ہوئے مٹکاف بولا۔ ''ٹھیک ہے مرزا آپ سے خبر پا کر ہم بھی جوابی چال کریں گے، آپ مطمئن رہیں مرزا قویش کے حق کی ہم حمایت کریں گے۔''

چین کی سانس لے کر مرزا الٰہی بخش۔ ''خدا حافظ صاحب بہادر۔'' کہہ کر چل دیا۔

محل میں صبح سے ہی چہل پہل شروع ہوگئی تھی، زینت محل کے کہنے پر بادشاہ ظفر نے ریزیڈنٹ کو چائے پر بلایا تھا ٹھیک دس بجے ریزیڈنٹ کا استقبال کیا گیا، نفیری اور نقارہ بج رہا تھا، اس استقبال کو دیکھ کر مٹکاف سمجھ گیا کہ کیا باتیں ہونے والی ہیں۔

استقبال کے بعد چائے ناشتہ ہوا، پہلے کچھ ادھر ادھر کی باتیں ہوئی پھر اصلی مسئلے پر آ گئے بادشاہ ظفر بولے۔ ''صاحب بہادر'' مرزا فخرو کی بیٹے سے موت کا مجھے بھی بہت غم ہوا، آخر میرے ہی جگر کا ٹکڑا تھا میں نے بہت سوچ سمجھ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے کہ جواں بخت کو ولی عہد قرار دیا جائے، شہزادوں نے بھی دستخط کر کے یہ مان لیا ہے کہ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

بادشاہ نے رقعے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''...... یہ لیجئے۔''

مٹکاف نے رقعے پر سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ ''اس میں مرزا قویش کے دستخط تو نہیں ہیں۔؟'' بادشاہ ظفر بولے۔ ''اس کے دستخط کوئی معنی نہیں رکھتے، اس کی ماں کے ساتھ میرا نکاح نہیں ہوا تھا۔''

مٹکاف بولا۔ ''سو تو بجا ہے یور میجسٹی! پر مرزا قویش تو مرزا مرحوم مرزا فخرو کے سگے چھوٹے بھائی ہیں جنہیں لاٹ صاحب نے ولی عہد قرار دیا تھا اور ویسے بھی وہ سب شہزادوں سے بڑے بھی ہیں۔''

مٹکاف کے اشارے کو سمجھتے ہوئے چلمن کے پیچھے بیٹھی زینت محل برس پڑیں۔ ''آپ تو بال کی کھال نکالنے کی کوشش کرتے ہیں صاحب بہادر پتہ نہیں آپ کو میرے بیٹے سے کیا رنجش ہے۔''

مٹکاف نے کہا۔ ''مجھے بھلا آپ کے صاحبزادے سے رنجش کیوں ہوگی یور میجسٹی! مغلوں کے چلن اور روایت کے مطابق بڑا بیٹا ہی ولی عہد بنتا ہے۔''

زینت محل اور مٹکاف میں بحث و مباحثہ شروع ہو گیا اور کافی دیر تک تکرار ہوتی رہی۔

تھوڑی دیر بعد ہی کورنش بجا کر مٹکاف چل دیا ظفر نے پھر حکیم احسان اللہ خاں کو بلایا، ان کے مشورے کے مطابق ہی پھر مٹکاف کے رویے کے خلاف ایک انگریز وکیل ٹامس کیونڈش فین وک کو گورنر جنرل کے پاس کلکتہ بھیجا گیا کہ جواں بخت کو ہی ولی عہد قرار دیا جائے، مگر گورنر جنرل نے منع کر دیا اور حکم سنا دیا کہ ریزیڈنٹ جو کرے گا وہی درست مانا جائے گا۔

بادشاہ سن کر اداس ہو گئے مگر زینت محل ابل پڑیں ''سارے جھگڑے کی جڑ یہ ریزیڈینٹ

ہی ہے، یہی میرے بیٹے کا دشمن ہے۔" اور شام کو اس نے کنیز کو جھٹ پٹے میں ریزیڈنسی بھیج دیا بندیا باندی ریزیڈینسی کے پچھواڑے گئی اور کریم بخش باورچی سے ملی بولی۔ "تمہیں کل صبح ملکۂ زمانی بیگم زینت محل نے بلایا ہے۔"

کریم نے پہلے تو بندیا کو ناشتہ کھلوایا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے صاحب نو بجے چلا جاتا ہے میں ساڑھے نو بجے تک آجاؤں گا۔"

دوسرے دن ساڑھے نو کے قریب ہی کریم زینت محل کے سامنے کورنش بجالا کر کھڑا ہو گیا "کریم بخش!۔" زینت محل بولی، "اب وقت آ گیا ہے، لو یہ پڑیا، اسے سوپ میں ملا کر دے دینا۔"

کریم بخش نے پڑیا لے لی، جاتے وقت اسے ہدایت دی کہ وہ مرزا الٰہی بخش سے ہوشیار رہے شام کو ریزیڈینٹ مسٹر ٹامس تھیوفلس مٹکاف نے سوپ پی کر ڈنر کھایا اور اس کے نصف گھنٹے بعد ہی اس کی طبیعت خراب ہو گئی، ٹھیک ویسے ہی جیسے مرزا فخرو کی ہوئی تھی، تے پر تے شروع ہو گئی، دہلی کے پہلے ہندوستانی عیسائی ڈاکٹر چمن لال بھاگے بھاگے آئے ان کے علاوہ کمپنی کا ڈاکٹر بھی آیا مگر وہ مٹکاف کو بچا نہیں سکے۔

مٹکاف کے جنازے میں کافی مسلمان بھی گئے تھے، سب طرف یہی ذکر تھا کہ ہیضے سے موت ہو گئی، صرف مرزا الٰہی بخش نے دل ہی دل میں کہا۔ "لال بازار کی زینت محل نے پھر دوبارہ مات دے ہی دی۔ لیکن ابھی میرے ساتھ بھی تو ایک بازی ہونی ہے، شہہ اور مات ساتھ ساتھ ہی دوں گا، یہ وعدہ رہا اور جیتے جی جواں بخت کو ولی عہد نہیں بننے دوں گا۔"

۱۸۵۷ء کی آندھی کی لپیٹ میں آئی ہوئی دہلی۔ میرٹھ کے باغی سپاہیوں نے زبردستی بہادر شاہ ظفر کو اپنے ساتھ سان لیا اور انہیں اپنا سردار بنا ڈالا، جگہ جگہ سے ہزاروں سپاہی دہلی میں آ کر جمع ہو گئے انگریز سامنے کی پہاڑی "رج" پر اڈا جمائے تھے، انگریزوں نے دہلی میں اپنے کئی جاسوسوں کو تعینات کر دیا جو دہلی اور لال قلعہ کے حالات بتایا کرتے تھے۔

دہلی کیلئے بھیانک جنگ ہوئی اور آخر کار انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کر ہی لیا، چاروں طرف سپاہیوں کی بھگدڑ مچ گئی دہلی کے ہندوستانی کمانڈران چیف صوبے دار بخت خاں نے پھر بادشاہ ظفر سے کہا۔ "ظلِ سبحانی! آپ میری فوج کے ساتھ نکل جائیے، ہم پھر سے اٹھیں گے اور انگریزوں کو ہرا دیں گے۔"

بادشاہ ظفر قریب قریب رضا مند ہو گئے تھے مگر مرزا الٰہی بخش نے ان سے کہا۔ "اس عمر میں آپ کہاں کہاں مارے مارے پھریں گے اس ہارے ہوئے صوبے دار کے ساتھ مت جایئے، میں فرنگیوں سے کہہ سن کر آپ کی سلامتی برقرار رکھوں گا۔"

"تو اب میں کہاں جاؤں۔؟" گھبرائے ہوئے بادشاہ نے پوچھا۔

"آپ حضرت ہمایوں کے مقبرے میں چھپ جایئے۔" مرزا الٰہی بخش بولا۔ "وہاں سے میں آپ کو صحیح سلامت نکال لوں گا۔"

بادشاہ ظفر نے اپنے سمدھی مرزا الٰہی بخش کی بات مان لی، صوبے دار بخت خاں یہ دیکھ کر اپنی بچی کھچی فوج کو لے کر جمنا پار کر کے بریلی کی طرف چلا گیا۔ پھر مرزا الٰہی بخش نے ہی بادشاہ ظفر اور زینت محل کو پکڑ وایا اور پھر مغل شہزادوں اور سلاطین کے دعویداروں پر کیا کیا قہر نہیں ٹوٹے، دہلی کے انگریز کمشنر سونڈرس کے حکم سے سلاطین کے چھبیس شہزادوں کو پھانسی پر لٹکوایا گیا پندرہ شہزادوں کو مار ڈالا گیا، تیرہ شہزادوں کو قید کر کے بہادر شاہ ظفر اور زینت محل کے ساتھ رنگون میں قید کر کے رکھا گیا، مرزا الٰہی بخش کو انگریزوں نے خطاب اور موٹی پینشن دی۔

جس دن بادشاہ ظفر زینت محل اور جواں بخت اپنے ۲۶ رشتہ داروں اور ملازموں کے ساتھ قلعے کے باہر رنگون جانے کیلئے نکلے تھے اس دن مرزا الٰہی بخش نے اپنی بیوہ بیٹی سے کہا تھا۔ "میں نے مرزا فخرو کا بدلہ لے لیا، میری ضد پوری ہوئی، آخر جواں بخت ولی عہد نہیں بن پایا بلکہ مغلوں کا چراغ ہی بجھ گیا۔"

جب بادشاہ بہادر شاہ ظفر اور ان کے ساتھی باہر نکلے تھے تب دہلی والوں کی بھیڑ نے آنسوؤں سے تر آنکھوں سے انہیں دیکھا تھا، بھیڑ میں سے کوئی کراہ کر بولا تھا۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

واقعی مغلوں کے گھر کو انہی کے گھر کے چراغ نے جلا کر راکھ کر ڈالا۔

دوسری پھانسی

۱۸۳۰ء فیروز پور جھرکا کی عظیم الشان حویلی کے آگے ہری گھاس کے گدگدے لان میں نواب شمس الدین احمد خاں مونڈھے پر بیٹھے حقہ پی رہے تھے کہ سامنے سے رحمت علی لنگڑاتا ہوا دکھائی دے گیا، نواب صاحب بولے۔ ''اماں رحمت میاں! یہ کہاں سے مینڈک کی طرح پھدکتے ہوئے آرہے ہو۔؟''

رحمت نے کھیسیں نکال کر کورنش بجائی اور بولا۔ ''آداب عرض کرتا ہوں نواب صاحب! بس آپ ہی کا شرف حاصل کرنے آرہا تھا۔'' رحمت نے پھر ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ ''حضور، اب دہلی کب تشریف لے جارہے ہیں۔؟''

نواب بولے۔ ''بھئی پرسوں فریزر صاحب سے ملنا ہے، میں تو تمہارا ہی انتظار کررہا تھا۔''

''اعلیٰ حضور، انتظار کیسا آپ کا تو حکم ہی مجھے زیب دیتا ہے۔'' رحمت بولا۔ ''ویسے حضور، دہلی میں تو آپ دریا گنج والی کوٹھی میں ہی غالباً قیام فرمائیں گے۔؟''

نواب بولے۔ ''اور کیا کسی سرائے میں ٹھہروں گا۔''

رحمت دانت نکال کر بولا۔ ''میرا مطلب یہ تھا حضور کہ اگر آپ فرنگی ڈھنگ کی اس کوٹھی میں ہی ٹھہریں گے تو گزر تو فیض بازار ہوتے ہوئے ہی ہوگا۔؟''

نواب صاحب بولے۔ ''آج کیا صبح ہی چڑھالی ہے جو بے سر پیر کی ہانک رہے ہو، فیض بازار نہیں تو کیا اجمیری گیٹ سے چکر لگاتا ہوا پہنچوں گا۔''

رحمت علی پھسپھسا کر بولا۔ ''حضور، میری منشا یہ ہے کہ جب آپ فیض بازار سے گزریں گے تو میں آپ کو ایک عجیب کرشمہ دکھاؤں گا حضور نے کبھی بھری دوپہر میں چودھویں کا چاند دیکھا ہے۔؟''

نواب صاحب بھی دھیمے لہجے میں بولے۔ ''فیض بازار میں اور چاند، وہ بھی دن میں۔؟''

''جی حضور۔'' رحمت بھی جلدی سے بولا۔ ''دیکھیں گے تو نیندیں حرام ہو جائیں گی، کیا مکھڑا ہے، ہائے ہائے گویا شراب سے بھرے کٹورے میں سے بھیگا ہوا گلاب کا پھول نکال لیا ہو کسی نے۔''

کچھ دیر رحمت علی بیٹھ کر خاکہ کھینچتے رہے اور پھر نواب سے دس روپے جھپٹ کر بولے۔

''تو حضور، میں پرسوں صبح چھ بجے حاضر ہو جاؤں گا۔''

کچھ ہی دیر بعد مولوی عبداللطیف آ گئے اور نواب صاحب کو آداب کر کے بغل میں پڑے ہوئے مونڈھے پر ہانپتے ہوئے بیٹھ گئے۔

''کیا خبر لائے ہو مولوی صاحب۔؟'' نواب صاحب نے پوچھا۔

''حضور، کمشنر صاحب سے شام چار بجے ملنا ہے ان کے ساتھ آپ چائے بھی پئیں گے۔'' مولوی صاحب بولے۔

''اور سب خیریت ہے۔؟''

''حضور، ابھی تک تو اللہ کا کرم ہے۔'' مولوی صاحب نے کہا۔ ''پھر بھی اگر آپ کمشنر فریزر صاحب کو مٹھی میں بند کر سکیں تو کیا ہی کہنا۔''

پھر نواب صاحب کچھ سوچتے ہوئے بولے۔ ''ہوں'' اس فرنگی صاحب کی کمزوری کیا ہے، یہ پتہ لگایئے مولوی صاحب۔؟'' مولوی صاحب بولے۔ ''میں نے پتہ لگا لیا ہے حضور، اس فرنگی کو دو ہی شوق ہیں، ایک تو شیر کے شکار کا اور دوسرا عیاشی، میرے خیال سے تو حضور آپ اس سے پینگیں بڑھایئے اور اللہ کے فضل سے اپنی ریاست کے جنگل میں شیر بھی کئی ہیں، کمشنر سے دوستی بڑھا کر اسے شیر کے شکار کا دعوت نامہ دے کر یہاں مہمان بنایا جا سکتا ہے۔''

''آپ کا مشورہ قابل غور ہے مولوی صاحب۔'' نواب صاحب نے کہا ''میں سمجھتا ہوں کہ اگر ٹھیک طریقے سے مہرے بڑھائے جائیں تو یہ فرنگی کمشنر دو تین مہینے کے اندر دوست بن جائے گا دوست بنتے ہی ہمارا مقدمہ اور دعویٰ مضبوط ہو جائے گا۔''

''حضور پھر قلعہ فتح ہی سمجھئے۔'' مولوی صاحب بولے۔ ''ویسے بھی حضور آپ کے سوتیلے بھائیوں امین الدین اور ضیاء الدین کی وہاں تک رسائی ہے بھی نہیں، بس ان کے تو ایک ہی حمایتی

ہیں دلی میں...... ارے وہی اسد اللہ خاں جو دلی میں غالب کا تخلص رکھے شاعری کرتے پھر رہے ہیں، آپ کیلئے تو بدزبانی بھی کرتے سنا گیا ہے، کہتے ہیں شمس الدین احمد خاں بھلے ہی نواب احمد بخش خاں صاحب کے برخوردار سہی، پر ان کی امی جان تو کبھی الور ریاست کے درباری ہی تھیں، حضور، وہ تو کھلم کھلا، یار دوستوں کے سامنے آپ کو طوائف زادہ بھی بتلاتے ہیں، خدا انہیں غارت کرے۔"

نواب صاحب کی کنپٹی سرخ ہوگئی، بولے۔"اس غالب کی پنشن پر آج سے ہی روک لگا دی جائے مولوی صاحب! ایک مقدمہ اور سہی، جیسے ناس ویسے ہی سوا ستیاناس، جب شراب پینے کی رقم بند ہو جائے گی تو شاعری دھری کی دھری رہ جائے گی۔"

اور مولوی صاحب اٹھ کر چل دیئے۔

ریاست فیروز پور جھرکا ولوہارو کا جھگڑا تھا تو پیچیدہ ہی، ساری دنیا مانتی تھی کہ الور کے راجہ بختاور سنگھ کے دربار کے وکیل احمد بخش خاں نے انگریز جنگی لاٹ جنرل لائی لیک کو بھرت پور کی چڑھائی کے موقع پر بڑی امداد دی تھی ان کی خیر خواہی سے خوش ہو کر ہی لارڈ لیک نے اپنی سفارش کر کے انہیں ریاست تراش کر انہیں ایک نئی جاگیر دی تھی فیروز پور جھرکا اور لوہارو...... جاگیر ملتے ہی احمد بخش خاں نواب احمد بخش خاں بن گئے، جوش جوانی تھا اور اب تو قسمت بھی معطر ہوگئی تھی لہٰذا ان کی نظریں عنایت الور دربار کی گلوکارہ موسی کی بہن مہدی پر پڑیں اور نواب احمد بخش خاں لٹو ہوگئے، مہدی سے نواب صاحب کی چار اولادیں ہوئیں۔ شمس الدین احمد، ابراہیم علی، نواب بیگم اور جہانگیرا بیگم......

نواب بن کر ایک طوائف کو شریک حیات بنانے پر رشتہ داروں نے ان کی ناک میں دم کر دیا اس لیے ہار کر انھوں نے مغل نیاز محمد بیگ کی بیٹی گوفو بیگم سے بھی باقاعدہ نکاح کیا اور ان سے بھی چار اولادیں ہوئیں، امین الدین احمد، ضیا الدین احمد، ماہ رخ بیگم، اور بادشاہ بیگم نواب احمد بخش کا رخ کے بیٹے شمس الدین احمد کی طرف ہی رہا اور یہی تنازعہ کا سبب تھا، اس فسانہ میں غالب یوں آتے تھے کہ ان کے والد عبداللہ بیگ جو کہ الور ریاست کے فوجی صوبے دار تھے جب لڑائی میں کام آئے تو غالب کو ان کے چچا نصر اللہ بیگ نے اپنے زیر سایہ رکھا، نواب احمد بخش خاں کے چھوٹے بھائی الٰہی بخش کی بیٹی امراؤ بیگم کی شادی بھی غالب سے ہوگئی، جب نصر اللہ بیگ بھی مر گئے تب غالب ان کے وارث قرار دیئے گئے اور انہیں فیروز پور جھرکا سے ساڑھے سات سو

روپے سالانہ وظیفہ ملتا تھا، نواب احمد بخش خاں کی موت کے بعد شمس الدین احمد اور ان کے سوتیلے بھائی امین الدین احمد اور ضیا الدین احمد میں جھگڑا ہوا اور جاگیر کے تقسیم کے سوال پر مقدمہ دہلی کے انگریز کمشنر مسٹر ولیم فریزر کے پاس آیا۔

غالب کی ہمدردیاں ضیاء الدین احمد اور امین الدین احمد سے تھیں، کیونکہ وہ خاندانی ماں کی اولاد تھے، غالب منہ پھٹ تو تھے ہی، اس لیے شمس الدین احمد کا ذکر دوستوں میں ''طوائف زادہ'' کہہ کر کر دیا کرتے تھے، اس سے چڑ کر شمس الدین نے ان کی سالانہ پینشن میں اڑنگا لگا دیا جس کے خلاف غالب نے بھی مقدمہ ٹھونک دیا، انگریز کمشنر مسٹر فریزر کے پاس پیشیاں ہوتی تھیں جس کی وجہ سے نواب شمس الدین کو اکثر دہلی آنا پڑتا تھا، انھوں نے تبھی دریا گنج میں انگریزی طرز کی ایک کوٹھی بنوائی جہاں وہ دہلی آکر ٹھہرا کرتے تھے، یہ کوٹھی آج بھی دریا گنج میں موجود ہے اور اب ''آگرہ ہوٹل'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔

جس دن نواب شمس الدین احمد بخش خاں مقدمہ کے سلسلے میں دہلی آرہے تھے، ان کے ساتھ رحمت علی بھی لگ گئے تھے، فیض بازار ان دنوں بھی بھرا پورا بازار تھا اور اس کی شہرت تھی، فیض بازار کی شہرت ایک وجہ سے اور تھی جو دہلی کے ابھرتے رانجھاؤں کی زبان پر مچلتی رہتی تھی، فیض بازار میں محمد یوسف نام کا ایک کشمیری شال کا تاجر بھی تھا جس کے دو بیٹیاں تھیں عمدہ خانم اور وزیر خانم، رحمت علی نے ٹھیک ہی نواب شمس الدین احمد سے کہا تھا کہ فیض بازار میں بھری دوپہر میں چودھویں کا چاند دمکتا ہے۔؟

محمد یوسف کی بیٹیاں بے حد حسین تھیں، بڑی بیٹی عمدہ خانم پر رام پور کے نواب یوسف علی کی نگاہ پڑی تو اسے وہ رام پور لے گئے، رہی وزیر خانم جسے محمد یوسف ''چھوٹی'' کہتا تھا اس لیے وہ فیض بازار کی شہرت بن گئی تھی جس کیلئے امراؤں کے بگڑے ہوئے بیٹے غنڈوں کی مانند بھرے بازار میں لڑ بھی پڑتے تھے، یہ الگ بات ہے کہ چھوٹی عرف وزیر خانم نے کسی کو بھی گھاس نہیں ڈالی تھی۔ اور آج قسمت سے نواب شمس الدین احمد خاں نوابی ٹھاٹ باٹ سے بازار سے گزر رہے تھے اور رحمت علی ان کے گائڈ بن کر انہیں چھوٹی خانم کی دکان پر لے جا رہے تھے، رحمت علی پرانے چاول تھے اس لیے انھوں نے فوراً آنکھ مچولی کا نسخہ اپنایا، وہ نواب صاحب کو محمد یوسف کی دکان کے لگ بھگ سو گز تک لے آئے تو بولے۔ ''حضور! میں ذرا اُس بڈھے محمد یوسف کو دھرے پر لے آؤں، آپ کا نوابی قافلہ بھی اسے دکھادوں گا، آپ کو کچھ خریداری بھی تو کرنی ہوگی۔'' یہ کہہ کر

رحمت علی نے محمد یوسف سے جا کر کہا۔ ''بڑے میاں! فیروز پور جھرکا کا نواب آرہا ہے، بے شمار دولت ہے اور خود بھی کنوارہ ہے، لگے ہاتھ کچھ بونی کر لو، مگر مجھے تمہیں سودا پٹ جانے پر پانچ روپے دینے ہوں گے۔''

رحمت علی کی شرط سن کر محمد یوسف مان گیا بنی سنوری چھوٹی بھی گاہک کا استقبال کرنے لیے تیار ہوگئی، واقعی چھوٹی بیگم دوپہر کا چاند ہی تھی، دودھیا گلابی رنگ، بڑی بڑی، آنکھوں کے کور پر سرے کی لکیر جیسے کسی خنجر پر تازہ تازہ، دھار رکھائی ہو، چہرہ گول اور بدن دودھیا ریشمی......

نواب صاحب کا قافلہ جب دکان کے پاس آیا تو سیکھی پڑھائی چھوٹی نے قاتل ادا سے نواب کو ''تسلیم'' کہا اور بولی۔ ''حضور، کشمیری شال آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

چھوٹی کا بولنا نواب صاحب کو ایسا لگا جیسے کسی نویلی کی چوڑیاں کھنک گئی ہوں، کچھ دیر تک تو وہ چھوٹی کو بغیر پلک جھپکائے دیکھتے رہے، پھر سنبھلے اور دکان میں داخل ہوگئے۔

کشمیری شال تین طرح کے ہوتے ہیں، رفل پر کڑھے ہوئے، پشمینے پر کڑھے ہوئے، اور شاہ طوش، شاہ طوش سب سے مہنگے شال ہوتے ہیں نواب شمس الدین احمد خاں نے چھوٹی کے دکھائے بیسوں کے بیس شاہ طوش کے شال خرید ڈالے جسے دیکھ کر چھوٹی اور اس کے ابا دونوں کی ہی آنکھیں باہر نکل آئیں، چلتے وقت حیا سے بوجھل آنکھوں سے جب نواب صاحب کو چھوٹی نے ''خدا حافظ حضور'' کہا تو نواب مسکرا کر بولے۔ ''اپنے گھر کے خدمت گاروں اور باندیوں کیلئے بھی ہمیں شال چاہئے، وہ ہم آپ کے یہاں آ کر لیتے رہیں گے۔''

باپ بیٹی بہت خوش ہوئے، نواب صاحب کے جاتے ہی رحمت علی نے محمد یوسف سے پانچ روپے وصول کیے اور اسے پھسپھسا کر اشارہ دیا ''بڑی موٹی مرغی ہے میاں! کچھ لمبی سوچو لمبی بانکا جوان ہے اور پھر لاکھ روپے کی بات تو یہ ہے کہ کنوارہ ہے...... میرا مطلب سمجھے یا نہیں......؟''

محمد یوسف نے رحمت علی کی بات کو فوراً ہی سمجھ لیا اس کے چلے جانے پر اس نے سوچا۔ ''بڑی بیٹی عمدہ خانم رام پور کے نواب کے سائے میں عیش کر رہی ہے، اگر چھوٹی بھی اس نواب پر حاوی ہو جائے تو میرا بڑھاپا ہی سنور جائے......؟

اور ہوا بھی یہی، نواب شمس الدین احمد خاں اور وزیر خانم عرف چھوٹی کی بات بڑھتی ہی گئی اور ایک دن رحمت علی کی لپیٹی ڈور سے الجھ کر دونوں کی شادی ہوگئی، رحمت علی کو نواب شمس الدین احمد نے خوشحال کر دیا، وہ اس کا احسان مانتے ہوئے کبھی کبھار کہا بھی کرتے تھے۔

''ہمارے آنگن میں کشمیری چاند کی چاندنی چٹکی وہ تمہاری عنایت ہے۔''

ولیم فریزر اپنی کوٹھی میں بیٹھا اپنے ہمراز دوست کرنل جیمز سکنر کے ساتھ شراب پی رہا تھا دونوں ہی عیاش تھے، کرنل سکنر کو دہلی والے ''سکندر صاحب'' کہہ کر جانتے تھے، سکنر تو دیکھا جائے اچھا خاصہ نواب تھا، ایک سو چورانوے گاؤں تھے اس کے جس کی آمدنی اور قیمت ۳۴ لاکھ آنکی گئی تھی، اس کی چودہ بیویاں در کھیلیں تھیں جب کہ فریزر بن بیاہا تھا، شکار کا شوقین اس نے اب تک ۸۴ شیر مارے تھے، عیاشی اس کا دوسرا شوق تھا، اس فن کا بھی وہ ماہر شکاری تھا۔

شراب کا دور چل رہا تھا، فریزر بولا۔''جمی! آج پھر وہ فیروز پور جھرکا کا نواب آیا تھا، سنا ہے اس نے ایک بہت ہی خوبصورت عورت سے شادی کرلی ہے۔''

سکنر بولا۔''ہاں! اس نے فیض بازار کے ایک کشمیری شال والے کی بیٹی سے شادی کرلی ہے۔ اور اس کیلئے ایک حویلی بھی چاندنی چوک کی گلی میں خرید لی ہے جہاں وہ رہتی ہے، بہت خوبصورت ہے وہ۔''

فریزر اپنے گلاس میں شراب ہلاتا ہوا بولا۔''نواب نے مجھے اپنی ریاست میں شکار کیلئے بلایا ہے، سنا ہے اس کے جنگل میں دھاردار بھی شاید مل جائے۔''

سکنر بولا۔''یہ بات بھی سچ ہے، ویسے وہاں تمہارے مطلب کی ایک نہ ایک دھاردار شیرنی بھی مل جائے گی۔''

فریزر زور سے ہنسا۔''ٹھیک ہے، میں نواب کی دعوت قبول کرلیتا ہوں۔''

دوسرے ہی دن فریزر فیروز پور جھرکا پہنچ گیا اس کی خاطر تواضع میں نواب شمس الدین احمد خاں نے کوئی کسر نہیں رکھی، قسمت سے فریزر نے دس فٹا ایک شیر بھی مار لیا تھا، وہ خوش تھا اور دل ہی دل میں کہہ اٹھا تھا۔''شیر تو تم نے مار لیا ولی! مگر کوئی شیرنی ابھی تک نظر نہیں آئی۔''

جاتی ہوئی سردیوں کے دن تھے نواب صاحب کے زنان خانے کی طرف والے باغ میں اس کی کنواری بہن جھولے پر بیٹھی گنگنا رہی تھی کہ نہ جانے کہاں سے فریزر گھومتا ہوا آ گیا، جہانگیرا بلا کی خوبصورت تو نہیں تھی مگر قبول صورت ضرور تھی فریزر اسے دیکھ کر مسکرایا جہانگیرا سٹپٹا گئی اسے یہ تو معلوم تھا کہ بھائی جان کا مہمان بن کر انگریز کمشنر آیا ہے مگر گھر میں پردے کی وجہ سے اسے دیکھا نہیں تھا۔

جہانگیرا کو تذبذب میں دیکھ کر فریزر کا حوصلہ بڑھا اس نے آگے بڑھنا لازمی سمجھا جہانگیرا

سمجھ گئی کہ فرنگی کی نیت ٹھیک نہیں ہے اس لیے وہ چلنے لگی، فریزر نے اسے روکنا چاہا بولا۔ ''ڈرو نہیں، ہم کوئی ہوا نہیں جو تمہیں کھا جائیں گے۔'' اور یہ کہہ کر فریزر نے جہانگیرا کی کلائی پکڑ لی، جہانگیر نے جدوجہد کے بعد اپنی کلائی چھڑالی اور حویلی کی طرف بھاگی اور تب تک دم نہیں لیا جب تک وہ اندر داخل نہیں ہوگئی، مایوس ہوکر فریزر مہمان خانے میں لوٹ گیا۔

جب یہ واقعہ جہانگیرا نے روکر اندر سنایا تو نواب شمس الدین احمد خاں نے غصے میں تلوار میان سے باہر نکال لی مگر ان کی ماں نے سمجھایا۔ ''بیٹے! عقل سے کام لو، انگریز کمشنر پر وار آفت کی آندھی لے آئے گا اور پھر اپنے گھر کی لڑکی کی بات بھی باہر جائے گی، ٹھنڈا لوہا ہی گرم لوہے کو کاٹتا ہے، انتقام ضرور لو مگر ٹھنڈے دماغ سے اور کچھ عرصہ سوچ سمجھ کر۔''

نواب شمس الدین احمد خاں نے ماں کی بات مان لی، وہ پھر اپنے مہمان فریزر سے نہیں ملا اور نہ ہی رخصت کے وقت حاضر ہوا اپنے منشی سے کہلوادیا کہ نواب صاحب کو بخار آگیا ہے، فریزر اشارہ سمجھ گیا کہ جہانگیرا نے اسے سب کچھ بتادیا ہے۔

جب دہلی لوٹ کر فریزر کرنل سینکر سے ملا تو سارا واقعہ اسے سنا دیا، کرنل سینکر نے مشورہ دیا۔ ''ان آر ٹکلس سے بہت ہوشیار رہنا ولی! یہ بدلہ لینا خوب جانتے ہیں اور خطرناک بھی ہوتے ہیں۔''

فریزر سمجھ گیا۔

نواب شمس الدین کو پہلی چوٹ اس نے یہ دی کہ جب مقدمہ کے سلسلے میں نواب صاحب اس سے ملنے آئے تو اس نے انہیں دھتکار کر واپس کر دیا، یہی نہیں فریزر نے نواب صاحب کے سوتیلے بھائی اور مخالف امین الدین احمد کو بھڑکایا کہ وہ کلکتہ جا کر اپیل کرے اور وہ پیچھے سے ان کی مدد بھی کرے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امین الدین کی اپیل رنگ لائی اور لوہارو پرگنہ جو ابھی تک نواب شمس الدین احمد کے قبضے میں تھا اس کے ہاتھ سے نکل گیا وہ اسے امین الدین خاں کو دینا پڑا، نواب شمس الدین تلملا گئے اور پھر تبھی انھوں نے کمشنر فریزر سے نپٹنے کا فیصلہ کرلیا۔

۱۸۳۴ء دہلی سے لوٹ کر مولوی عبدالطیف فوراً ہی نواب شمس الدین سے ملے۔

''اب کیا خیر خبر ہے مولوی صاحب۔؟'' نواب نے پوچھا۔

مولوی صاحب بجھے بجھے لہجے میں بولے ''میرے مخبر شبراتی نے مجھے بتلایا ہے کہ کمشنر فریزر کا دوست دریا گنج والا کشن گڑھ کا راجہ ہے اور جس کے یہاں غالب کو کمشنر سے ملوایا گیا

ہے۔"

"پھر۔" متجسس ہو کر نواب نے پوچھا۔

"اب سازش یہ بن رہی ہے۔" مولوی صاحب پُر اسرار لہجے میں بولے۔ "کہ جو پینشن غالب کو آپ کی جاگیر فیروز پور جھرکا سے ملتی ہے وہ آپ کو ہر ماہ دہلی کی عدالت میں جمع کرانی ہوگی اور وہاں سے ہی وہ پینشن غالب کو دی جائے گی۔"

یہ سن کر نواب شمس الدین تلملا گئے دانت پیس کر بولے۔ "اب جلدی ہی اس فرنگی کو ٹھکانے لگانا ہوگا۔"

تبھی نواب شمس الدین نے وسائل خاں، کریم خاں اور انیا مواتی کو بلوایا تھا، کریم خاں پکا نشانے باز تھا جسے لوگ "بھر و مارو" کہتے تھے، ان تینوں کو فریزر کو موقع پا کر ختم کرنے کا کام سونپا گیا، یہ تینوں ہی اس دن سے گھات میں لگ گئے۔

کمشنر فریزر گھوڑے پر نکلتا تھا مگر اس کے ساتھ چھ گھوڑ سوار بھی رہتے تھے جو ہتھیاروں سے لیس ہوتے تھے رات میں جب فریزر نکلتا تھا تب بھی یہ گھوڑ سوار ساتھ چلتے تھے، کریم خاں اور اس کے دونوں ساتھی پیچھے تو لگے تھے مگر انہیں صحیح موقعہ نہیں مل پا رہا تھا۔

ہولی کے پھاگ کھیلے جانے والے دن راجہ کشن گڑھ نے رات کو دعوت رکھی جس میں کمشنر فریزر بھی آیا، گلابی ٹھنڈ پڑ رہی تھی اور چاندنی بھی ماحول کو روپہلی چادر پہنائے ہوئے تھی، دعوت کے بعد دہلی کی مشہور گلوکارہ سانولی کا پروگرام بھی رکھا گیا تھا، محفل میں سماں بندھ گیا فریزر جھومنے لگا تبھی فریزر نے اٹھ کر اپنے گھوڑ سواروں سے کہا جو باہر برآمدے میں بیٹھے تھے۔ "تم لوگ جاؤ ہمیں دیر لگ سکتی ہے، وسائل خاں، کریم خاں اور انیا کو خبر لگ گئی تھی کہ کمشنر راجہ کشن گڑھ کی کوٹھی میں دعوت اڑا رہا ہے، لہٰذا وہ بھی کوٹھی کے سامنے چھپ کر بیٹھ گئے، جب کمشنر کے گھوڑ سوار چل دیئے تو انہیں امید ہوئی کہ آج کام ہو جائے گا۔

گیارہ بجے کمشنر ولیم فریزر راجہ کشن گڑھ کو الوداع کہہ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا کشمیری گیٹ پار کرتے ہی کریم خاں نے گولی چلائی اور کمشنر گر کر ختم ہو گیا۔

کمشنر کا قتل کر کے تینوں بھاگے اور بندوق قریب کے کنویں میں پھینک دی۔

دوسرے دن دہلی میں تہلکہ مچ گیا، ایک فرنگی کا قتل اور وہ بھی دہلی کا کمشنر، سب جگہ سراسیمگی پھیل گئی، دہلی کا کلکٹر مسٹر لارنس تحقیقات میں مصروف ہو گیا، اسے کرنل سکنر نے ہی

فریزر اور نواب شمس الدین احمد خاں کی چپقلش کے بارے میں بتایا، لہٰذا نواب شمس الدین احمد خاں کو دہلی طلب کیا گیا۔

فرنگیوں کے بلاوے پر سب ہی کو شبہ ہوا کہ انگریزوں کا ارادہ نیک نہیں ہے، فیروز پور جھرکا ریاست کے ایک ماہر اونٹنی سوار نے نواب شمس الدین خاں سے کہا۔ ''حضور، ان لال منہ کے بندروں پر یقین نہ کریں، آپ میرا لباس پہن کر میری اس اونٹنی پر سوار ہو کر راتوں رات دہلی کی سرحد پار کر کے پنجاب چلے جایئے، وہاں فرنگی کچھ نہیں کر سکتے۔'' مگر نواب شمس الدین احمد کو تو نوابی غرہ تھا بولے۔ ''انگریز میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔''

نواب شمس الدین احمد پھر دہلی چلے گئے اپنی پیاری بیوی وزیر خانم اور ان کی گود میں کھیلتے ہوئے اپنے بیٹے کو چوم کر ریزیڈنٹ کے پاس پہنچ گئے پہنچتے ہی انگریزوں نے انہیں گرفتار کر لیا، قتل کرنے والے لوگوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا انیا میواتی سرکاری گواہ بن گیا مقدمہ چلا اور فیصلہ سنا دیا گیا۔

۳/ اکتوبر ۱۸۳۵ء کو کشمیری گیٹ کے باہر نواب شمس الدین بخش اور کریم خاں نشانے باز کو سرعام پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کتاب ''نقشِ آزاد'' میں لکھتے ہیں۔ ''نند کمار کے بعد یہ دوسری پھانسی تھی جو ایک ہندوستانی رئیس کیلیے انگریزی قانون کو تجویز کرنی پڑی۔

وزیر خانم کی گود میں نواب شمس الدین احمد خاں کے بیٹے کا نام مرزا خاں رکھا گیا تھا، یہی مرزا داغ'' بن گیا۔ رشتے میں داغ غالب کے پھوپا ہوتے تھے۔
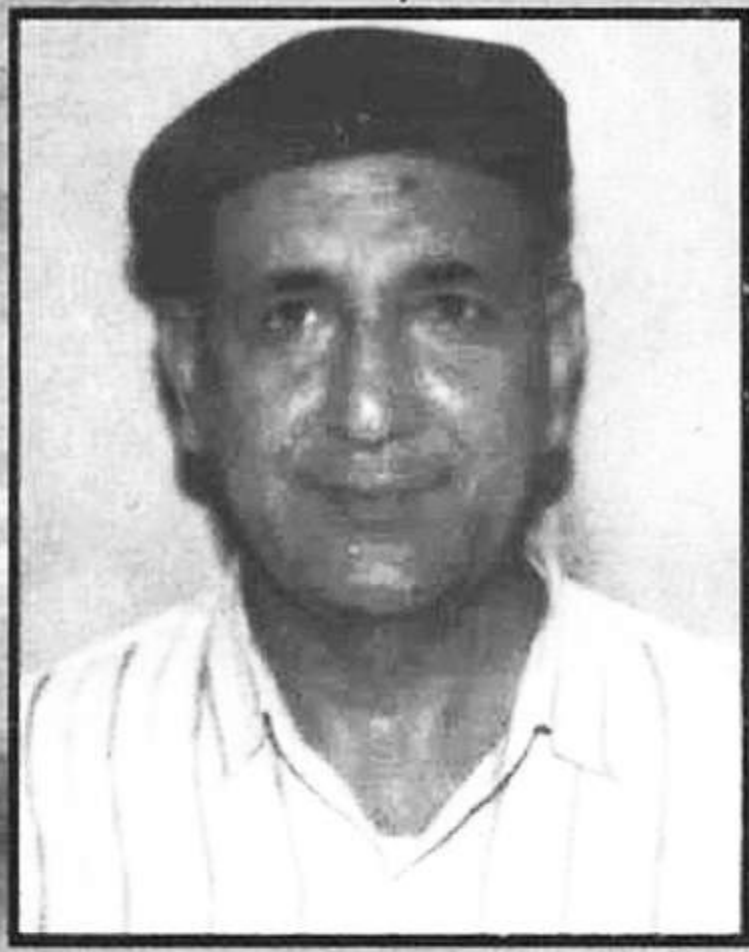
انیس مرزا

انیس مرزا کا شمار ان گنے چنے ادیبوں میں کیا جاتا ہے جو فنِ ناول نگاری میں بے حد مشہور اور مقبول ہیں، ان کے ناولوں میں رومان پرور فضا کے ساتھ ساتھ جہاں سماجی برائیوں کو اجاگر کیا جاتا ہے، وہیں وہ کافی سبق آموز بھی ہوتے ہیں، ان کے اب تک ڈیڑھ سو سے زائد ناول شائع ہو کر مقبول عام ہو چکے ہیں، جن میں ''رہ گذر''، ''آندھیاں''، ''سوکھا ساون''، ''ٹوٹی لکیر'' اور ''یاسمین'' کے علاوہ متعدد ناول بے پناہ شہرت حاصل کر چکے ہیں، اس کے علاوہ انھوں نے سینکڑوں افسانے، درجنوں بچوں کی کہانیاں بھی لکھی ہیں اور ایوارڈ حاصل کیے ہیں۔ ان کے بچوں کے ناول ''سمندر کے بھوت'' پر انھیں دہلی اردو اکادمی سے ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔

''حرم سرا کی سازش'' ان کی تاریخی پس منظر پر لکھی گئی کہانیوں کا مجموعہ ہے جو امید ہے ہمیشہ کی طرح قارئین کو پسند آئے گا۔